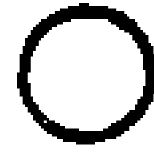
تاریخ شیخوپورہ

ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین

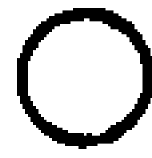


تاریخ شیخوپورہ





ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین



اظہار سنز

۱۹- اردو بازار لاہور

بار اول ستمبر ۱۹۹۹ء

جمادی الثانی ۱۴۲۰ھ

ناشر پروفیسر ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین

گلی نمبر ۱۲ شمالی گھنگ روڈ شیخوپورہ

تعاون خاص اظہار ریسرچ انسٹی ٹیوٹ آف پاکستان، لاہور

مطبع اظہار سنز پرنٹرز، ۹ ریٹیگن روڈ، لاہور

قیمت ۳۰۰ روپے

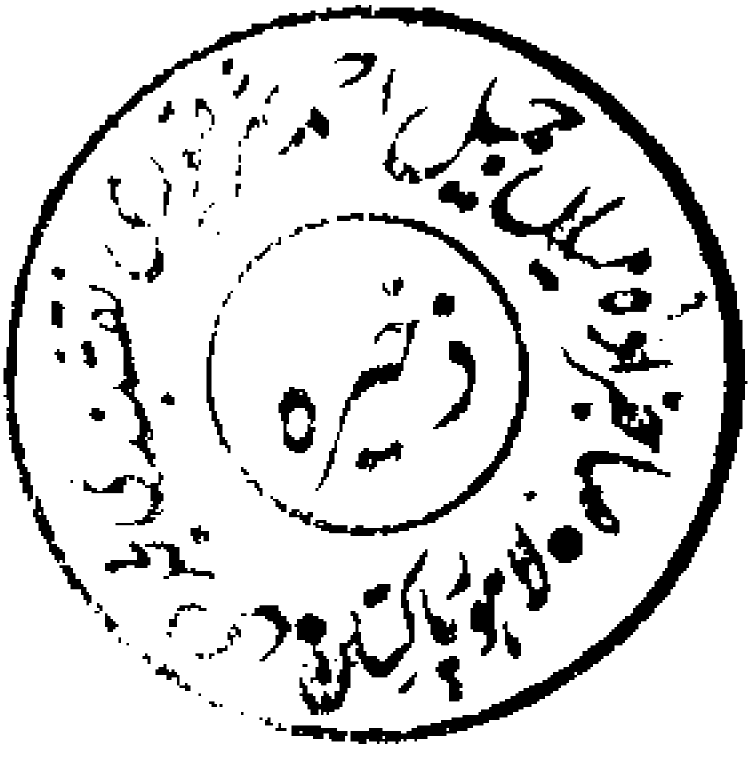
ملنے کا پتہ

اظہار سنز ۱۹۔ اردو بازار لاہور



انتساب

چوہدری خوشی محمد
مدرس السنہ شرقیہ کے نام



تعارف

اگر آپ ذاتی شرافت' دیانت اور محنت کے بل بوتے پر ترقی کی کوئی مثال دیکھنا چاہیں تو ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین سے مل لیجئے۔ ڈاکٹر صاحب نے ریلوے کی ایک معمولی ملازمت کو سد راہ نہ بننے دیا اعلیٰ ترین ڈگریاں ملازمت کے دوران حاصل کیں۔ حیدر آباد یونیورسٹی (جامشورو) میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں جیسے اعلیٰ پائے کے محقق سے تحقیق کے فن میں تربیت حاصل کر کے' تدریس کے پیشے سے وابستہ ہو گئے۔

ڈاکٹر صاحب نے ایک اچھے اور محنتی استاد کی حیثیت سے نیک نامی حاصل کی اور اس کے ساتھ ساتھ تحقیق کا سلسلہ جاری رکھا اور مختلف موضوعات پر اعلیٰ تحقیقی تصانیف پیش کیں۔

فن تاریخ سے بھی انہیں خصوصی لگاؤ ہے۔ قبل ازیں ان کی دو تصانیف "تاریخ رائے ونڈ" اور "تاریخ پسرور" اہل علم حضرات سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

زیر نظر تصنیف "تاریخ شیخوپورہ" ان کا تازہ ترین شہکار ہے جس میں ہر قابل ذکر ماخذ سے استفادہ کر کے ضلع شیخوپورہ کی ایک "انسائیکلوپیڈیائی" تاریخ مرتب کی گئی ہے۔ میرے نزدیک یہ ان کی پہلی دونوں تصانیف سے بہتر ہے۔ یقین ہے کہ علمی حلقوں میں اس کا خیر مقدم کیا جائے گا۔

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا

پرنسپل اورینٹل کالج لاہور

۲۷-۹-۱۹۹۹

دیباچہ

فروری ۱۹۸۷ء میں پسرور سے تبدیل ہو کر شیخوپورہ آیا تو چند روز بعد کالج میں ایک مشاعرہ میں شرکت کا موقعہ ملا۔ یہاں کے چند شعرا کا کلام سن کر شیخوپورہ کی ادبی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ کالج کے سٹاف میں پروفیسر مظہر محمود شیرانی صاحب کو پا کر اور ان سے مل کر انتہائی مسرت ہوئی۔ شیخوپورہ کی سرزمین کتنی خوش قسمت ہے کہ خوانوادہ پروفیسر حافظ محمود شیرانی نے اسے اپنا مستقل مسکن بنا لیا ہے۔ اسی سال چند احباب نے تاریخ شیخوپورہ مرتب کرنے کا مشورہ دیا۔ حیدر آباد سندھ سے پروفیسر ڈاکٹر سید سخی احمد ہاشمی صاحب نے بھی شیخوپورہ کی تاریخ لکھنے کی طرف توجہ مبذول کرائی کیوں کہ اس سے قبل میں تاریخ رائے ونڈ اور تاریخ پسرور لکھ چکا تھا۔ پس چند ماہ بعد میں نے اس موضوع پر تحقیق و جستجو کا آغاز کر دیا۔

تحقیق کے دوران میں نے محسوس کیا کہ شیخوپورہ شہر اور اس کے قرب و جوار کی اپنی ایک تاریخ ہے۔ شہر سے چند کلومیٹر کے فاصلہ پر مغل بادشاہ' جہانگیر کی سیرگاہ موجود ہے اس کے چہیتے ہرن منس راج کی قبر پر تعمیر کردہ مینار' تالاب اور اس میں بارہ دری اس دور کی نشانیاں موجود ہیں۔ شہر میں جہانگیر کا تعمیر کردہ قلعہ آج بھی پختہ بنیادوں پر قائم ہے اور شکست و ریخت کا شکار ہو رہا ہے۔

مغل دور سے صدیوں پہلے کے آثار بھی یہاں ملتے ہیں۔ قبل از مسیح یونانی سپاہ سالار سکندر اعظم کے سانگلہ ہل پر حملہ کے دھندلے سے آثار تاریخ میں دکھائی دیتے ہیں۔ اسلام سے قبل یا ایک دو صدیوں بعد کے آثار شہر کے قرب و جوار میں موجود ٹیلوں (Mounds) کی شکل میں موجود ہیں۔ قدیم لوک کہانیوں کا سلسلہ بھی ان میں سے چند ایک کے ساتھ واسطہ نظر آتا ہے۔ لوگوں کو اس بات کا علم نہیں کہ مغل بادشاہ ہمایوں نے شیخوپورہ کا علاقہ نقشبندیہ قادریہ سلسلہ کے ایک بزرگ شاہ بلاول کو جاگیر میں دیا تھا۔ اسی دور میں شاہ کوٹ میں نولکھ ہزاروی تبلیغ کرتے نظر آتے ہیں۔ سکھ مت کے بانی

گورونانک تلونڈی (ننکانہ صاحب) میں قرب و جوار میں خدا واحد کا پرچار اور مفلوک الحال لوگوں کی مدد کرتے نظر آتے ہیں۔ پنجاب میں مغل عہد کے زوال پذیر معاشرہ اور سیاسی انتشار کی جھلکیاں پنجابی کے مشہور شاعر سید وارث شاہ کی ہیر میں ملتی ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ آزادی کے دوران یہاں کے مان سکھ یہاں سے پنجابی جوان بھرتی کر کے دہلی جا کر انگریزوں کی مدد کرتے ہیں۔ مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی گرفتاری کے وقت اور مغل شہزادوں کے قتل کے موقعہ پر مان سکھ موجود تھے۔ صلے میں یہ علاقہ ان کو جاگیر میں دیا گیا۔ ان سکھ سرداروں کی اولاد ۱۸۸۶ء میں یہاں دربار منعقد کرتی نظر آتی ہے۔ موجودہ صدی میں شرق پور میں آسودہ لحد میاں شیر محمد کی تعلیمات کا آج بھی اس علاقہ میں چرچا ہے۔ شہر شیخوپورہ میں تین دہائیوں سے مقیم چورہ شریف کا گھرانہ اپنے آباؤ اجداد کی تعلیمات سے آج بھی اس خطہ کو منور کیے ہوئے ہے۔ ایسے تاریخی پس منظر کے حامل علاقہ کی تاریخ کو احاطہ تحریر میں لانا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔

تاریخ نویسی کے لئے ضروری ہے کہ:

۱۔ قیاس آرائی پر تکیہ نہ کیا جائے۔ اگر قیاس یا روائیت کو مجبوراً" اپنانا پڑے تو اسے عقل و دانش کی کسوٹی پر پرکھ لیا جائے یہی فن درائیت ہے جسے مسلمانوں نے حدیث نبوی کی تدوین میں استعمال کیا۔

۲۔ قدرتی طور پر ہر علاقہ' ملک اور شخص کی تاریخ غیر شعوری طور پر مرتب ہو رہی ہے' کوئی بات پوشیدہ نہیں رہتی۔ ایک بالغ نظر محقق اور مورخ حالات و واقعات کے ایک ایک جز کو مطبوعہ و غیر مطبوعہ تحریروں اور بڑے بوڑھوں کی زبانی معلوم کر لیتا ہے اور پھر سلیقے سے ترتیب دے کر عوام کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔

۳۔ حقیقی مورخ اور محقق کا بنیادی اصول غیر جانبداری ہے' جانبداری کا مظاہرہ کرنے والوں کا کام خوشامد کا دفتر اور ذاتی تاثرات کا مجموعہ بن جاتا ہے۔

تاریخ شیخوپورہ مرتب کرتے وقت میں نے درج بالا اصولوں کی پیروی کی ہے۔ تاریخی اسناد و شواہد ہی کو بنیاد بنا کر میں نے اپنی تاریخ کی بنیاد کھڑی کی ہے۔ میں نے ایسے مستند تاریخی حوالوں پر انحصار کیا ہے جنہیں کوئی بھی علمی ذہن رکھنے والا شخص ٹھکرانے کی جرات

نہیں کر سکتا۔ کتب تو بے زبان ہیں۔ انہوں نے مواد فراہم کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا لیکن انسانوں نے تعاون بہت کم کیا ہے۔ کئی اصحاب نے تو بار بار تقاضہ کرنے پر بھی معلومات فراہم نہیں کیں۔ اس کتاب میں آپ جو کمی محسوس کریں گے اس کی وجہ ان لوگوں کا عدم تعاون ہے۔ تاریخ مرتب کرتے وقت میں نے غیر مسلموں کو بھی اہمیت دی ہے۔ ان کی تاریخی اہمیت کو مسخ نہیں کیا' آزادی وطن سے قبل وہ بھی معاشرہ کا ایک اہم حصہ تھے۔ مسلم و غیر مسلم یہاں مل جل کر رہتے تھے۔ ہر ایک کی خوشی و غمی میں برابر شریک ہوتے تھے۔

شخصیات کے سلسلہ میں عرض ہے کہ میں نے تاریخی اہمیت کی حامل شخصیات کو شامل کیا ہے۔ کسی کی بے جا تعریف و توصیف سے کام نہیں لیا اور نہ ہی کسی پر کسی قسم کی حرف گیری کرنے کی کوشش کی ہے۔ دیانتداری سے کام لیتے ہوئے شروع سے لے کر موجودہ دور تک شیخوپورہ کی ہر چیز کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے تاکہ آنے والے مورخ کے لئے یہ حوالے کے لئے کام میں آ سکیں۔

تحقیق و جستجو کے دوران میں مجھے ان گنت رکاوٹوں سے دو چار ہونا پڑا۔ چند مواقعہ پر تو توہین آمیز سلوک ہوا۔ لیکن قادر مطلق نے مجھ ناچیز کو سرخرو کیا اور وہ مرتبہ عطا کیا جس کا میں اہل نہ تھا۔

یہ تاریخ مسلم لیگ کے ایک گمنام اور مخلص کارکن کے نام نامی سے منسوب کی گئی ہے جس نے لاہور میں منعقدہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کے مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس میں جمع ہوئے مسلمانوں کے خورد و نوش کا انتظام اپنی حیثیت کے مطابق کیا۔

اس تاریخ کی طباعت و اشاعت اور دوسرے مصارف مسلم لیگ کے گمنام کارکن خوشی محمد کی اولاد نے برداشت کیے ہیں۔

اس قومی خدمت پر میں خانوادہ خوشی محمد کا انتہائی مشکور و ممنون ہوں اس گھرانہ کے لئے بارگاہ الٰہی میں ہمیشہ دعاگو رہوں گا۔

آخر میں اپنے رفیق کار ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی کا سپاس گزار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب سے متعلق مفید مشورے دیئے اور اس کتاب کی نوک پلک سنوارنے اور تحریر کو زبان و بیان

کے اعتبار سے بہتر بنانے میں معاونت فرمائی۔ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب' ڈاکٹر ظہور الدین احمد اور ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے بھی تاریخی مواد کی نشاندہی کی۔ اس کے لئے ان احباب کا شکریہ ادا کرنا بھی واجب ہے۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری تو اس موضوع پر بہت خوش تھے۔ ضلع شیخوپورہ میں مدفن اولیائے اللہ اور مصنفین کی آپ نے نشاندہی کر کے علم دوستی کا ثبوت دیا۔ پروف ریڈنگ کے سلسلے میں ضیاء محمود' فیصل محمود اور طلعت سلطان کا تعاون حاصل رہا ہے۔

تاریخ شیخوپورہ مکمل ہو چکی تھی کہ آخری مرحلہ پر مجھے اپنے خسر مکرم مرزا ولائیت بیگ کے جداعلیٰ سیلانی شاہ کے متعلق تفصیلات تحقیقات چشتی نامی کتاب میں مل گئیں۔ سیلانی شاہ مغل بادشاہ محمد شاہ کا بیٹا تھا۔ اس دریافت پر مجھے انتہائی مسرت ہوئی' اپنے حالات میں میں نے اس نئی دریافت کا ذکر کر دیا ہے۔

ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین

ریٹائرڈ اسسٹنٹ پروفیسر اردو

۱۲ ۔ گھنگ روڈ (شمالی) شیخوپورہ

فہرست

باب ۱

شیخوپورہ --- تاریخ کی روشنی میں

عہد قدیم

شیخوپورہ کا تاریخی شہر شاہدرہ باغ فیصل آباد ریلوے لائن پر شاہدرہ سے ۳۳ کلومیٹر کے فاصلہ پر، طول البلد ۴۷ ۷۳ مشرق اور عرض البلد ۴۳ ۳۱ شمال میں واقع ہے۔ سطح سمندر سے تقریباً" ۷۰۰ (؟) فٹ بلند ہے۔

وجہ تسمیہ

تاریخ سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ ساہو ملی (موجودہ ساہو کی ملیاں - شیخوپورہ، مرید کے روڈ پر) کے قریب شہنشاہ جہانگیر نے اپنے نام کا ایک شہر آباد کیا ہے۔ آئین اکبری تصنیف علامہ ابوء الفضل کے مطابق صوبہ لاہور میں آٹھ سواد تھے۔ ان میں ساہو ملی ایک محال تھا۔ ساہو ملی سرکار دو آبہ رچناؤ میں تھا۔ اس کی پیائش ۱۵۲۳۹۱ محاصل ۵۵۷۴۷۶۴ سیور غال ۱۸۳۵۳ سوار ۴۰ پیادے ۱۳۰۰۔

یہ شہر شیخوپورہ ہے جس کا ابتدائی نام جہانگیر آباد ہے۔ مغل بادشاہ جہانگیر (۲۷-۱۶۰۵) کے دور حکومت میں پہلی بار اس کا ذکر ملتا ہے۔ تزک جہاں گیری میں بادشاہ جہانگیر ۱۰۱۵ھ (۰۷ - ۱۶۰۶ء) کے واقعات میں ذکر کرتا ـــــــ "منگل کے روز میں نے جہانگیر پورہ میں قیام کیا۔ یہ میری شکار گاہ ہے۔ یہاں میرے حکم سے ایک مینار اور میرے ہرن منس راج کی قبر تعمیر کی گئی"۔ (۲۶-۱۶۲۵ء) کے واقعات میں اس طرح ذکر آتا ہے کہ "جب شاہی سواری نے جہاں گیر آباد میں نزول اجلال کیا تو داور بخش ولد سلطان خسرو اور شہر کے دوسرے سرکردہ لوگوں نے خدمت شاہی میں پہنچ کر زمین بوسی کی سعادت حاصل کی"۔

خلاصۃ التواریخ کے حوالے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شہزادہ سلیم (جہانگیر) نے لاہور کے نزدیک ساہو ملی میں (کے قریب) ایک گاؤں آباد کیا۔ اس لئے جہاں گیر آباد نام ہوا شاہ جہاں (۱۶۵۸ - ۱۶۲۷) کے عہد میں بھی جہاں گیر آباد کا ذکر آتا ہے۔ ۱۷ ستمبر ۱۶۵۱ء

کو عہدالمظفر کا دن شاہ جہاں نے جہاں گیر آباد میں گزارا تھا۔ مغل دور میں ساہو ملی اور جہانگیر آباد کے علاقے بھی پرگنوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ جہانگیر آباد جہانگیر بادشاہ (۱۶۰۵ - ۱۶۲۷) کے دوسرے مسند جلوس یعنی ۱۶۰۷ء (۱۰۱۵ھ) میں پرگنہ جات جنڈالہ ملیاں اور مانگٹانوالہ سے ۱۴۵ دیہات لے کر پرگنہ بنایا گیا تھا۔ اس میں آٹھ پتے ہیں۔ پتہ حویلی کے خاص شیخوپورہ ہے چار اقوام اس قصبہ کی مالک ہیں۔ اول قوم ہنجرا' دوم ملی' سوم ورک' چہارم قانون گو عرف لکھ وری کھتری۔ دوسرا پتہ ملہاں۔ تیسرا ہرمالہ چوتھا مرادے۔ پانچواں کالا کے چھٹا جمعگی' ساتواں بہاپور اور آٹھواں اسلام نگر۔

جہاں گیر آباد نام کب تک رہا اور شیخوپورہ نام کب دیا گیا معلوم نہیں ہو سکا۔ قیاس ہے کہ مغل دور حکومت کے بعد اٹھارہویں صدی کے آخر میں اور رنجیت سنگھ کے دور حکومت کے ابتدائی سالوں میں اسے شیخوپورہ کے نام سے پکارا و لکھا جانے لگا تھا۔

شیخوپورہ زیادہ قدیم نہیں ہے لیکن اس کے ملحقات میں بعض علاقے تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ ضلع شیخوپورہ کا ایک مشہور شہر/ قصبہ سانگلہ ہل ۵۹ کلومیٹر دور ہے' مورخ اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ مشہور چینی سیاح ہیون سانگ (Hwen Thsang) ۶۳۳ء میں ہندوستان آیا تھا۔ سفر کے دوران کشمیر سے راجوڑی آیا۔ یہاں سے اس نے جنوب مشرق کی طرف سفر کرتے ہوئے دریا عبور کیا۔ یہ دریا چناب (Chen-ta-la-Pa-kia) ہے۔ یہاں سے وہ She-ye-pu میں داخل ہوا جو موجودہ حافظ آباد ہو سکتا ہے۔ یہاں اس نے ایک شب بسر کی اگلے روز وہ Tse-Kia پہنچا۔ وہ سانگلہ ہل (Sakala) کے شمال میں ایک جنگل سے گزرا جہاں ڈاکوؤں نے اس کے کپڑے تک اتروا لئے۔ اس دور میں Sakala بدھ مت کا بہت بڑا مرکز تھا۔ سنہ عسوی سے قبل یہ راجا Milinda کا پایہ تھا۔ یہ راجا ایک دوسرے راجا Nagasena کا مخالف تھا۔ یہاں Arrian اور Curtius کا تاریخی واقعہ ہوا تھا۔ جس کا ذکر مشہور مورخ Diodorus-۲۱ Bc نے کیا ہے اس کے مطابق شہر کے چاروں طرف ایک دیوار تھی اور ایک جانب دلدلی زمین تھی۔ یونانی مورخ Arrian اسے جھیل کہتا ہے مگر یہ گہری نہ تھی۔ اس پر شہر کا ایک دروازہ کھلتا تھا۔ سکندر اعظم (۳۵۶ - ۳۲۳ ق م) کے

مقابلہ کے لئے Kathreans موجود تھا۔ سکندر نے یہاں سے تین سو رتھ قبضہ میں لئے تھے بعد میں Ptolemy نے اس جھیل کے باہر ان رتھوں کی ایک قطار بنائی تھی۔ Kathreans نے رات کے وقت جھیل کے ذریعہ بھاگنے کی کوشش کی مگر رتھوں نے ناکام بنا دیا۔ بعد میں وہ زمین دوز راستہ بنا کر بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن پھر بھی ان کے سترہ ہزار جوان مارے گئے اور ستر ہزار قیدی بنا لئے گئے۔

چند مورخین کا خیال ہے کہ سکندر نے جس شہر سانگلہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی وہ ضلع گورداسپور کے آس پاس کوئی مقام تھا۔ یہاں سکندر نے آخری لڑائی لڑی تھی اور پھر آگے کی طرف کوچ کرتا ہوا دریائے بیاس کے کنارے جا پہنچا تھا۔

Taki یا Asarur یہ چینی سیاح ہیون سانگ کا شائد Tse-kia ہے جو ۶۳۳ء میں ہندوستان کا پایہ تخت تھا۔ یہ ٹیلہ یا کھنڈر لاہور۔ پنڈی بھٹیاں کے راستہ پر دو میل جنوب میں واقع ہے پنڈی بھٹیاں سے ۲۴ میل دور اور لاہور سے ۴۵ میل دور سانگلہ ہل سے ۱۹ میل کے فاصلہ پر ہے۔

Nara-Sinha ہیون سانگ شمال کی طرف بڑھا تو یہ شہر راستہ میں آیا۔ یہ ایک تباہ شدہ ٹیلہ پر واقع ہے۔ شیخوپورہ سے ۹ میل دور جنوب میں اور Asarur سے ۲۵ میل دور شمال جنوب میں، لاہور سے بھی اتنا ہی دور ہے۔

Ran-Si ایک تباہ شدہ ٹیلہ ہے جو شمالاً" جنوباً" سو فٹ لمبا، شرقاً" غرباً" پانچ سو فٹ چوڑا، بلندی ۲۰ سے ۲۵ فٹ ہے یہاں نوگزے کی قبر بھی ہے۔

یہاں دو تباہ شدہ ٹیلے ہیں جو قدیم شہروں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ان کے نام Kapi اور Amba ہیں۔ قصہ اس طرح ہے کہ ایک گھر میں ۳ بھائی سرکپ، سرسک اور امب اور چار بہنیں کاپی، کالپی، منڈی اور مندیہی (Mandehi) رہتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہر ایک نے شیخوپورہ کے جنوب میں ایک ایک شہر آباد کیا تھا جن کے آثار اس طرح ملتے ہیں۔

۱۔ سرکپ (Sir-Kap):

موضع بلرڑ (Balarh) کے قریب، شیخوپورہ سے چھ میل دور جنوب میں بلرڑ کا نام سرکپ سے سندھ ساگر دو آب کے قصہ سے بھی منسلک ہے۔ یہ شہر راجہ کا پائیہ تخت تھا۔

۲- سرسک (Sir-Suk):

یہ گاؤں مراد (Murad) کے قریب ہے۔ شیخوپورہ سے ساڑھے تین میل دور جنوب میں سرکپ سے اڑھائی میل شمال میں۔

۳- امبہ:

شیخوپورہ سے ۹ میل دور جنوب میں اور Ran-si سے ایک میل دور شمال میں۔

۴- کاپی (KapiorKanpi):

یہ ایک چھوٹا سا ٹبہ ہے امبہ سے اڑھائی میل دور شمال میں لاہور کے راستہ پر واقع ہے۔

۵- کالپی (Kalpi):

یہ گاؤں بھوئے پور (Bhuipur) کے قریب ہے سرکپ اور امبہ کے درمیان۔

۶- منڈی (Mundi):

رائیسہ اور امبہ سے ۸ میل دور جنوب میں ٹیلہ ہے دریا Bagh-Bachha کے مغربی کنارے پر۔

۷- مندیہی:

امبہ اور کالپی سے ساڑھے تین میل دور جنوب مشرق میں واقع ہے یہ تمام تباہ شدہ ٹیلے لاہور کے مغرب میں ۲۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہیں اور الگزنڈر کننگھم مشہور جغرافیہ داں کے وقت پرگنہ شرق پور میں واقع تھے۔

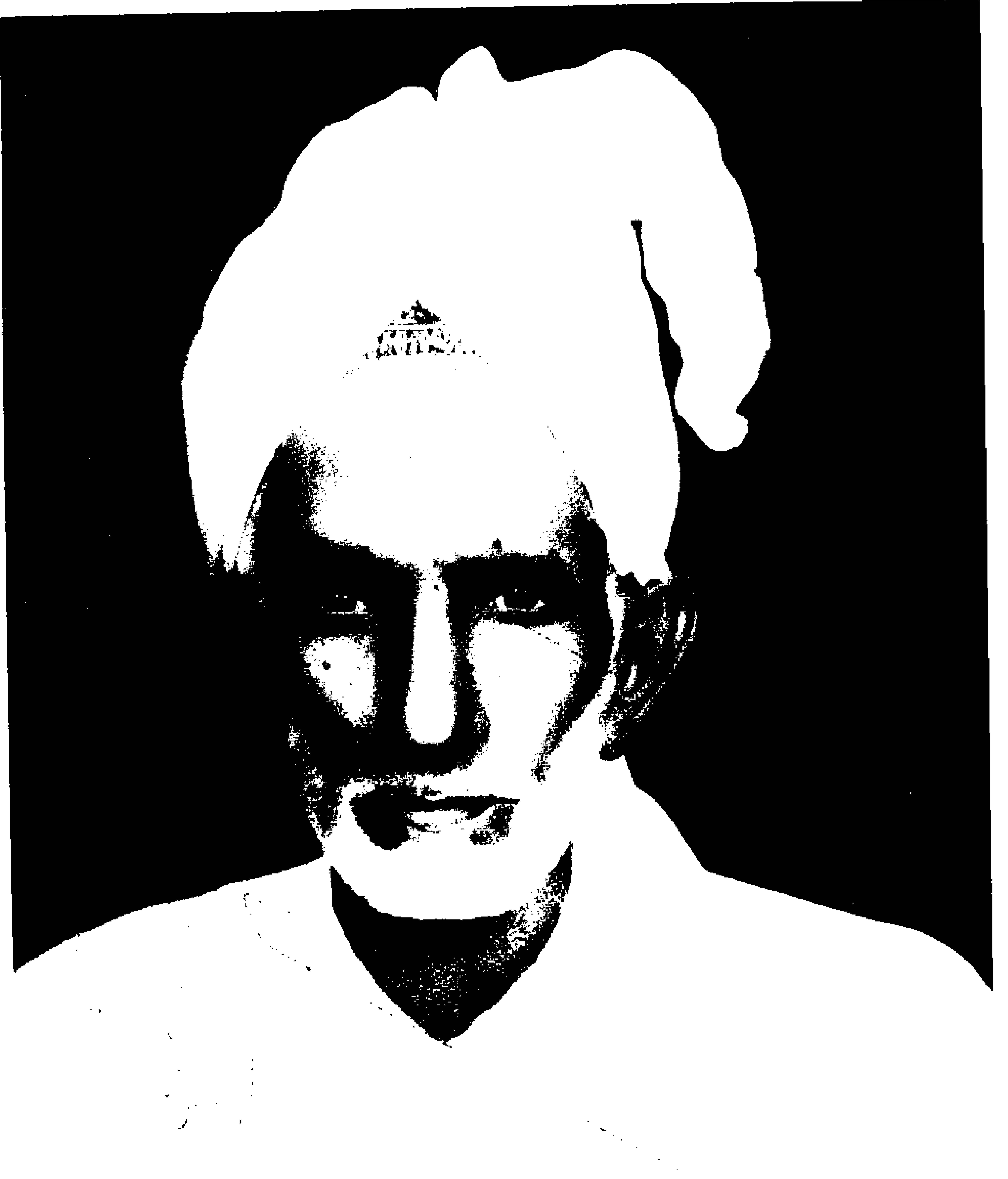
سندھ ساگر دوآب میں سات بھوکے شیروں کے بچوں کا قصہ ہے۔ قصہ اس طرح ہے کہ سیال کوٹ کا راجہ رسالو سرکپ کے ساتھ چوپڑ کھیلتا ہے۔ جیتنے والا ہارنے والے کو قتل کردینے کی شرط عائد کی گئی۔ کھیل جیتنے پر اس نے بدلے میں کوکیلا (Kok:la) کو لے لیا۔ لوگ اس سچے قصہ پر یقین رکھتے تھے اور عوام میں یہ اکھان (ضرب المثل مشہور تھا۔

امبہ کپہ پا لڑائی
کلی بھین چھڑاون آئی

ایک خیال کے مطابق امبہ اور کپہ Ptolemy _ 283 BC دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ جن



ڈاکٹر سید سلطان محمود حسن (مصنف)



چوہدری خوشی محمد



خان بہادر محبت خان واہگہ



سید۔ریاض الحسن گیلانی (۸۶۔۱۹۱۳) شاہ کوٹ

کے ناموں پر راوی کے مغرب میں شہر Amakatis اور Amakapis ہیں۔
امبہ کا ٹیلہ نو سو مربع فٹ ہے ۲۵ سے ۳۰ فٹ بلند' چھ سو فٹ چوڑا ہے۔ مٹی کے ٹوٹے برتنوں کی ٹھیکریوں سے ڈھکا ہوا ہے۔ ٹوٹی ہوئی بڑی بڑی اینٹیں بھی ہیں۔

حکایات پنجاب مرتبہ آر - سی - ٹیمپل کی جلد اول میں ۸۰ء میں راجہ سالباہن کو سیال کوٹ کا راجہ بتایا گیا ہے۔ اس راجہ کی دو رانیاں اچھراں اور لوناں تھیں۔ اچھراں کا بیٹا پورن تھا اور لوناں نے رسالو کو جنم دیا۔ رسالو تخت چھوڑ کر راجہ سرکپ کے شہر کی طرف روانہ ہوا۔ اور چوپڑ کھیل کر راجہ کی دختر کو کلاں کر لے کر اپنے ملک واپس آیا۔
وارث شاہ کی ہیر میں سرکپ اور رسالو کا ذکر ہے۔

سرکپ نام کا ایک قدیم شہر راولپنڈی کی طرف بھی دریافت ہوا ہے۔ معلوم نہیں حکائیت میں کس سرکپ کا ذکر ہے۔

خانقاہ ڈوگراں کے قریب میاں علی فقیراں کا ٹبہ تین میل کے احاطہ میں ہے۔ اس کا قدیم نام ٹکی (Taki) تھا۔ شہر کی فصیل کا کچھ حصہ دستیاب ہوا ہے۔ وشنو دیوتا کا بت اور مٹی کے پکے ظروف بھی ملے ہیں۔ یہاں کے آثار پانچ ہزار سال قبل مسیح کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اس ٹبہ کے بلند مقام پر ایک مسجد تعمیر کر دی ہے۔

ایک روائیت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ چینی سیاح ہیون سانگ یہاں آیا تھا۔ سندھ سے بیاس تک کے علاقہ کا یہ پائیہ تخت تھا۔

ننکانہ صاحب سے دو میل واربرٹن آتے ہوئے بائیں ہاتھ پر کھڈیاں والا ٹبہ حال ہی میں ملا ہے۔ یہاں سے کھدائی کے دوران کوٹ ڈیجی سے ملتے جلتے مٹی کے برتن ملے ہیں۔

شاہ بلاول سلسلہ قادریہ کے ایک بزرگ گزرے ہیں۔ سید عثمان کے بیٹے اور سید عیسیٰ کے پوتے تھے۔ دونوں ولی کامل تھے۔ سید عیسیٰ مغل بادشاہ ہمایوں (۵۶-۱۵۳۰) کے ساتھ ہرات سے ہندوستان آئے۔ بادشاہ نے شیخوپورہ معہ ملحقات کا علاقہ آپ کو جاگیر میں دیا۔ شاہ بلاول (وفات ۱۶۳۶ء) کی پیدائش شیخوپورہ میں ہوئی۔ اس دور میں اس علاقہ کا کیا نام تھا کچھ معلوم نہیں۔

بادشاہ جہانگیر نے (۱۶۰۵-۱۶۲۷) اس شہر کو ۱۶۰۷ء میں تعمیر کرایا اور اس کے شمال

مغرب میں اڑھائی میل کے فاصلہ پر ایک شکار گاہ بنائی- یہاں ایک تالاب میں ایک بارہ دری اور اس کے کنارے اپنے چہیتے ہرن منس راج کی قبر اور اس پر ایک بلند منارہ تعمیر کرایا- یہ سارا علاقہ ایک جاگیر کی صورت میں اپنے مقرب قراول سکندر معین کو عنایت کیا- سکندر معین کے بعد یہ جاگیر ارادت خاں کو عطا کی گئی- ۱۰۳۰ھ میں ارادت خان نے کشتواڑ کے زمینداروں باغیوں کے فتنہ و فساد کا قلع قمع کیا تھا اس کے صلے میں جہانگیر نے اسے یہ علاقہ جاگیر میں دیا اور اس کے منصب میں پانچ سو سواروں کا اضافہ کیا- جہانگیر بادشاہ تزک جہانگیری میں تحریر کرتا ہے:

"منگل کے روز میں نے جہانگیر پورہ میں قیام کیا یہ جگہ میری شکار گاہ ہے یہاں میرے حکم سے ایک مینار اور میرے ہرن منس راج کی قبر تعمیر کی گئی- یہ ہرنوں کی لڑائی اور جنگلی ہرنوں کے شکار میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا- اس منارے پر ملا محمد حسین کشمیری نے جو خوش نویسوں کا استاد تھا یہ لکھ دیا کہ اس میدان میں ایک ہرن حضرت جہانگیر بادشاہ نے پکڑا تھا- ایک مہینہ میں جب اس کی وحشت دور ہوئی تو وہ سب ہرنوں کا سردار بنا- اس ہرن کی محبت میں میں نے حکم دیا کہ اس جنگل کے ہرنوں کو کوئی نہ مارے- اور اس علاقہ کے جاگیردار سکندر معین کو حکم دیا کہ وہ جہانگیر پورہ میں ایک عمدہ قلعہ تعمیر کرے"-

کشمیر سے واپسی پر (۱۰۲۹ھ میں)

"پیر ۲۵ آبان ماہ الٰہی کو نکھتالہ میں جی بھر کر شکار کا لطف اٹھایا بعد ازاں یہاں سے کوچ کر کے جہانگیر آباد کی شکار گاہ میں منزل کی- میں نے ایام شہزادگی میں اس جگہ اپنے نام پر ایک گاؤں آباد کر کے ایک عمارت تعمیر کرائی تھی اور یہ جگہ اپنے مقرب اول سکندر مبین کو عنایت کر دی تھی- تخت نشینی کے بعد میں نے اس گاؤں کو پرگنہ کی حیثیت دے کر اسے بطور جاگیر مرحمت کی پھر میں نے حکم دیا کہ یہاں ایک دولت خانہ' تالاب اور مینار تعمیر کرائے- اس کی وفات کے بعد یہ جاگیر ارادت خاں کو عنایت کی جس نے مذکورہ عمارت پائیہ تکمیل کو پہنچائی- یہ جگہ حقیقت میں

بادشاہوں کے لائق شکار گاہ ہے جمعرات اور جمعہ کو یہیں قیام کر کے اپنا وقت شکار میں گزارا۔ اس مقام پر لاہور کے حاکم قاسم خاں نے حاضر ہو کر شرف حضوری حاصل کیا اور پچاس مہریں نذر کیں۔"

"(۱۰۳۳ھ) انیسواں جشن جلوس ------- ۲۵ ماہ شہر پور کو شہنشاہ جہانگیر لاہور میں تشریف فرما ہوئے اور اس موقع پر صادق خاں کو ہٹا کر آصف خاں کو پنجاب کا صوبے دار مقرر کیا۔ اس کے بعد شہنشاہ نے اپنی مخصوص شکار گاہ ہرن منارہ جا کر شکار کھیلا ------- شکار کر کے واپس لاہور تشریف لائے۔

۱۰۳۵ء اکیسواں سال جلوس -------- کابل سے واپسی پر ۲۳ ماہ شہر پور کو شاہی سواری نے دریائے بہت (جہلم) کو عبور کر لیا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں مہابت خاں نے عروج پایا تھا اور اسی جگہ سے اس کا زوال شروع ہوا۔ جب شاہی سواری نے جہانگیر آباد میں نزول اجلال کیا تو داور بخش ولد سلطان خسرو اور شہر کے دوسرے سرکردہ لوگوں نے خدمت شاہی میں پہنچ کر زمین بوسی کی سعادت حاصل کی"۔

۷ اپریل ۱۶۴۶ء کو شاہ جہاں (۵۸-۱۶۲۷) اپنے لشکر کے ہمراہ جہانگیر آباد میں خیمہ زن ہوا۔ میاں کنور رام سنگھ ولد راجا جے سنگھ پانچ سو سوار ہمراہ لئے وطن سے آکر حاضر بارگاہ ہوا۔ ہزاری ذات سوار کے منصب پر سربلندی ہوئی۔ انہیں دنوں تکان کے سبب شہزادہ بلند اقبال کی بیگم (یعنی دارا شکوہ کی بیگم نادرہ بیگم شادی ۱۱ فروری ۱۶۳۳ء) کو طبیعت ناساز ہو گئی تھی۔ تکلیف روز بروز بڑھ رہی تھی۔ شہزادہ بلند اقبال کو حکم ہوا کہ جہانگیر آباد میں قیام رکھو۔ علاج کے لئے حکیم مومنا کو ان کے پاس چھوڑا۔ ۸ اپریل ۱۶۴۶ء کو یہاں سے کوچ کیا"۔

دارا شکوہ اور نادرہ بیگم نے تقریباً ۲۶ روز یہاں قیام کیا۔ نادرہ بیگم جب صحت یاب ہو گئی تو وہ چالیس روز کا سفر سولہ روز میں طے کر کے نواح کابل میں پہنچے اور شامل لشکر ہو گئے۔

مغل بادشاہ شاہ جہاں ۲۵ اکتوبر ۱۶۴۷ء کو دریائے چناب عبور کر کے ۲۹ اکتوبر کو

حافظ آباد پہنچا۔ یکم نومبر ۱۶۴۷ء کو جہانگیر آباد کے محل میں رونق افروز ہوا۔ ملا عطاء الملک میر سامان اور خسرو سلطان جو بعض امور کے سرانجام کے لئے لاہور میں ٹھہر گئے تھے۔ نیز ظفر خاں اور مسیح الزماں جو کشمیر سے آئے تھے۔ اس منزل میں یعنی جہانگیر آباد میں سلام کے لئے حاضر ہوئے۔ عادل خاں کا سفیر سید حسن اور قطب الملک کا صاحب میر فصیح بھی کورنش کے شرف سے سرفراز ہوئے۔ دونوں نے پانچ پانچ ہاتھی جن میں سے ایک کا ساز طلائی اور چار کا نقرئی تھا۔ نیز کچھ وضیع آلات پیش کئے۔ جو عادل خاں اور قطب الملک نے بطور پیش کش ارسال کئے تھے۔ سید حسن کو خلعت دو سو تولے سونے اور دو سو تولے چاندی کے ٹھیے (حلقے) عطا ہوئے۔ میر فصیح کو خلعت عنایت ہوا۔ حضور سلطان کو نقرئی ساز والا ہاتھی دیا۔ ملا عطاء الملک نے دو ہزاری ذات چار سو سوار کے منصب پر ترقی پائی ------- ۳ نومبر ۱۶۴۷ء کو لاہور میں داخل ہوئے۔

۱۵ مارچ ۱۶۴۹ء کو ایک پہر چھ گھڑی دن چڑھے (شاہ جہاں نے) لاہور سے کابل کا رخ کیا۔ ۱۷ مارچ ۱۶۴۹ء کو جہانگیر آباد پہنچے یہاں وہ گرز بردار جو سعد اللہ خاں اور شہزادہ اورنگ زیب کے نام فرمان لے کر گیا تھا' واپس آیا اور جعفر خاں میر منشی سے بعض نہایت اہم باتیں بیان کیں۔

۱۴ ستمبر ۱۶۵۱ء کو کشتیوں کے پل سے دریائے پنجاب عبور کیا۔ ۱۷ ستمبر ۱۶۵۱ء کو عید الفطر کے روز جہانگیر آباد میں رونق افروز ہوئے۔ نظر بہادر خویشگی اپنے وطن قصور سے اور نورالحسن سیوستان سے آکر بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ نورالحسن کو ترہٹ (بہار) کی فوجداری پر روانہ کیا۔ سید جلال مرحوم کے خلف سید حسن کو دو ہزار روپے مرحمت کئے۔ عارف کامل حضرت بابا فرید گنج شکر کے سجادہ نشیں شیخ محمد کو ہتھنی دی۔ خسرو اور بہرام پسران نذر محمد خان نیز قلیج خاں دارالسلطنت لاہور سے آکر حاضر خدمت ہوئے۔ ۲۳ ستمبر ۱۶۵۱ء کو جہانگیر آباد سے کوچ کیا اور ۲۶ ستمبر کو باغ دلکشا (لاہور) میں رونق افروز ہو کر خاصہ تناول فرمایا۔

۳ اکتوبر ۱۶۵۲ء کو دریائے جہلم اور ۸ اکتوبر کو چناب عبور کیا۔ بتاریخ ۱۲ اکتوبر جہاں گیر آباد کے نشیمن میں رونق افروز ہوئے سخت بارش کے سبب لاہور کے اطراف میں بالخصوص جہاں گیر آباد اور ایمن آباد سے لاہور تک سیلاب کا پانی اس طرح پھیلا ہوا تھا کہ

لشکر شاہی کا گزرنا کسی صورت ممکن نہ تھا۔ اس مجبوری میں چار روز یہیں قیام فرمایا۔ سیلاب کا زور کچھ کم ہوا تو لاہور کو روانہ ہوئے۔ ڈیک کا نالہ ہاتھی پر سوار ہو کر پار کیا۔

شاہ جہاں کا بیٹا دارا شکوہ (۵۹-۱۶۱۵) نالہ ایک سے ایک نہر کھود کر یہاں لایا تھا۔ اورنگ زیب کی وفات (۱۷۰۷ء) کے بعد سارا ملک سیاسی لحاظ سے غیر مستحکم رہا۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے مطابق طاقتور ہی مختلف علاقوں پر حکومت کرتے رہے۔

تزک جہانگیری کے بعد تذکرۃ الشیخ والخدم وہ کتاب ہے جس میں ہرن مینار کی تعمیر کا ذکر تفصیل سے ہے۔ یہ تذکرہ ۱۰۵۷ھ میں مکمل ہوا۔ اس کا دوسرا معروف نام تزکرۃ حسو تیلی ہے۔ اس کی تکمیل میں تین سال صرف ہوئے۔ اس کے اشعار کی تعداد ۶۱۸۸ ہے۔ اس کا مصنف خواجہ صورت سنگھ عاقل ولد دونی چند ولد جوگی داس ہے جو کنبوہ قوم کی سارنگ گوت کا ایک فرد تھا۔ دریائے ستلج کے کنارے واقع ایک گاؤں نستر کا رہنے والا تھا۔ صورت سنگھ پڑھا لکھا شخص تھا۔ اس کا ایک بڑا بھائی سدانند تھا۔ دونوں بھائی لاہور میں امانت خاں کے ملازم تھے۔ امانت خاں کے مرنے کے بعد وہ اس کے لڑکے عاقل خان کے ملازم ہو گئے۔

صورت سنگھ کو مولوی عبدالکریم سے عقیدت تھی۔ مولوی عبدالکریم شیخ حسو تیلی کے خلیفہ تھے۔ مولوی عبدالکریم کی وفات کے بعد صورت سنگھ ان کے پیر بھائی شیخ کمال کا مرید ہو گیا۔ شیخ کمال کی خانقاہ میں ہر وقت لنگر جاری رہتا تھا۔ جہانگیر نے بھی لاہور میں شیخ کمال سے ملاقات کی تھی۔ شیخ کمال کا انتقال ۱۰۳۹ھ میں ہوا۔ شیخ حسو دریائے چناب کے کنارے واقع گاؤں ماکیوال کے رہنے والے تھے اور تیل نکالنے کا کام کرتے تھے۔ شیخ حسو لاہور آ کر گندم کا کاروبار کرنے لگے۔ پورا تولنے میں شہرت حاصل کی۔ سونے کے باٹ اور ترازو استعمال کرتے تھے وارث شاہ نے ہیر میں حسو تیلی کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

ع حسو تیلی جیوں پیر ہے تیلیاں دا سلیمان ہے جن بھوتا سیاں دا۔

صورت سنگھ کا خواجہ تاش سری چند جہانگیر پور (شیخوپورہ) میں قانون گو کے عہدہ پر فائز تھا۔

بموطن کہ سری چند بود قانون گوی خطاب اوست جہانگیر پور ہرن منار
بود مفاصلہ اوز بلدہ لاہور بچار فرسخ یافت طرفہ دیار

ایک بار سری چند نے شیخ کمال کو جہانگیرپور آنے کی دعوت دی۔ شیخ کمال صورت سنگھ کو ساتھ لے کر وہاں پہنچے۔ سری چند نے ہرن مینار کے قریب انہیں پر تکلف کھانا کھلایا اور کشتی میں بٹھا کر تالاب کی سیر کرائی۔ صورت سنگھ اس موقع پر ہرن مینار پر چڑھا اور اس نے منار کے ۱۰۴ زینے شمار کیے۔ (ورق ۱۱۰)

نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی (۱۷۲۴-۱۷۷۳) نے ہندوستان پر جو حملے کیے تھے، جہانگیر آباد کے راستہ ہی سے یہ گزرے تھے۔ پنجابی کے مشہور شاعر وارث شاہ (وفات ۱۷۹۸ء) اپنی پنجابی تصنیف "ہیر رانجھا" میں تفصیل کے ساتھ ان کے حملوں اور اس وقت کے معاشرہ پر ان کے اثرات بڑے خوب صورت انداز میں پنجابی شعروں میں پیش کرتا ہے۔ یہاں کے لوگ افغان حملہ آوروں سے بہت تنگ تھے۔ ان کی لوٹ کھسوٹ سے حکمران طبقہ بھی نالاں تھا۔ وارث شاہ نے نادر شاہ (۱۷۳۹ء) اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا "ہیر" میں وارث شاہ کہتا ہے:

نادر شاہ تھوں ہند پنجاب تھر کے　　میرے باپ دا تدھ بھونچال کیتو
احمد شاہ وانگوں میرے ویر پے کے　　پٹ کے ٹھڈ کے چک دا تال کیتو
دنیا بیگ نوں مگر جیوں پئے غلزی　　ڈیرہ لٹ کے چاء کنگال کیتو (ص۲۷۴)

اٹھارہویں صدی کی آخری نصف صدی میں سکھوں کا دور دورہ تھا۔ سکھوں کے قتل و غارت اور لوٹ مار سے بھی یہاں کے مسلمان تنگ آ جاتے تو وہ احمد شاہ ابدالی کو یاد کرنے لگتے تھے۔

احمد شاہ از غیب تھیں ان پوسی رب رکھ جنڈیالے نوں جا سیائی

احمد شاہ ابدالی ۱۴ جنوری ۱۷۶۱ء کو پانی پت کی تیسری لڑائی میں مرہٹوں کو عبرت ناک شکست دیتا ہے۔ وارث شاہ کہتا ہے:

فوجاں شاہ دیاں وارثا مار متھرا مڑ پھیر لاہور نوں آئیاں نے (ص-۲۷)

اٹھارہویں صدی کی آخری دہائی میں اربیل سنگھ اور امیر سنگھ علاقہ شیخوپورہ کے حکمران تھے۔ لوگ ان کے ظلم و ستم سے بڑے نالاں تھے 'ظفر نامہ رنجیت سنگھ کا مصنف کینا لال قلعہ شیخوپورہ کی فتحیابی کا واقعہ اس طرح فارسی نظم میں بیان کرتا ہے۔

(ترجمہ) "ڈسکہ" اور اکھنور کی مہمات سے فارغ ہو کر رنجیت سنگھ لاہور پہنچا اور

عیش کوشی و مے نوشی میں مصروف تھا کہ ایک قاصد نے شیخوپورہ سے یہ خبر دی کہ سردار اربیل سنگھ و سردار امیر سنگھ نے جو مفسد اور ڈاکو ہیں اس قلعہ کو اپنا ٹھکانہ بنا رکھا ہے اور قلعہ شیخوپورہ کی محکمہ کے باعث بے خوف ہو کر ایک آراستہ فوج مہیا کی ہوئی ہے اور ارد گرد کے علاقوں میں رہزنی اور لوٹ مار کر رہے ہیں۔ مخلوق خدا ان غارت گروں کے ہاتھ سے پریشان ہے (ص ۲۳۲) مہاراجہ کو چاہیے کہ وہ مظلوموں کی فریاد سنتے ہوئے مخلوق خدا کو ان ظالموں سے چھڑائے۔ مہاراجہ یہ سن کر سخت طیش میں آیا اور اسی وقت حکم دیا کہ کنور کھڑک سنگھ منتخب جنگ آزمودہ بہادروں کی فوج کے ہمراہ جا کر قلعہ شیخوپورہ کا محاصرہ کریں۔ مہاراجہ کے حکم پر نوجوان کھڑک سنگھ شیر دل جوانوں کے لشکر کے ساتھ شیخوپورہ کو روانہ ہوا۔ جب یہ لشکر قلعہ کے نزدیک پہنچا تو سردار اربیل سنگھ' و امیر سنگھ اپنی بد نصیبی کے باعث قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے اور قلعہ کے برجوں اور دیواروں سے آگ برسانے لگے۔ توپوں' زنبوروں اور قرابین اور بندوقوں کی آوازوں سے شور قیامت کا گمان ہونے لگا۔ یہ صورت دیکھ کر کنور کھڑک سنگھ نے حکم دیا کہ توپوں کے گولوں اور پتھروں کی بارش سے قلعہ کی دیواریں اکھیڑ دی جائیں۔ حکم کی تعمیل میں شاہی لشکر نے قلعہ کے دیواروں پر پتھروں کی بارش کر دی اور گولہ باری بے اندازہ کی۔ لیکن آہنی گولوں نے پتھر کی دیواروں پر کوئی اثر نہیں کیا۔ جب اس ہنگامے نے طول پکڑا تو شہزادہ کھڑک سنگھ کے دل میں وسوسہ پیدا ہوا۔ چنانچہ اپنے والد (رنجیت سنگھ) کو تمام حال لکھ کر بھیجا۔ جب مہاراجہ نے یہ حال سنا تو مار سیاہ کی مانند پیچ و تاب کھایا۔ جوش کھاتے ہوئے سمندر کی مانند دریائے رواوی سے پار ہوا۔ احمدی توپ جو راجا نے بھنگی مسل سے چھینی تھی مہا راجا کے ساتھ تھی تاکہ اس کے گولوں کی ضربوں سے قلعہ کی فصیل منہدم کی جا سکے۔ راجہ کی فوج کی دہشت سے غنیم گویا زندہ درگور ہو گیا۔ (ص ۲۳۵) راجہ نے توپ داغنے کا حکم دیا اور تاکید کی کہ قلعہ کے دروازے کو نشانہ بنایا جائے۔ توپ کے ایک سو گولوں نے قلعہ کے پھاٹک اور دیواروں کو زیر زبر کر دیا۔ جب اربیل سنگھ نے قلعہ میں رخنہ پڑا دیکھا تو اسے اطاعت کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ وہ جنگ سے نادم ہوا اور راجہ سے اطاعت کا اقرار کر کے امان طلب کی۔ مہاراجہ نے اس کو جان کی امان دے دی لیکن اس کی جملہ جائیداد اور مال و منال ضبط کر لیا اور وہ تہی دست ہو گیا۔ مہاراجہ نے اس کے

تمام لشکر کو اپنی فوج میں ملازمت دے دی۔ اس فتح کے بعد مہاراجہ نے مذکورہ قلعہ مع علاقہ شیخوپورہ کے کنور کھڑک سنگھ کی جاگیر میں دے دیا۔ نیز بیش قیمت خلعت دے کر شہزادہ کے اقتدار میں اضافہ کیا۔ کنور کی ماں راج کور نے قلعہ میں قیام اختیار کیا۔

جب شہزادہ کھڑک سنگھ قلعہ پر توپ سے گولہ باری کر رہا تھا تو قلعہ کے اندر سے ایک فرشتہ صورت قدسی صفت آدمی نمودار ہو کر مہاراجہ کی خدمت میں عرض پرواز ہوا کہ دروازے کے برج کے بائیں جانب ایک طویل و عریض تہہ خانہ ہے۔ اگر اس مقام کو گولوں کا نشانہ بنایا جائے تو قلعہ وقت قلیل میں فتح ہو جائے گا۔ سرکار دولت مدار نے اس فرشتہ غیبی کو اپنے پاس ٹھہرا کر اس کے مشورے پر عمل کا حکم دیا ——— اس طرح قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ یہ جنوری ۱۸۰۸ء کا واقعہ ہے چونکہ شہزادہ کھڑک سنگھ چھوٹی عمر کا تھا اس لئے ہرن منارہ کے سردار حکما سنگھ کو اس فوج کا افسر بنایا گیا۔ جنگ میں بڑی توپ احمد شاہی جو صاحب سنگھ بھنگی گجراتیہ سے لی گئی تھی، استعمال ہوئی۔

قلعہ میں مہارانی نکائن اپنے بیٹے کھڑک سنگھ کے ہمراہ رہنے لگی۔ مہارانی ۲۰ مارچ ۱۸۳۸ء کو مرگئی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے شہزادہ کھڑک سنگھ سے پانچ لاکھ روپیہ ادا کرنے کے تحریری معاہدہ کے بعد قلعہ پر قبضہ نہ کیا۔ رنجیت سنگھ ۲۸ جولائی ۱۸۳۹ء کو مرگیا۔ کھڑک سنگھ راجہ بنا۔ کھڑک سنگھ بھی ۵ نومبر ۱۸۴۰ء کو مرگیا۔ اس کے بعد رانی جنداں حکمران ہوئی۔ رانی جنداں ایک سازشی ذہن کی مالک تھی۔ اس لئے اگست ۱۸۴۷ء میں اسے قلعہ شیخوپورہ میں نظربند کر دیا۔ رانی کا بھائی ہیرا سنگھ بھی اس کے ہمراہ نظربند رہا۔

۲۲ جون ۱۸۴۷ء کو علاقہ شیخوپورہ کی جاگیر مالیت پانچ ۔۔ روپے کی عمرکوٹ گاؤں کے عوض دیوان جوالہ سہائے کے بھائی دیوان ہری چند کو دے دی گئی۔

۲۹ مارچ ۱۸۴۹ء کو انگریزوں نے کلی طور پر پنجاب پر قبضہ کر لیا۔ انگریزوں کی معاونت کرنے والوں کو انہوں نے جاگیروں سے نوازا۔

گنیش داس بھدرا نے فارسی میں ایک کتاب چار باغ پنجاب ۱۸۵۵ء کے قریب لکھی تھی۔ اس میں وہ شیخوپورہ سے متعلق لکھتا ہے۔

"کہتے ہیں کہ جلال الدین اکبر بادشاہ کے دور میں شہزادہ جہانگیر جس کا نام سلطان شیخو تھا اسی طرف شکار کے لئے آ رہا تھا۔ شاہ موتی معروف بہ شاہ جمال کی خانقاہ کے قریب ایک

گاؤں اپنے نام سے آباد کر کے ارد گرد کے علاقے کو شکار گاہ بنایا۔ جب اپنے باپ کے بعد (بہ لقب جہانگیر) تخت نشین ہوا تو شیخوپورہ کا نام جہانگیر آباد رکھ کر اسے پرگنہ بنا دیا اور یہاں کی قانون گوئی بھاگو داس، راجوداس و کلیان داس قوم کھتری معروف بہ لکھ و رہ سے کو عطا کی۔ چنانچہ اب تک ان کی اولاد وہاں سکونت پذیر ہے اور ایک پختہ قلعہ بنایا اور قصبہ کو رونق دی۔ اکثر اقوام کھتری وغیرہ یہاں آباد ہو گئے اور ایک تالاب اور ہرن منارہ مع ہرن کے مجسمے کے قصبہ سے دو کوس کے فاصلہ پر جانب شمال مغرب خاص شکار گاہ میں تعمیر کئے۔ قلعہ، تالاب اور منارہ کی تعمیر پر ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ خرچ ہوا۔ پیر جمال شاہ اور پیر بارہ ہزاری اور پیر فتح دین کی نقاہیں قلعہ کے نزدیک ہیں۔ اور بابا بلرام داس بیراگی جو اہل صفا میں سے تھے ان کی سمادھی بھی قلعہ اور شہر سے متصل ہے اور اس قصبے کے رؤسا اور ساہو کاروں میں سے پنڈی داس عرف گھوگھر کھتری ہے اور دوسرے قابل اور مشہور لوگ بھی ہیں۔ ان دنوں لالہ دت مل اور امیر چند عرف لکھ ورہ اہل ہنر اور عمدہ خطاط ہیں۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ایک درباری راجہ تیجا سنگھ کو انگریزی سرکار نے راجگی کا خطاب دیا اور ۹۳ ہزار روپے کی جاگیر مقرر ہوئی۔ سیال کوٹ اور شیخوپورہ جاگیر میں ملے۔ دسمبر ۱۸۶۲ء میں تیجا سنگھ مر گیا۔ اس کا لڑکا ہربنس سنگھ جاگیر کا وارث قرار پایا۔ ہربنس سنگھ کی رہائش بھاٹی دروازہ لاہور میں تھی لیکن عموماً" وہ شیخوپورہ میں رہتا تھا۔ اس سلسلہ میں سراج الاخبار جہلم کی ۲۲ فروری ۱۸۸۶ء کی ایک خبر ملاحظہ فرمائیں:

"شیخوپورہ میں راجہ ہربنس سنگھ کا اجلاس ہوتا ہے یہاں کے لوگ راجہ صاحب ممدوح کی ثناخوانی پائے جاتے ہیں"

راجہ ہربنس سنگھ ۱۹۰۰ء میں مر گیا تو اس کا بڑا لڑکا کرتھی سنگھ جاگیر کا وارث بنا۔ کرتھی سنگھ ۱۹۰۶ء میں لاولد مر گیا۔ جاگیر کا وارث کرتھی سنگھ کا چھوٹا بھائی فتح سنگھ ہوا، فتح سنگھ عموماً" شیخوپورہ میں رہتا تھا۔

(ii) عہد جدید

انتظامی لحاظ سے مغل بادشاہ جہانگیر نے ۱۶۰۶ء میں شیخوپورہ کو جہانگیر آباد کے نام

سے آباد کر کے ایک پرگنہ کی حیثیت دی تھی۔ انگریزی عہد میں تبدیلی کی گئی۔ ابتدا میں شیخوپورہ میں عارضی ہیڈکوارٹر بنایا گیا۔ ۱۸۵۱ء میں ہیڈکوارٹر شیخوپورہ سے تبدیل کر کے گوجرانوالہ بنایا گیا۔ لوگوں کو انصاف کے حصول کے لئے گوجرانوالہ جانا پڑتا تھا۔ ایک طویل سفر کرنا پڑتا تھا۔ اس تکلیف کو مدنظر رکھتے ہوئے آر ٹیمپل سیکرٹری چیف کمشنر لاہور نے محکمہ مال کو ایک خط مئی ۱۸۵۵ء میں تحریر کیا کہ تحصیل شیخوپورہ کے ایسے کئی دیہات جو ضلع گوجرانوالہ کے صدر دفتر سے ساٹھ ستر میل دور ہیں۔ دیہاتی اپنے مقدمات کے سلسلہ میں ضلعی دفتر گوجرانوالہ وقت مقرر پر نہیں پہنچ سکتے۔ اس لئے تحصیل شیخوپورہ کو ضلع لاہور میں شامل کیا جائے۔ ان دنوں تحصیل شیخوپورہ کا کل رقبہ ۷۳۲ مربع میل اور ۳۴۴ دیہات تھے۔ مالیہ سالانہ ۲۲۰۸۰ روپے وصول ہوتا تھا۔ اس مراسلہ میں تحصیل شیخوپورہ کے ۳۱۲ دیہات کو ضلع لاہور میں شامل کرنے کی سفارش کی گئی۔ ایسا کرنے سے شیخوپورہ کے دیہات کا فاصلہ لاہور سے زیادہ سے زیادہ ۳۵-۴۰ میل ہو گا۔

لیکن ایسا نہ ہو سکا شیخوپورہ گوجرانوالہ ہی کی ایک تحصیل رہی۔

پنجاب پر انگریزوں نے مارچ ۱۸۴۹ء میں مکمل قبضہ کر لیا تھا۔ شیخوپورہ کے کن لوگوں نے قبضہ میں انگریزوں کی مدد کی تھی؟ معلوم نہیں۔ لاہور کا رہنے والا ایک شخص زبرا (Zabra) تھا جسے حکومت نے یکم نومبر ۱۸۵۳ء کو موضع پنڈی بادریاں پرگنہ شیخوپورہ ضلع گوجرانوالہ میں جمعی ایک سو پچاس روپے سالانہ بطور بخشش عطا کئے تھے۔ مذکورہ شخص نے یقیناً" انگریزوں کی مدد کی ہو گی۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ آزادی کے دوران میں مان گھرانہ نے انگریزوں کی مدد کی تھی جس کی تفصیل شخصیات میں دے دی گئی ہے۔

انگریزوں کی آمد کے ساتھ ہی لوگوں نے سکھ کا سانس لیا۔ سرگنگارام کا باپ دولت رام بھی جان و مال کی حفاظت کے لئے نقل مکانی کر کے مانگٹانوالہ آ گیا تھا جہاں گنگارام نے ۱۸۵۱ء میں جنم لیا۔ انگریزوں نے لوگوں کی زندگی کی بنیادی سہولتیں فراہم کرنے کا آغاز کیا۔ تعلیم کے لئے مدرسے کھولے کالج کی سطح پر تعلیم کی سہولت مہیا کی۔ ضلع شیخوپورہ کا زیادہ حصہ سکھ جاگیرداروں کے قبضہ میں تھا۔ تعلیم کی وجہ سے یہاں کے سکھ جاگیرداروں میں انقلابی تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ ان کا اخلاق و کردار بلند ہوا۔ لوگوں سے ان کا حسن سلوک بہتر ہوا۔ اپریل ۱۹۰۷ء میں شاہدرہ اور شیخوپورہ کے درمیان ریل گاڑی چلنے لگی۔

سانگلہ ہل تک ریل جاتی تھی۔ چیچو کی ملیاں سے جڑانوالہ تک براستہ ننکانہ صاحب نومبر ۱۹۰۹ء میں ریل گاڑی چلنے لگی۔ ۱۸۸۹ء میں شہر میں غیر سرکاری برانچ پوسٹ تھا۔ جولائی ۱۹۰۳ء میں اسے سب پوسٹ آفس کا درجہ مل گیا۔ اب یہ حکومت کا ادارہ تھا۔

یکم اکتوبر ۱۸۹۳ء کو مسٹر ریجسز ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ نے خانقاہ ڈوگراں میں آکر ایک عام جلسہ میں خانقاہ ڈوگراں کو تحصیل بنانے کا اعلان کیا۔ حافظ آباد کے تحصیل دار لالہ پنڈی داس کو پہلا تحصیل دار مقرر کیا۔ ۱۹۱۰ء میں ضلع لاہور کی تحصیل شرق پور ضلع گوجرانوالہ میں شامل ہو گئی۔ اسی زمانہ میں لوگوں کو علاج کی سہولتیں مہیا کرنے کے لئے سول ڈسپنسری قائم کی گئی۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران ۲۸۱۰ جوان فوج میں بھرتی ہو کر حق رعیت ادا کرتے ہیں۔ لوگ وارفنڈ میں بھی حصہ لیتے ہیں۔ گنگاپور کے بانی سرگنگارام نے ۵۰ ہزار روپے اور ان کے لڑکے سیوک رام نے ایک لاکھ کی خطیر رقم فنڈ میں دی۔ حکومت نے ایسے لوگوں کو خطابات سے نوازا۔

۱۹۲۰ء میں تحصیل شیخوپورہ کو ضلع گوجرانوالہ سے الگ کر کے ایک الگ ضلع شیخوپورہ کے نام سے قائم ہوا۔ اس لئے ضلع میں تحصیل شرق پور اور تحصیل خانقاہ ڈوگراں شامل ہوئیں۔ اس کے علاوہ ضلع سیال کوٹ کے ۱۲۹ دیہات اور ضلع گوجرانوالہ سے ۱۸۲ مربع میل کا علاقہ بھی اس میں شامل کیا گیا۔ ۱۵ جنوری ۱۹۲۰ء کو شیخوپورہ کو جب نوٹیفائیڈ ایریا کمیٹی قرار دیا گیا تو ضلع کے ڈپٹی کمشنر انڈین سول سروس کے Currie M.M.L. اس کے پریذیڈنٹ مقرر ہوئے تھے' جون جولائی ۱۹۲۲ء میں سی بی بیری (Berry) یہاں کے ڈپٹی کمشنر تھے۔ اگست ۱۹۲۲ء سے اکتوبر ۱۹۲۵ء تک ملک زماں مہدی خاں ڈپٹی کمشنر رہے۔ ضلع بنتے ہی باہر کے علاقوں سے قانون داں حضرات نے شیخوپورہ کا رخ کیا اور ضلعی عدالتوں میں پریکٹس کرنے لگے۔ یہاں انہوں نے مستقل بودوباش بھی اختیار کرلی۔ یہ لوگ سیاست اور رفاہی کاموں میں آج بھی اچھے لفظوں سے یاد کیئے جاتے ہیں۔ شروع شروع میں قلعہ میں عدالتوں کا کام ہوتا تھا۔ سرگنگارام کی زیر نگرانی ۱۹۲۲ء میں ڈسٹرکٹ کورٹس اور ضلعی ہسپتال کی عمارتیں تعمیر کی گئیں۔ کمیٹی بننے سے شہر کو جدید خطوط پر استوار کرنے اور عوام کو بہتر سے بہتر سہولتیں مہیا کرنے کے لئے اقدامات کئے جانے لگے۔ ستمبر ۱۹۲۲ء میں ہاؤس ٹیکس لگایا گیا۔ جنوری ۱۹۲۴ء کے اجلاس میں سول کوارٹرز

اور سول ہسپتال کے درمیان ایک نیا ٹاؤن تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ نئی تعمیر شدہ آبادی گورو نانک پورہ کہلائی۔ قیام پاکستان کے بعد اس کا نام جناح پارک رکھ دیا۔ یکم اپریل ۱۹۲۴ء کو ریل گاڑی کے ذریعہ مال لانے اور لے جانے پر حکومت نے ٹرمینل ٹیکس لگانے کی اجازت دی۔ ۱۹۲۹ء میں مسلمانوں نے انجمن اسلامیہ قائم کر کے تعلیمی ادارے کھولنے کی طرف توجہ کی۔ غیر مسلموں نے بھی اپنی اپنی تنظیمیں قائم کر کے تعلیم اور زندگی میں کام آنے فنون کی ترویج میں بھرپور حصہ لیا۔ ۱۹۳۰ء کے لگ بھگ شہر میں مسلم لیگ قائم ہوئی۔ اگست ۱۹۲۹ء میں ایک مشنری ریورنڈ ڈبلیو ایچ راس (Ross) نے یہاں مستقل رہائش گاہ تعمیر کر کے دین مسیح کی تبلیغ کی بنیاد رکھ دی۔ ۱۹۳۰ء میں یہاں سنٹرل کو آپریٹو بینک کی شاخ موجود تھی۔ نومبر دسمبر ۱۹۳۱ء میں شہر والوں کو بجلی کی سہولت مہیا ہو گئی۔ ۱۹۲۲ء میں یہاں مڈل سکول کو ہائی سکول کا درجہ ملا۔ ۲۲ مارچ ۱۹۴۰ کو مسلم لیگ کے ۲۱ ویں سالانہ اجلاس منعقدہ منٹو پارک لاہور میں لیگ کی جانب سے سات اراکین ضلع شیخوپورہ کے مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ نتیجہ میں ۱۴ اگست کو ہمارا عزیز وطن پاکستان معرض وجود میں آیا۔ بھارت سے ہجرت کر کے لٹے پٹے مسلمان خون کے دریا پار کر کے اور ان گنت جانوں کا نذرانہ دے کر یہاں آئے۔ شیخوپورہ میں بسنے والے غیر مسلمانوں کو بھی زندگی سے ہاتھ دھونے پڑے۔ قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کی آباد کاری کے ساتھ ساتھ ان کے بچوں کی تعلیم کے لئے یہاں کے چند مخلص احباب نے تعلیمی ادارے قائم کرنے کے لئے ۱۹۵۰ میں ایجوکیشنل سوسائٹی قائم کی۔ طارق ہائی سکول' لیاقت میموریل ہائی سکول' فاطمہ جناح گرلز ہائی سکول جیسے تعلیمی ادارے قائم کر کے ملک کی تعلیمی بنیادوں کو مضبوط کیا۔ کالج کی سطح پر تعلیم کے لئے حکومت نے ۱۹۵۷ء میں ایک ہائر سیکنڈری سکول قائم کیا دو برس بعد ڈگری کالج قائم ہوا۔ حکومت نے لڑکیوں کے لئے ایک لگ کالج ۱۹۶۸ء میں قائم کیا جس نے یکم جون ۱۹۸۷ء کو پوسٹ گریجوئیٹ کا درجہ حاصل کر لیا۔ چھوٹی سطح پر فنی تعلیم کے لئے ۱۹۷۲ء میں ووکیشنل انسٹی ٹیوٹ قائم ہوا۔ ۱۹۸۹ء میں میونسپل کمیٹی نے جدید طرز پر ایک کتب خانہ قائم کیا جو دیکھنے کے قابل ہے۔ اس سال ایک غیر سرکاری تنظیم نے نیشنل ماڈل اسکول قائم کیا۔ ۱۹۹۲ء میں ہاؤسنگ کالونی میں ایک ریٹائرڈ فوجی آفیسر نے پنجاب پبلک ہائی سکول قائم کیا۔ حکومت پنجاب کے ادارے ہاؤسنگ اینڈ فزیکل پلاننگ

نے ۱۹۷۴ء میں شیخوپورہ سے باہر مشرق میں ایک ہاؤسنگ کالونی کا آغاز کیا۔ ۱۹۷۸ء میں یہ منصوبہ مکمل ہوا۔ پچاس ایکڑ رقبہ پر ۱۲۸۴ پلاٹس تیار کئے گئے۔ ان کو چار بلاکوں WXYZ میں تقسیم کیا گیا۔ ہر بلاک میں مسجد' مارکیٹ' ڈاک خانہ ہسپتال اور اسکول کے لئے پلاٹ مخصوص ہیں۔ ۱۹۷۳ء میں ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ مغرب میں جنوبی جانب ایک بہاری کالونی تعمیر کی گئی۔ اس میں مشرقی پاکستان کے مہاجرین کو کوارٹرز الاٹ کئے گئے محکمہ بحالیات نے یہ کالونی تعمیر کی ہے۔

۱۹۶۲ء میں ضلعی حدود میں تبدیلی ہوئی۔ اس سال شاہدرہ کی تحصیل حیثیت ختم کر دی۔ شاہدرہ گاؤں اور اس سے منسلک ۶ موضعات ضلع لاہور میں شامل کر دیئے۔ اسی سال تحصیل فیروزپور والہ قائم ہوئی۔ اس کے دفاتر تحصیل شاہدرہ کی عمارت میں ہی قائم ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی مغربی جانب نئی عمارت بعد میں تعمیر ہوئی۔

خواجہ مبشر لعل خاں اپریل ۱۹۶۳ء میں تحصیل فیروز والہ کے پہلے اسسٹنٹ کمشنر مقرر ہوئے۔ آپ کے بعد شاہد جاوید برکی ۲۱ مارچ ۱۹۶۴ء سے ۳ نومبر ۱۹۶۴ء تک خدمات انجام دیتے رہے۔ آج کل اظفر منظور ۷ اگست ۱۹۹۸ء سے اس عہدہ پر فائز ہیں۔

انتظامی لحاظ سے تحصیل شیخوپورہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

ایک حصہ تو شیخوپورہ ہے اور دوسرا حصہ صفدر آباد میں' منڈی ڈھابانی سنگھ کا نیا نام صفدر آباد ہے۔ اس حصہ کا کل رقبہ ۲۵۶۵۰۳ ایکڑ ہے جبکہ شیخوپورہ حصہ کا کل رقبہ ۳۳۶۶۶۳ ایکڑ پر مشتمل ہے۔ صفدر آباد میں ۱۲۸ اور شیخوپورہ میں ۱۶۳ گاؤں ہیں۔

۱۹۲۰ء میں ضلع بنتے ہی یہاں ڈسٹرکٹ بورڈ بن گیا تھا۔ ضلع کی تمام ڈسپنسریاں اور جانوروں کے ہسپتال اس بورڈ کے تحت تھے۔ اس مد میں ٹاؤن کمیٹی بورڈ کی مالی معاونت بھی کرتی تھی۔ شیخوپورہ کا ضلعی ہسپتال بھی ڈسٹرکٹ بورڈ کے تحت تھا۔ بعد میں اس کا نام ڈسٹرکٹ کونسل ہوا۔ ضلع کے جانوروں کے ہسپتال آج بھی اس کے تحت ہیں تعلیم کے لئے غریب طلباء کو کونسل سالانہ وظائف بھی دیتی ہے۔ ضلع میں مویشیوں کے سالانہ میلے بھی منعقد کراتی ہے۔

باب ۲

میونسپل کمیٹی شیخوپورہ

شیخوپورہ شہر میں نوٹیفائیڈ ایریا کمیٹی کا قیام اکتوبر ۱۹۱۹ء میں عمل میں آیا۔ ۱۹۲۰ء میں ضلع شیخوپورہ بنا۔ اس نئے ضلع کے پہلے ڈپٹی کمشنر ایم ایل کیوری آئی سی ایس مقرر ہوئے۔ کمیٹی کا پہلا اجلاس مسٹر کیوری کی صدارت میں ۱۵ جنوری ۱۹۲۰ء کو ہوا۔ اس اجلاس میں کمیٹی کے نائب صدر عبدالمجید خاں ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر اور دو ممبرز و سندھی خاں ذیلدار اور جیون داس مہنت نے شرکت کی۔ شیخوپورہ ضلع بنتے ہی یہاں ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کا عہدہ قائم ہوا اور وہ کمیٹی کا وائس پریذیڈنٹ ہوا کرتا تھا۔ اسی سال ۲۰ مارچ کے اجلاس میں ایک نئے رکن راجہ فتح سنگھ (MBE) کا اضافہ ہوا۔ ۳ جون کے اجلاس سے پتہ چلتا ہے کہ باوا نانک سنگھ ایم اے ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھے۔ ۱۱ مارچ ۱۹۲۱ء کے اجلاس میں شیخ غلام حسین (پی سی ایس) E A C تھے۔ ۱۴ جون ۱۹۲۱ء کے اجلاس میں دو نئے رکن چوہدری شاہ محمد بیرسٹر اور پنڈت ہربھگوان داس شرکت کرتے ہیں۔

کمیٹی کے پہلے سیکرٹری نذیر حسین تھے۔ پہلے وہ ملتان میں فارن سروس کے تحت کمشنر کے دفتر میں کلرک تھے اور ۱۲۵ روپے ماہوار تنخواہ پاتے تھے۔ دسمبر ۱۹۲۰ء میں وہ ملتان سے تبدیل ہو کر یہاں آئے اور ۱۰۰-۶-۱۴۰-۸-۲۰۰ کے اسکیل میں یہاں تقرری ہوئی۔ جنوری ۱۹۲۱ء میں سیکرٹری کے لئے ساڑھے تیرہ روپے ماہوار پر ایک چپڑاسی ملازم رکھا گیا۔ ۱۹۲۳ء میں حکومت نے تنخواہوں کے اسکیل تبدیل کئے اور سیکرٹری کو ۱۵۰-۸-۱۹۰ کا اسکیل دیا۔ نذیر حسین نے کمیٹی کا دفتر تعمیر کرایا۔ نذیر حسین نومبر ۱۹۲۱ء تک اس عہدے پر کام کرتے رہے۔ ان کے بعد دیوان چند سیکرٹری مقرر ہوئے۔ مارچ ۱۹۲۶ء میں آپ ننکانہ صاحب تبدیل ہو گئے۔ سیکرٹری کے لئے گورداسپور کے محمد اعظم بیرسٹر امیدوار تھے۔ لیکن ان کی تقرری نہ ہوئی۔ کمیٹی میں بابو علی محمد جو اکاؤنٹس کا کام کرتے تھے۔ ان کو سیکرٹری کی اضافی ڈیوٹی دی گئی۔ مارچ ۱۹۳۰ء میں محمد دین سیکرٹری کا نام ملتا ہے۔ ان کی ماہوار تنخواہ ۱۳۰ روپے تھے۔ اگلے برس مارچ ہی میں محمد دین وفات پا جاتے ہیں۔ ان کے

بعد پیر محمد اسحاق ہاشمی بی اے۔ ایل ایل بی وکیل کو ۲۷ مارچ ۱۹۳۱ء کو سیکرٹری مقرر کیا گیا۔

کمیٹی کی آمدنی کے سلسلہ میں ٹم ٹم اسٹینڈ کا سالانہ ۱۹۲۲۔۱۹۲۳ء ٹھیکہ جمال سنگھ وہری چند کو دیا گیا۔ ستمبر ۱۹۲۲ء میں عمارتوں کی قیمت پر سالانہ ایک آنہ فی روپیہ ٹیکس عائد کرنے کی تجویز پیش کی گئی۔

کمیٹی کی تشکیل سے قبل شیخوپورہ کی حیثیت ایک گاؤں کی سی تھی۔ آمدنی کے لئے ابتدا میں ایک تخت پوش پر آٹھ آنے یا ایک روپیہ فیس لگائی گئی۔ اگست ۱۹۲۱ء میں آمدنی کا آغاز ہوا۔ اسی سال مئی جون اور جولائی کے مہینوں میں قانونی دستاویزات (Deeds) کی مد میں آمدنی ہونے لگی۔ ۲۱ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو کمیٹی کی آمد و خرچ کا ایک گوشوارہ ملاحظہ ہو۔

	پائی	آنے	روپے
گزشتہ ماہ کا بیلنس	۷	۱۰	۱۰۰۶
موجودہ مہینے کی آمدنی	۰	۳	۷۱
میزان	۷	۱۳	۸۳۱۰
موجودہ مہینے کا خرچہ	۰	۰	۲۰۴
بقایا	۷	۱۳	۸۷۹

مارچ ۱۹۲۳ء میں کمیٹی کی حدود میں پلیگ کا موذی مرض پھیلا شیخوپورہ کے سول سرجن نے اس کی روک تھام و علاج وغیرہ کے سلسلہ میں ۲۳ روپے ۶ آنے خرچ کئے جو کمیٹی نے ادا کئے۔ کمیٹی نے یعقوب خاں کو ۴۰ روپے ماہوار پر آزمائشی طور پر چھ ماہ کے لئے اوورسیر تعینات کیا۔ کمیٹی کے دفتر کے لئے ۸۶ روپے مالیت کی ایک الماری' میز' میز کا کپڑا اور چار کرسیاں خریدی گئیں۔

جون ۱۹۲۳ء میں ملک صاحب خاں نون (ممبر آف دی برٹش ایمپائر) E A C کمیٹی کے وائس پریذیڈنٹ تھے۔ مئی ۱۹۲۴ء میں نانک سنگھ ایم اے E A C وائس پریذیڈنٹ تھے۔

... حکومت نے ریل گاڑی ... مال لانے اور لے جانے ...

کو ٹیکس لگانے کی اجازت دی۔ جون ۱۹۲۶ء میں ٹیکس جمع کرنے کے لئے کمیٹی نے تیج رام کو ۳۰ روپے مشاہرہ پر ملازم رکھا۔ علاقہ کی صفائی کے لئے اسی مشاہرہ پر ایک سینیٹری داروغہ رکھا گیا۔ جولائی میں دفتری کام کے لئے ایک ٹائپ رائٹر خرید لیا' اس ماہ ۱۲ بھنگی اور ایک ماشکی آٹھ روپے ماہوار تنخواہ پر ملازم رکھے گئے۔ پلیگ کے سلسلہ میں حکیم عبدالقدیر کو علاج کے لئے ملازم رکھا۔ ۲۹ اگست ۱۹۲۴ء کے اجلاس میں شیخ کرامت علی بی۔اے۔ایل ایل بی کمیٹی کے ممبر کی حیثیت سے حلف اٹھاتے ہیں۔

فروری ۱۹۲۵ء میں کمیٹی شہریوں کو پینے کے لئے صاف پانی مہیا کرنے لگی۔

مارچ اپریل ۱۹۲۵ء میں گورنر پنجاب سر مالکولم ہیلی (۱۹۲۴-۱۹۲۸ء) شیخوپورہ تشریف لائے۔ ان کی آمد کے موقعہ پر کمیٹی نے ۳-۱۱-۱۶۲۳ روپے خرچ گئے۔ میسرز روی دیال اینڈ سنز فوٹو گرافر نے تصاویر بھی لیں جنہیں بڑا پسند کیا گیا۔ مذکورہ فوٹو گرافر کو کمیٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ نے ۲۵-۲۵ روپے انعام دیا۔ اسی سال باہر سے آنے والی اشیاء پر کمیٹی نے محصول لگایا۔ تین سلاٹر ہاؤس تعمیر کئے۔ مئی ۱۹۲۵ء میں لاہور سے لارنس گارڈن کے منیجر کو بلوا کر کمیٹی نے اپنے باغ کے لئے مشورہ لیا۔ اگلے ماہ عبدالحامد کو بطور مالی ملازم رکھا اور مختلف قسم کے درخت لگائے۔ کمیٹی کے ممبر سردار جگت سنگھ کو مزکورہ باغ کا انچارج مقرر کیا۔ کیوں کہ سردار صاحب کی رہائش باغ کے قریب تھی۔ ان کو حکومت نے دو بار کمیٹی کا ممبر نامزد کیا تھا۔ یہ وکالت کے پیشہ سے وابسطہ تھے۔ کمیٹی کی حدود میں جو مویشی اور جانور لاوارث پکڑے جاتے تھے ان کی روزانہ خوراک کے لئے درج ذیل ٹیکس لگانے کی منظوری دی گئی:

ہاتھی: ڈیڑھ روپیہ' اونٹ: چھ آنے' بھینسا' گھوڑا' خچر' بچھڑا: آٹھ آنے' سانڈ' بیل' گائے' چھ آنے' گائے اور بھینس کا شیرخوار بچہ: چار آنے' گدھا: دو آنے۔

مئی ۱۹۲۶ء میں سول سرجن نے کمیٹی سے سفارش کی کہ پلیگ کے دنوں میں سینیٹری انسپکٹر کو خدمات انجام دینے پر ۲۵ روپیہ کی ایک گھڑی انعام میں دی جائے۔ ۳۰ اپریل ۱۹۲۸ء کے اجلاس میں کمیٹی کے دفتر میں ٹیلی فون کی سہولت مہیا کرنے کے لئے ۱۷۵ روپیہ کی منظوری دی گئی۔ ۲۷ ستمبر ۱۹۲۸ء کو کمیٹی نے اپنے دفتر کے لئے شاہدرہ کے لالہ ٹھنکر شاہ کا مکان کرایہ پر لیا۔ ۳۰ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو ۳ پائی' ۸ آنے' ۲۶ روپے کرایہ ادا کیا۔ نومبر میں

دو نئے ممبر سردار پرنام سنگھ اور مولوی غلام حیدر حلف اٹھاتے ہیں۔ دسمبر میں ممبر سیٹھ برکت رام (زرگر) مرگیا۔

جنوری ۱۹۲۹ء میں کمیٹی نے اپنے ملازمین کی ماہوار تنخواہوں سے جی پی ایف کی کٹوتی شروع کی۔ مارچ میں پنڈت ہربھگوان نیا ممبر مقرر ہوا۔ لائبریری کے لئے ایک سو چھ روپے چار آنے کا فرنیچر خریدا گیا۔ اگلے ماہ کمیٹی کے ممبر عالم الدین نے لائبریری کے لئے ۳۰۹ روپے ۱۵ آنے کی کتب خریدیں رات کے وقت شہر میں روشنی کی سہولت مہیا کرنے کے لئے جولائی میں Kitson کے ۱۳۰ لیمپ اور ۷۶ سٹریٹ لیمپ خریدے گئے۔ ان کو جلانے کے لئے چودہ روپے ماہوار پر ملازم رکھے گئے اس مد میں سالانہ اخراجات ۳۳۴۵ روپے رکھے گئے۔

فروری ۱۹۳۰ء میں کمیٹی کے ملازمین نے کرایہ مکان کے حصول کے لئے درخواست دی۔ جون کے مہینے میں پہلی بار تین پنکھا قلی ملازم رکھے گئے۔ ۳۰ مئی کو ہائیڈروالیکٹرک ڈیپارٹمنٹ شاہدرہ سے بجلی Electricity حاصل کرنے کی ایک قرار دار منظور کی گئی۔ امرتسر شہر نے بھی شاہدرہ ہی سے بجلی حاصل کی تھی۔ اپریل میں ملازموں کی تنخواہوں میں دس فیصد کمی کی گئی۔ خصوصی الاونس کم کئے گئے اور کچھ ملازموں کو نکال دیا گیا۔ ۱۴ اگست کو ریونیو بورڈ کے ممبر نے شہر کا دورہ کیا۔ اس کی آمد پر پٹاخے اور گولے چلائے گئے۔ کمیٹی کا چار روپے خرچہ ہوا۔ جولائی میں لالہ پوکھر داس اینڈ سنز الیکٹریکل اینڈ کمینکل انجنیئر ۵۶ بیڈن روڈ لاہور نے شیخوپورہ کمیٹی کی حدود میں ایک آئس فیکٹری لگانے کے لئے ایک قطعہ اراضی ۳۵۰ x ۲۵۰ فٹ دس روپیہ ماہوار کرایہ پر مانگا۔

۱۰ نومبر ۱۹۳۱ء کو شاہدرہ کے مقام سے شیخوپورہ شہر کو بجلی کی سہولت مہیا ہو گئی۔ کمیٹی نے پوکھر داس اینڈ سنز کو بجلی کا خرچہ ماہ نومبر کا ۳ پائی' ۱۳ آنے' ۳۶۴ روپے ادا کیا۔ دسمبر کی لاگت ۶ پائی' ۸ آنے' ۵۰۸ روپے ادا کی' جولائی میں پنڈت بخشی رام اور نومبر میں سرہرنام سنگھ اور مولوی غلام حیدر نئے ممبران نے حلف اٹھائے۔

جنوری ۱۹۳۲ء میں گورنر پنجاب Sir G.F.B.DE Montmorency نے شہر شیخوپورہ کا دورہ کیا۔ کمیٹی نے ان کی آمد پر اکہتر روپے چار آنے خرچ کئے۔ اپریل میں حکومت نے پنڈت ہربھگوان داس کو دوبارہ کمیٹی کا ممبر نامزد کیا۔ اکتوبر میں شیخ کرامت علی

دوبارہ ممبر نامزد ہوئے۔ مئی میں سی ایچ مچل ڈائریکٹر سالویشن آرمی نے شہر میں ایک عمارت تعمیر کرنے کے لئے درخواست دی۔ مارچ ۱۹۳۴ء میں کمیٹی کی حدود میں شہری آبادی کو نو وارڈوں میں تقسیم کیا گیا۔ حکومت نے اپنے ایک نوٹی فیکیشن نمبر ۳۳۵-۳۳۶ محررہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۴ء کے ذریعہ بارہ ارکان پر مشتمل نئے سرے سے میونسپل کمیٹی شیخوپورہ تشکیل دی۔ ان میں چار سکھ' دو ہندو اور چھ مسلمان تھے۔ ان کے نام یہ ہیں:

سردار تیجہ سنگھ' سردار آتما سنگھ' سردار جگت سنگھ' سردار انند سنگھ' لالہ اانی رام' پنڈت بخشی رام' غلام حیدر' خاں صاحب مرزا مہدی حسن' شیخ کرامت علی' ملک محمد انور' چوہدری ابراہیم اور ملک مراد خاں۔ پہلی بار ان کو اپنا پریذیڈنٹ اور وائس پریذیڈنٹ منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا۔

۵ نومبر ۱۹۳۴ء کے اجلاس میں ڈپٹی کمشنر پنڈت جانکی ناتھ اٹل کی صدارت میں نئے اراکین نے حلف اٹھایا۔ پریذیڈنٹ کے انتخاب کے لئے ملک محمد انور نے شیخ کرامت علی کا نام تجویز کیا۔ غلام حیدر نے اس کی تائید کی' دوسری جانب سردار تیجہ سنگھ نے سردار آتما سنگھ کا نام تجویز کیا۔ سردار انند سنگھ نے اس کی تائید کی۔ ووٹ ڈالے گئے تو دونوں امیدواروں کو برابر برابر ووٹ ملے۔ قرعہ اندازی پر فیصلہ ہوا سردار آتما سنگھ پریذیڈنٹ منتخب ہوئے۔ نائب پریذیڈنٹ کے لئے سردار آتما سنگھ نے سردار تیجہ سنگھ کا نام تجویز کیا۔ سردار جگت سنگھ نے تائید کی دوسرے گروپ سے چوہدری محمد ابراہیم نے ملک محمد انور کو نامزد کیا۔ شیخ کرامت علی نے تائید کی ووٹنگ ہوئی تو دونوں کو برابر برابر ووٹ ملے۔ قرعہ اندازی ہوئی تو سردار تیجہ سنگھ وائس پریذیڈنٹ منتخب ہوئے۔ ۲۸ نومبر ۱۹۳۴ء کو کمیٹی کا پہلا اجلاس نو منتخب پریذیڈنٹ سردار آتما سنگھ کی صدارت میں ہوا۔ اجلاس میں شہر میں مختلف کاموں کے لئے کمیٹی کے ارکان پر مشتمل دو کمیٹیاں بنائی گئیں۔ ۲۲ دسمبر کے اجلاس میں ٹاؤن ہال کی تعمیر کے لئے ۱۶۷۷۰ روپے کی منظوری دی گئی۔

ہندوستان کے دوسرے شہروں کی طرح مارچ ۱۹۳۵ء میں شیخوپورہ کی میونسپل کمیٹی نے جارج پنجم والئی انگلستان کی سلور جوبلی فنڈ میں دو سو روپے دینا منظور کیا۔ ۷ مئی کو یہاں بھی سلور جوبلی بڑی شان و شوکت سے منائی گئی۔ اس کے لئے کمیٹی نے پچاس روپے مختص کئے۔ مٹھائی تقسیم کرنے کے علاوہ رات کو چراغاں بھی کیا گیا۔ دوسرے شہروں سے

یہاں سکاؤٹس بھی آئے کمیٹی نے ان کو اپنی جانب سے دوپہر کا کھانا دیا۔ کھیلیں ہوئیں کمیٹی نے انعامات دیئے۔ کھانے اور انعامات کی مد میں کمیٹی کا ایک صد روپیہ خرچ ہوا۔ اس دور میں کمیٹی کا کلیریکل شاف ۱۱ اور دوسرے ملازمین کی تعداد ۴۸ تھی۔ ۳۰ جولائی کے اجلاس میں کمیٹی کے کتب خانہ کے لئے قواعد و ضوابط منظور کئے گئے۔ طلباء کی بڑھتی ہوئی تعداد کو مدنظر رکھتے ہوئے یکم ستمبر سے ایک نیا پرائمری سکول جاری کیا۔

۲۲ جنوری ۱۹۳۶ء کے اجلاس میں جارج پنجم کی وفات (۲۰ جنوری ۱۹۳۶ء) پر قرارداد تعزیت منظور کی۔ ۳۰ مئی کے اجلاس میں مسلم لیگی رہنما ڈاکٹر مختار احمد انصاری (پ ۲۵ دسمبر ۱۸۸۰ء' وفات ۱۰ مئی ۱۹۳۶ء) کی وفات پر افسوس کا اظہار کیا۔ جون کے مہینے میں آل انڈیا کانگریس کے رہنما پنڈت جواہر لال نہرو شیخوپورہ شہر میں آئے۔ کمیٹی نے ان کی خدمت میں ایک ایڈریس پیش کیا۔ کانگریس کی گولڈن جوبلی کو بھی بڑے جوش و خروش سے منایا گیا۔

جارج پنجم کی وفات کے بعد ان کا بڑا لڑکا پرنس آف ویلز ایڈورڈ ششم کے نام سے انگلستان کا بادشاہ مقرر ہوا۔ ان کا جشن تاج پوشی شیخوپورہ میں ۱۲ مئی ۱۹۳۷ء کو منایا گیا۔ عبادت خانوں میں دعائیں مانگی گئیں۔ طلباء میں مٹھائی تقسیم کی گئی۔ غربا کو کھانا کھلایا گیا۔ کبڈی اور دوسری کھیلوں کے مقابلے ہوئے۔ رات کو چراغ جلائے گئے۔ فروری ۱۹۳۸ء میں حکومت نے کمیٹی کے بارہ نئے ممبر مقرر کئے۔ ان نئے اراکین نے شیخ کرامت علی کو پریذیڈنٹ اور ملک محمد انور کو وائس پریذیڈنٹ منتخب کیا۔ نئے اراکین یہ تھے۔ چوہدری محمد ابراہیم' چوہدری روشن دین' شیخ کرامت علی' ملک محمد انور' چندولال' شیخ عزیز اللہ' سردار انند سنگھ' سردار جگت سنگھ' سردار آتما سنگھ' لالہ رام ناتھ ماہنہ' پنڈت متھرا داس اور مولوی غلام حیدر۔

سر محمد اقبال ۲۱ اپریل کو اس فانی دنیا سے کوچ کر جاتے ہیں۔ کمیٹی اپنے اجلاس منعقدہ ۲۳ اپریل میں آپ کی وفات حسرت آیات پر اپنے رنج و غم کا اظہار کرتی ہے اور ایک تعزیتی قرار داد پاس کرتی ہے۔ ۱۹ دسمبر کے اجلاس میں اتاترک کمال پاشا کی وفات پر تعزیتی قرار داد بھی پاس کی گئی۔

مارچ ۱۹۳۹ء میں چیف جسٹس ہائی کورٹ پنجاب لاہور شیخوپورہ تشریف لائے۔ ۳ ستمبر

کو انگریزوں نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اور اس طرح دوسری جنگ عظیم کا آغاز ہوا۔ کمیٹی نے ۶ ستمبر کے اجلاس میں ملک معظم شہنشاہ کی حمایت کرنے کی قرار داد پاس کی۔ ۱۱ جولائی ۱۹۴۰ء کو پنجاب کے وزیر ترقیات سرچھوٹو رام شیخوپورہ میں تشریف لائے۔ کمیٹی نے ان کی آؤ بھگت کے لئے ایک صد روپیہ صرف کرنے کی منظوری دی۔ ۳۰ اکتوبر کو پنجاب کے گورنر Sir Henry Duffield Craik یہاں تشریف لائے۔ ان کی آمد کے سلسلہ میں تین صد روپیہ اخراجات کے لئے منظور کئے۔

۲۴ فروری ۱۹۴۱ء کے اجلاس میں شیخ کرامت علی کو کمیٹی کا نیا پریذیڈنٹ منتخب کیا گیا۔ ۲۶ فروری ۱۹۴۲ء کو پنجاب کے گورنر سربرتراں جیمز گلینسی یہاں تشریف لائے۔ کمیٹی نے اپنے اجلاس میں پانچ صد روپیہ کی منظوری دی۔ لیکن اصل اخراجات سات سو دس روپے اور نو آنے ہوئے۔ مئی کے مہینے میں آگ بجھانے کے لئے کمیٹی کا اپنا ایک دستہ تھا۔ اس میں ایک سپرنٹنڈنٹ' ایک ڈرائیور اور چار تلی تھے۔ پنجاب کے وزیراعظم سرسکندر حیات ۲۶ دسمبر ۱۹۴۲ء کو انتقال کر گئے۔ ۲۸ دسمبر کے اجلاس میں ان کے انتقال پر قرار داد تعزیت منظور کی۔ ۱۲ جنوری ۱۹۴۴ء کو پنجاب کے وزیر اعظم سرخضرحیات یہاں تشریف لائے۔ کمیٹی نے ان کی آمد کے لئے آٹھ صد روپیہ کے اخراجات کی منظوری دی۔ ۳۰ مارچ کے اجلاس میں سرعمر حیات خان کی وفات پر تعزیتی قرار داد منظور کی گئی اور وزیراعظم پنجاب میجر خضرحیات خاں ٹوانہ کے نام تعزیت نامہ ارسال کیا گیا۔ ۱۱ اپریل کو گورنر پنجاب اور ۱۳ اکتوبر کو پنجاب کے وزیراعظم یہاں آئے۔ دسمبر میں حکومت پنجاب نے پرائمری سطح پر مذہبی زبان کی تعلیم دینا منظور کیا۔ نصب اخراجات حکومت نے دینا منظور کیا۔ کمیٹی نے اپنے پرائمری مسلم اسکول میں عربی زبان کی تدریس کی ابتداء کی' سرچھوٹو رام (۱۸۸۱-۱۹۴۴ء) کی خدمات سے یہاں کا کسان بخوبی واقف تھا۔ ان کا انتقال فروری ۱۹۴۵ء میں ہوا۔ ۹ فروری ۱۹۴۵ء کے اجلاس میں ان کے مرنے پر ایک قرار داد تعزیت منظور کی۔ مارچ کے مہینے میں شہریوں کو راشن کارڈ پر چینی اور پہننے کے لئے کپڑا فروخت کیا۔

مئی ۱۹۴۵ء میں جرمن اور بعدازاں جاپان نے ہتھیار ڈال دیے اور اس طرح دوسری جنگ عظیم ختم ہو گئی۔ انگلستان اور امریکہ کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔ ہندوستان بھر میں بھی جشن فتح بڑے جوش و خروش سے منایا گیا۔ شیخوپورہ میں بھی جشن فتح منایا گیا۔ مٹھائی

تقسیم کی گئی- دروازے بنائے اور سجائے گئے- جھنڈیاں لگائی گئیں- کمیٹی نے دو سو ترانوے روپے اور آٹھ آنے صرف کئے-۱۹۴۶ء میں ہندوؤں کا ایک سیاسی رہنما بھولا بھائی ڈیسائی مر گیا- ۲۷ مئی کے اجلاس میں کمیٹی نے اس کے مرنے پر ایک تعزیتی قرار داد منظور کی- اسی اجلاس میں حکومت پنجاب سے استدعا کی کہ وہ شہر شیخوپورہ میں لڑکوں کے لئے ایک ڈگری کالج قائم کرے- ۱۸ نومبر ۱۹۴۶ء کے اجلاس میں پنڈت مدن موہن مالویہ کے انتقال پر رنج و غم و افسوس کا اظہار کیا گیا- اس سال حکومت نے پانچ صد روپے کی مالی مدد لازمی تعلیم کے سلسلہ میں دی- اس رقم سے درج ذیل اشیاء خرید کر پرائمری سکول کی طلباء میں تقسیم کی گئیں:

ٹاٹ ۲۵ عدد' تختیاں ایک سو' سلیٹیں ایک سو' قاعدے دس روپے کے اور کتب ۴۰ روپے کی-

۷ مارچ ۱۹۴۷ء کو پنجاب کے گورنر یہاں تشریف لائے- ایک روز سے زیادہ ان کا یہاں قیام رہا- کمیٹی نے ان کی آمد پر اخراجات کے لئے چار صد روپیہ منظور کیا-۹ اپریل ۱۹۴۷ء کے اجلاس میں متفقہ طور پر پنڈت متھرا داس کو وائس پریذیڈنٹ منتخب کر لیا- اگست کے مہینے میں شہر میں بڑی کشیدگی رہی- ۸ اگست کے اجلاس میں صرف چھ اراکین جگت سنگھ' سنتوکھ سنگھ' پنڈت متھرا داس' پنڈت گیان چند' ملک محمد انور اور غلام حیدر نے شرکت کی-

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرض وجود میں آ گیا' شہر میں بڑی بدنظمی رہی مہاجرین کی آمد شروع ہو گئی- غیر مسلم یہاں سے نقل مکانی کر کے بھارت چلے گئے- کمیٹی کے دس اراکین میں سے پانچ مشرقی پنجاب (بھارت) چلے گئے اور پانچ مسلم اراکین رہ گئے- ۲۴ اپریل ۱۹۴۸ء کو اجلاس میں پانچ مسلم اراکین نے شرکت کی- ملک محمد انور نئے پریذیڈنٹ منتخب ہوئے اور ان کے نائب چوہدری محمد ابراہیم- اس اجلاس سے قبل ۱۵ اپریل کو شیخ کرامت علی مستعفی ہو گئے تھے- ۴ مارچ ۱۹۴۹ء کے اجلاس میں حکومت کی ہدایات کے مطابق بلدیہ کے ۱۳ اراکین منتخب کرنے کا فیصلہ کیا- محلہ چوڑی گراں اور ارائیاں والا پر مشتمل ایک نیا وارڈ بنایا گیا- ۱۱ مارچ ۱۹۵۰ء کو گورنر پنجاب شیخوپورہ میں آئے اس موقعہ پر ۳۵۰۰ روپے خرچ کرنے کی منظوری دی گئی- ۲۴ مئی ۱۹۵۰ء کے اجلاس میں چوہدری محمد

ابراہیم پریذیڈنٹ اور خان علاؤالدین وائس پریذیڈنٹ چنے گئے۔ ملک محمد انور گورنر پنجاب کے مشیر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ اس لئے ملک صاحب نے ۲۴ جون کو بلدیہ کی رکنیت سے استعفی دے دیا۔ ۸ مئی ۱۹۵۱ء کو پاکستان کے وزیراعظم لیاقت علی خاں یہاں تشریف لائے۔ اس موقعہ پر ۹۳ روپے کے اخراجات کی منظوری دی گئی۔ ۱۴ جنوری ۱۹۵۲ء کو پنجاب کے گورنر کی شہر میں تشریف آوری کی مد میں پانچ صد روپیہ منظور کیا گیا۔ ۳۰ مئی کو آپ دوبارہ شیخوپورہ میں آئے۔ ان کی آمد پر بلدیہ نے ۳۵۰۰ روپے خرچ کئے۔

حکومت نے ۱۹۵۴ء میں ایک حکمنامہ کے ذریعہ ۲۰ افراد کو بلدیہ کے رکن منتخب کیا۔ ۲۹ ستمبر کے اجلاس میں انہوں نے حلف اٹھایا۔ چوہدری محمد ابراہیم کو صدر اور ملک محمد امیر خاں مہر کو نائب صدر چنا گیا۔ فروری ۱۹۵۵ء میں وزیر تعلیم یہاں آئے۔ آپ نے شہر میں سیکنڈری سکول کا سنگ بنیاد رکھا۔ آپ کی آمد پر ۱۴۹ روپے آٹھ آنے صرف ہوئے۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو وزیر لوکل گورنمنٹ مغربی پاکستان کی جانب سے حکم ہوا کہ بلدیہ شہر میں فلاحی کاموں کے لئے ۱۳۱۵۰۰ روپیہ کی خطیر رقم چھ ماہ کے اندر اندر خرچ کرے۔ ۲۵ جون ۱۹۶۰ء کو بلدیہ کے نئے اراکین نے حلف اٹھایا۔ چیئرمین شیخ اظہار الحق سی ایس پی، وائس چیئرمین چوہدری عبدالغنی۔ دوسرے اراکین محمد اقبال ڈار، فتح محمد چوہدری، محمد صدیق، کیپٹن ڈاکٹر عبدالکریم، خان محمد احمد خاں، شیخ عبداللہ، ۱۰ اکتوبر ۱۹۶۰ء کے اجلاس میں بلدیہ نے ڈسٹرکٹ بورڈ کو جانوروں کے ہسپتال کے لئے سالانہ پانچ سو روپے کی بجائے تین ہزار روپے دینا منظور کئے۔ ۱۴ اکتوبر ۱۹۶۳ء کے اجلاس میں ہرن مینار کی ترقی کے لئے دس ہزار روپے منظور کئے۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۶۴ء کے اجلاس میں فاطمہ گرلز ہائی سکول کی عمارت کی تعمیر کے لئے ۲۵ ہزار روپیہ کی مالی مدد دینا منظور کیا۔ ۱۱ اگست ۱۹۶۴ء کو بلدیہ نے مقامی اسٹیڈیم کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ ۱۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کے اجلاس میں دفاعی فنڈ میں اکیس ہزار روپیہ دینا منظور کیا۔ ریزرو فنڈ پچاس ہزار روپیہ دینے کی خواہش کا اظہار کیا۔ ۵ مارچ ۱۹۶۶ء کو نئے ممبران نے حلف وفاداری اٹھایا۔ چیئرمین مہر محمد شیر لالی ڈپٹی کمشنر چوہدری محمد رفیع، محمد حنیف، محمد انور خاں، محمد اقبال ڈار، انوار الحق۔

بلدیہ کے دفاتر جناح ہال اور کتب خانہ کی نئی عمارت کا سنگ بنیاد بلدیہ کے چیئرمین چوہدری محمد اقبال ڈار نے ۷ ستمبر ۱۹۸۳ء کو رکھا تھا۔ ۱۹۸۶ء میں عمارت مکمل ہوئی اور ملک

محمد منیر احمد بلوچ کے عہد میں بلدیہ کے دفاتر یہاں منتقل ہوئے۔ چیف آفیسر راؤ اشفاق احمد خاں تھے۔

۱۹۹۴ء میں میونسپل کمیٹی میں ۳۷ وارڈز تھے۔ ان میں دو وارڈز غیر مسلموں کے ہیں۔ کمیٹی شہریوں کو تعلیم کی سہولتیں مہیا کرنے کے لئے ایک خطیر رقم صرف کر رہی ہے۔ بلدیہ کی نگرانی میں چلنے والے لڑکوں کے ۱۹ اور لڑکیوں کے ۲۱ اسکول ہیں' ان میں ۱۲۵ مرد اساتذہ اور ۱۶۵ خواتین اساتذہ خدمات انجام دے رہی ہیں۔ ۱۹۸۵ء میں دستکاری اسکول جاری کئے تھے جو دسمبر ۱۹۹۳ء میں بند کر دیئے گئے۔ تعلیم پر تقریباً" ایک کروڑ پچھتر لاکھ خرچ ہوتا ہے۔ اس مد میں حکومت بھی کمیٹی کی مالی مدد کرتی ہے۔

۱۹۹۸ء میں پنجاب میں بلدیاتی انتخاب ہوئے۔ شیخوپورہ شہر میں بلدیہ کی حدود میں ۴۴ وارڈ میں کونسلر منتخب ہوئے۔ دو غیر مسلم' ۴ خاتون اور ۸ ورکرز کونسلرز کل ۵۸ منتخب ارکان نے ۱۸ دسمبر ۱۹۹۸ء کو حلف وفاداری اٹھایا ان کے نام یہ ہیں۔

چوہدری خالد پرویز ایڈووکیٹ' شفاء الحق' حاجی محمد اکرم' مختار احمد' محمد امین گادھی' ماسٹر محمود احمد خاں' میاں خالد محمود' حافظ محمد اشفاق' ملک محمد یونس اعوان' صوفی محمد لطیف' سیٹھ عبدالغنی' شوکت علی جٹ' شہزاد اکبر بٹ' حاجی جاوید اقبال' خالد محمود ایڈووکیٹ' نذیر بٹ' رانا محمد سعید' غلام رسول ورک' خالد متین ایڈووکیٹ' محمد کاشف عارف' محمد عمران خان' مشتاق احمد زیلدار' میاں عبدالخالق' شاہ جہاں خاں لودھی' ملک منیر احمد ایڈووکیٹ' ملک عمر صدیق نور' میاں افتخار حسین' عبدالمجید کشمیری' میاں محمد انور احسان' بشیر احمد کلو' شیخ انوارالحق' الیاس احمد خاں' ملک محمد یوسف' امانت علی گوندل' شمعون بابر بھٹی' چوہدری خالد محمود ورک' عبدالرفاق خان' محمد شریف وبلانہ' ملک اصغر علی' میاں محمد سلیم' میاں مقصود احمد' محمد اقبال گوپے را' محمد ابراہیم ڈوگر' عرفان علی بٹر' نذر مسیح بھٹی' عزیز رحمت مسیح۔

ورکرز: محمد رفیق بٹالوی' عطا اللہ ورک' محمد رشید' فدا الرحمٰن۔

مسرت بی بی' شہناز جرار زیدی اور شمیم اختر۔

حاجی جاوید اقبال چیئرمین منتخب ہوئے ہیں۔ آپ کو ماہوار اعزازنہ چار ہزار پانچ سو روپے ملتا ہے۔

پانچ وائس چیئرمین منتخب ہوئے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں:

چوہدری خالد پرویز ایڈووکیٹ' میاں خالد محمود' محمد کاشف عارف' الیاس احمد خاں اور محمد اقبال گوپے را۔

ڈسٹرکٹ ہسپتال کے مشرق میں پانی والی ٹنکی کے نزدیک ۱۵ مئی ۱۹۹۹ء کو غوری میزائل کا ایک ماڈل نصب کیا گیا ہے۔ ملک بھر میں ۲۸ مئی کو یوم تکبیر منایا گیا۔ یہ ماڈل اسی یاد میں میونسپل کمیٹی نے نصب کیا ہے۔ بھارت نے ۱۱ مئی ۱۹۹۸ء کو پوکھران میں ایٹمی دھماکہ کیا تھا۔ پاکستان نے اس کے جواب میں ۲۸ مئی ۱۹۹۸ء کو چاغی میں ایٹمی دھماکہ کر کے دشمن کو بتا دیا کہ ہم اس کا مقابلہ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ اس واقعہ سے پاکستان ایک ایٹمی ملک قرار پایا۔

یکم جولائی ۱۹۹۹ء سے حکومت پاکستان نے چنگی اور ضلع ٹیکس ختم کر دیا ہے۔

مارکیٹ کمیٹی

پنجاب میں ۱۹۳۹ء میں زرعی اجناس مارکیٹ ایکٹ نمبر ۷ نافذ ہوا۔ اس ایکٹ کے تحت شیخوپورہ میں ایک مارکیٹ کمیٹی معرض وجود میں آئی۔ دوکانداروں اور غلے کے آڑھتیوں کو لائسنس جاری کئے جاتے ہیں۔

میونسپل کمیٹی کے چند چیئرمینوں کے حالات زندگی ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ ملک محمد منیر بلوچ

والد کا نام ملک شاہ محمد ولد ملک نور محمد ولد جان محمد ہے۔ بلوچ گھرانہ سے تعلق ہے۔ ملک محمد منیر ۱۹۳۴ء میں پیدا ہوئے۔ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور سے ۱۹۵۴ء میں بی۔اے کیا۔ ۱۹۵۶ء میں ایل ایل بی۔ اس کے بعد قانونی پریکٹس شروع کی۔ شیخوپورہ کی بلدیہ میں حصہ لیا۔ کونسلر منتخب ہوئے ۱۹۸۳ء سے ۱۹۸۷ء تک بلدیہ کے چیئرمین کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ اگست ۱۹۵۷ء میں پنڈت جواہر لال نہرو اور لیاقت علی خاں کو گورکھا رجمنٹ کے ہمراہ شیخوپورہ شہر میں آتے ہوئے آپ نے دیکھا تھا۔ ان دنوں آپ

پانچویں یا چھٹی جماعت میں پڑھتے تھے۔ ملک مراد خاں بلوچ آپ کے ماموں تھے جنہوں نے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کے تاریخی اجلاس میں شرکت کی تھی۔

۲۔ محمد اقبال ڈار

نسب نامہ: محمد اقبال بن میاں مظفر الدین بن غلام محمد بن رجب علی بن حسن ڈار۔

آپ کے آباؤ اجداد ضلع بارہ مولا مقبوضہ کشمیر سے تعلق رکھتے تھے۔ دادا میاں غلام محمد ۱۹۰۱ء کے لگ بھگ شیخوپورہ نقل مکانی کر کے آ گئے۔ گنجیانہ نو میں زرعی اراضی خرید کر کاشتکاری کرنے لگے۔ اب اس کا نام کوٹ غلام محمد ہے۔ محمد اقبال ۱۵ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو پیدا ہوئے ۱۹۳۸ء میں خانقاہ ڈوگراں کے ہائی سکول سے میٹرک کیا۔ ۱۹۴۰ء میں ۳ برس تک خانقاہ ڈوگراں مارکیٹ کمیٹی میں ملازمت کی۔ ۱۹۴۷ء تک محکمہ ریلوے سکھر میں ملازمت کی۔ ۱۹۴۸ء میں شیخوپورہ آ گئے۔ ۱۹۵۰-۵۱ء میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔ بلدیہ شیخوپورہ کی سیاست میں حصہ لینے لگے۔ جون ۱۹۶۰ء میں بلدیہ کے رکن منتخب ہوئے۔ مارچ ۱۹۶۶ء میں بھی رکن کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ بلدیہ کے دو بار چیئرمین رہے۔ ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۳ء تک اور دوسری بار ۱۹۸۸ سے ۱۹۸۹ء تک۔

۳۔ انعام الحق

ترمذی سید گھرانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے والد ماجد سید عبدالرحمٰن ولد سید عبدالعزیز محکمہ ریلوے میں ملازم تھے۔

انعام الحق ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو وزیر آباد میں پیدا ہوئے۔ مقامی کالج سے ۱۹۵۸ء میں انٹرمیڈیٹ کیا۔ انہی دنوں شیخوپورہ آ گئے اور مستقل رہائش اختیار کر لی۔ کاروبار کے ساتھ ساتھ بلدیہ کے انتخابات میں حصہ لیا۔ تین بار بلدیہ کے کونسلر منتخب ہوئے، پہلی بار ۱۹۷۹ء میں، ۱۹۸۳ء تک آپ وائس چیئرمین بھی رہے۔ ۱۹۸۹ء سے ۱۹۹۱ء تک آپ نے چیئرمین کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ آپ نے بلدیہ کی آمدنی میں ایک اچھا خاصا اضافہ بھی کیا۔

آپ کے بعد میاں محمد شفیق چیئرمین منتخب ہوئے۔

۴- محمد شفیق

نیشنل فلور اینڈ جنرل ملز' نیشنل فیڈز اور نیشنل ماڈل اسکول شیخوپورہ کے مالکوں میں سے ہیں-

آپ کے والد ماجد محمد رفیق اشرفی ولد شیخ کرم دین لاہور کے شیخ گھرانہ سے تعلق رکھتے ہیں- آبائی پیشہ تجارت ہے- محمد شفیق ۲۷ جنوری ۱۹۴۵ء کو پیدا ہوئے- اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور سے ۱۹۶۶ء میں بی اے کیا- اس کے بعد تجارت میں والد کا ہاتھ بٹانے لگے- ۱۹۶۷ء میں شیخوپورہ آ گئے اور فلور ملز وغیرہ کا انتظام سنبھال لیا- شہر کی سیاست میں حصہ لیا- بلدیاتی انتخاب میں کامیاب ہوئے اور میونسپل کمیٹی شیخوپورہ کے جنوری ۱۹۹۲ء سے اگست ۱۹۹۳ء تک چیئرمین کی حیثیت سے خدمات انجام دیں- مختلف مساجد کی تعمیر اور مصارف کے سلسلہ میں معاونت کرتے رہتے ہیں-

شیخوپورہ شہر اور ضلع کے مشہور مقامات پر اعلیٰ شخصیات کی آمد کی جھلکیاں

۱۸۸۶ء سرائیکل فرانسس اوڈوائر ننکانہ صاحب آیا تھا-

۱۹۱۶ء پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر سرائیکل فرانسس اوڈوائر (۱۹۱۹ء-۱۹۱۳ء) نے موضع گنگاپور ضلع شیخوپورہ کا دورہ کیا-

۱۹۱۷ء سراوڈوائر نے لیفٹیننٹ گورنر بننے پر پہلی بار ننکانہ صاحب کا دورہ کیا-

۱۹۲۰ء گورنر پنجاب سرایڈورڈ میکلیگن (۲۴-۱۹۱۹ء) کا دورہ گنگاپور-

۱۹۲۱ء ننکانہ صاحب میں ۲۰ فروری ۱۹۲۱ء کو سکھوں کا قتل عام ہوا تھا- گورنر پنجاب سرایڈورڈ میکلیگن خصوصی ٹرین سے ۲۲ فروری ۱۹۲۱ء کو ننکانہ صاحب پہنچے تھے-

اسی سال ۳ مارچ کو سیاسی رہنما مہاتا گاندھی' ڈاکٹر کچیلو' مولانا شوکت علی اور چند دوسرے اصحاب نے بھی ننکانہ صاحب کا دورہ کیا-

۱۹۲۸ء ۴ اپریل کو ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ارون (۳۱-۱۹۲۶ء) نے گنگاپور کا دورہ کیا۔

۱۹۳۶ء مئی کے مہینے میں پنڈت جواہر لال شیخوپورہ آئے۔ بلدیہ نے ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے سپاس نامہ پیش کیا تھا۔

۱۹۳۸ء ۲۰ فروری کو پنجاب کے وزیر ترقیات سر چھوٹو رام شیخوپورہ تشریف لائے اور یہاں کے زمینداروں کے ایک اجلاس کی صدارت کی۔

۱۹۳۹ء ماہ مارچ میں پنجاب ہائی کورٹ کے چیف جسٹس شیخوپورہ تشریف لائے۔

۱۹۴۰ء جولائی کی گیارہ تاریخ کو پنجاب کے وزیر ترقیات سر چھوٹو رام یہاں آئے تو بلدیہ نے ایک سو روپیہ اخراجات کے لئے منظور کئے۔ اسی سال ۳۰ اکتوبر کو پنجاب کے گورنر کی شہر شیخوپورہ میں آمد ہوئی' بلدیہ نے اخراجات کے لئے تین سو روپے کی منظوری دی۔

۱۹۴۲ء قائداعظم نے ریل گاڑی کے ذریعہ لائل پور جاتے ہوئے شیخوپورہ ریلوے اسٹیشن پر لوگوں سے خطاب کیا تھا۔

۱۹۴۳ء ۱۵ جولائی کو پنجاب کے وزیر پبلک ورکس یہاں آئے۔

۱۹۴۴ء ۱۲ جنوری کو پنجاب کے وزیراعظم یہاں آئے۔ بلدیہ نے اخراجات کے لئے آٹھ صد روپیہ منظور کیا۔

اسی سال ۱۱ اپریل کو گورنر پنجاب اور ۱۳ اکتوبر کو پنجاب کے وزیراعظم شیخوپورہ آئے تھے۔

۱۹۴۷ء ۷ مارچ کو پنجاب کے گورنر یہاں تشریف لائے۔ ایک روز سے زیادہ یہاں قیام رہا۔

۱۴ اگست کو جب ہمارا ملک آزاد ہوا تو لیاقت علی خان اور پنڈت جواہر لال نہرو دو تین روز بعد یہاں آئے تھے۔ بسلسلہ فسادات ہندو مسلم۔

۱۹۵۰ء مارچ کے آخر میں گورنر پنجاب یہاں آئے۔ بلدیہ نے اخراجات کے لئے ساڑھے تین ہزار روپے منظور کئے۔

۱۹۵۱ء	اپریل اور مئی میں وزیراعظم پاکستان یہاں تشریف لائے۔
۱۹۵۲ء	۱۴ جنوری کو گورنر پنجاب کی یہاں آمد ہوئی۔ اخراجات کے لئے بلدیہ نے پانچ صد روپیہ کی منظوری کی۔
	جولائی کے مہینے میں بھی گورنر پنجاب یہاں آئے اس دفعہ کمیٹی نے ۳۵۰۰ روپے خرچ کئے۔



باب ۳

(i) تعلیم

نومبر۱۹۹۱ء میں ضلع میں تعلیمی صورت حال یہ تھی:

ہائر سیکنڈری اسکول: ۵' ہائی اسکول: ۱۱۸' مڈل: اسکول ۹۷' پرائمری: اسکول ۱۵۹۰'
کالج: ۱۲

قدیم ترین پرائمری اسکول جنڈیالہ شیر خاں کا ہے۔ ۱۸۷۵ء میں یہاں پرائمری اسکول موجود تھا۔

۱۸۸۸ء میں یہ مڈل اور ۱۴ اگست ۱۹۶۱ء کو اسے ہائی اسکول کا درجہ ملا۔ ۱۸۸۵ء میں سید والا میں بھی پرائمری اسکول موجود تھا۔

قدیم ترین مڈل اسکول ہچڑ (Hatchar) میں ہے۔ ۱۸۵۳ میں یہاں مڈل سکول تھا۔ مریدکے کا ہائر سیکنڈری سکول ۱۸۸۶ء میں مڈل اور گورنمنٹ ہائی سکول نارنگ ۱۸۹۶ء میں مڈل تھا۔ مڑھ بلوچاں کا گورنمنٹ ہائی سکول بھی ۱۸۹۶ء میں مڈل درجہ تک تھا۔

ہائی اسکولوں میں قدیم ترین گورنمنٹ ہائی سکول نمبر۱ سانگلہ ہل ۱۹۱۰ء ہے۔ اس کے بعد گورنمنٹ ہائی سکول شیخوپورہ ۱۹۲۲ء میں ہائی درجہ تک پہنچا۔

۸۴-۱۸۸۳ء میں شرق پور میں ایک پرائیوٹ درس گاہ تھی جہاں ۷۰ لڑکے تعلیم پاتے تھے۔

ضلع شیخوپورہ میں تعلیم کا شعبہ ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر کے تحت ہے۔ ضلع کے کالجوں کو ڈائریکٹر آف ایجوکیشن کالجز لاہور ڈویژن لاہور کنٹرول کرتا ہے جس کا دفتر ہال روڈ لاہور پر ہے۔

شہر شیخوپورہ کے کالجوں کا رزلٹ بورڈ اور یونیورسٹی سطح پر بڑا اچھا رہا ہے۔ لاہور بورڈ کے انٹرمیڈیٹ کے سالانہ امتحان ۱۹۹۹ء میں گورنمنٹ کالج شیخوپورہ کے طالب علم عمر سلیم پسر سلیم پرویز (پروفیسر فزکس) رول نمبر ۶۷۶۵' پری انجینئرنگ میں ۹۵۰ نمبر حاصل کر کے بورڈ میں دوم رہے ہیں۔ گورنمنٹ کالج برائے خواتین شیخوپورہ کی طالبہ آمنہ مان بنت محمد

جنید مان بی اے آرٹس میں ۶۲۳ نمبر حاصل کر کے اس سال پنجاب یونیورسٹی میں اول آئی ہے۔

ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکولز / ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسرز

۱۔	قاضی اکرام حسین	۲-۸-۱۹۴۷	۶-۶-۱۹۴۸
۲۔	چوہدری نجم الدین	۷-۶-۴۸	۹-۸-۴۸
۳۔	قاضی اکرام حسین	۱۰-۸-۴۸	۲۸-۹-۴۸
۴۔	چوہدری نجم الدین	۲۸-۹-۴۸	۲۴-۱۰-۴۸
۵۔	چوہدری بشیر حسین ضیاء	۲۵-۱۰-۴۸	۳۱-۳-۴۹
۶۔	چوہدری نجم الدین	۳۱-۳-۴۹	۲۱-۴-۴۹
۷۔	سید شبیر حسین	۲۲-۴-۴۹	۱۵-۱۲-۵۰
۸۔	علی اکبر	۱۵-۱۲-۵۰	۱۱-۳-۵۱
۹۔	خان عبدالرحیم خاں	۱۲-۳-۵۱	۳۱-۳-۵۱
۱۰۔	سید شبیر حسین	۱-۴-۵۱	۱۷-۷-۵۱
۱۱۔	خان عبدالرحیم خان	۱۵-۹-۵۱	۲۷-۱۲-۵۱
۱۲۔	ایم آئی ربانی	۲۸-۱۲-۵۱	۱۰-۲-۵۲
۱۳۔	سید شبیر حسین	۱۰-۳-۵۲	۵-۶-۵۲
۱۴۔	ملک محمد شفیع	۱۲-۱-۷۹	۱۲-۵-۷۹
۱۵۔	چوہدری محمد شفیع	۲-۶-۷۹	۲۱-۵-۸۰
۱۶۔	محمد سلیم خان	۲۱-۵-۸۰	۶-۸-۸۰
۲۱۔	امتیاز علی خاں	۶-۸-۸۰	۱۶-۵-۸۱
۱۸۔	محمد اصغر علی	۱۷-۵-۸۱	۷-۵-۸۴
۱۹۔	فیض محمد	۶-۸-۸۴	۹-۸-۸۵
۲۰۔	بشیر اختر ماہی	۱۰-۵-۸۵	۶-۶-۸۷
۲۱۔	بشیر احمد وشیر	۶-۶-۸۷	۹-۴-۸۸

۲۲-	محمد افضل	۴-۶-۸۸	۱۱-۶-۸۹
۲۳-	احمد حسن	۱۲-۶-۸۹	۱۸-۶-۹۳
۲۴-	محمد منور رندھارا	۱۹-۶-۹۳	۳۰-۷-۹۳
۲۵-	مسز فرحت سلیم	۱۰-۱۰-۹۳	۲۱-۱۲-۹۶
۲۶-	مس رفعت آرا	۲۱-۱۲-۹۶	۲۷-۱-۹۸

موجودہ ایجوکیشن آفیسر رشید احمد ۲۰ فروری ۱۹۹۸ء سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

بشیر احمد وثیر پسرور کے رہنے والے ہیں۔ بڑے دیانت دار اور فرض شناس آفیسر تھے' آپ نے جہاں جہاں بھی ملازمت کی' دیانت داری آپ کا نصب العین رہا۔

مسز فرحت سلیم قصور میں ڈی ای او تھیں۔ ۹ جولائی ۱۹۹۹ء کو قصور کے قریب سڑک کے حادثہ کا شکار ہو گئیں موقعہ پر ہی آپ جاں بحق ہو گئیں۔ مرحومہ ایک اچھی آفیسر تھیں' رائے ونڈ کی رہنے والی تھیں۔ آپ کے والد مرزا نیاز میراں بیگ ولد مرزا میراں بخش ریلوے میں ملازم تھے۔ نیاز میراں راقم کے والد ماجد سید تاج حسین کے پھوپھی زاد تھے فرحت سلیم اولاد سے محروم تھی۔

۸۵-۱۹۸۴ء میں اس شعبہ کی دو حصوں میں تقسیم عمل میں آئی۔ مردانہ اور زنانہ' ستمبر ۱۹۹۳ء میں سیکنڈری سے ایلمینٹری حصہ کو الگ کر دیا۔ ۱۹۷۹ء میں DEO کا دفتر موجودہ عمارت میں منتقل ہوا۔ گورنمنٹ ہائی سکول کے جنوبی کونے میں دفتر واقع ہے۔ ۱۹۷۴ء میں ڈسٹرکٹ انسپکٹر کی جگہ ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر کا عہدہ معرض وجود میں آیا تھا۔

تعلیمی اداروں کے سلسلہ میں سینی بار کا ہائی سکول خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کا ذکر پہلے کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد شیخوپورہ شہر کے قابل ذکر اسکولوں' کالجوں اور تربیت گاہوں کا ذکر ہے۔

گورنمنٹ ہائی سکول سینی بار

شاہ کوٹ اور ننکانہ صاحب روڈ پر ایک کلومیٹر دور یہ سکول موجود ہے۔ اس علاقہ میں چند چکوک ۷-۸-۹-۱۰-۱۱ سکھوں کے تھے۔ سینی (Saini) خاندان کے سکھ

یہاں رہتے تھے۔ انہوں نے مل کر ۱۹۲۶ء میں ایک درس گاہ قائم کی جو آج گورنمنٹ ہائی سکول سینی بار کے نام سے جانی جاتی ہے۔

سکول کی سلور جوبلی ۲۸-۲۹-۳۰ نومبر ۱۹۴۱ء کو منائی گئی تھی۔ اس موقعہ پر قرب و جوار چکوک کے سینی سکھ اور باہر سے بھی سینی سکھ جمع ہوئے تھے۔ حیثیت سے مطابق سب نے چندہ دیا۔ سکول کی عمارت میں چندہ دینے والے سکھوں کے نام کتبوں کی صورتوں میں محفوظ ہیں۔

کانفرنس میں ڈاکٹر بالی کرشن ماہر امراض چشم نے اپنے باپ چوہدری سندر داس کی یاد میں ۵۰۱ روپے چندہ میں دیئے۔ اسی طرح سردار جسونت سنگھ نے اپنی ماں شری بھاگ دیوی (وکات ۱۹۳۶) اور باپ سردار ٹھاکر سنگھ جی کی یاد میں ۵۰۲ روپے چندہ میں دیئے۔ سردار ٹھاکر سنگھ اس اسکول کے بانی تھے۔ ان کا انتقال دسمبر ۱۹۳۳ء میں ہوا تھا۔ ۵۰۱ روپے کا چندہ ڈاکٹر بھگت رام I M O میونسپل کمشنر بیکانیر نے اپنی ماں شری متی نندی دیوی جی اور چوہدری رادھا رام کی یاد میں دیا۔ ان کے علاوہ ۸۰ دوسرے سینی سکھوں نے چندہ دیا۔

ہر سال جب بھی سکھ ننکانہ صاحب میں آتے ہیں تو وہ اس اسکول میں بھی آتے ہیں۔ اسکول کے مین گیٹ میں قدم رکھنے سے قبل وہ یہاں کی خاک کو ماتھے پر لگاتے ہیں اور اس طرح اس درس گاہ کے تقدس و حرمت کا اظہار کرتے ہیں۔

۱۔ گورنمنٹ ہائی سکول شیخوپورہ

یہ سکول فروری ۱۸۸۷ء میں ایک پرائمری سکول کی شکل میں موجود تھا۔ جہلم کا سراج الاخبار ۷ فروری ۱۸۸۷ء کے شمارہ میں اس کی نشان دہی کرتا ہے۔ ۱۹۱۷ء میں اس کا نام ڈسٹرکٹ بورڈ پرائمری سکول تھا۔ طلباء کی تعداد یہ تھی۔

پہلی جماعت : ۲۷، دوسری : ۱۶، تیسری : ۲۱، چوتھی : ۱۴، پانچویں : ۱۰ کل ۸۸۔ پہلی جماعت دو حصوں پر مشتمل تھی Junior I Lower اور Senior I Lower قومیت کے لحاظ سے ہندو برہمن ۶ ہندو غیر برہمن ۲۸ مسلمان ۴۳ سکھ ۱۱۔ اساتذہ : چراغ دین ۱۵ روپے ماہوار، رام چند ۱۲ روپے اور دیوی دیال ۱۰ روپے ماہوار تنخواہ پاتے تھے۔ ۱۵ فروری ۱۹۱۹ء کو معائنہ کے دوران اس سکول کو انگلوورنیکلر مڈل سکول کے درجہ پر ترقی دینے کی

سفارش کی گئی۔ ۱۳ اگست ۱۹۱۹ء کی رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ۔

A Second House, A Part of the Local serai has been added to the old one meant for the Primary School.

۵ فروری ۱۹۲۰ء کو چھٹی جماعت کا اضافہ کو ہوا۔ نام ڈسٹرکٹ بورڈ مڈل سکول ہوا۔ اساتذہ کا اضافہ بھی ہوا۔ ایک اضافی جماعت بھی داخل کی گئی جس میں صرف انگریزی پڑھائی جاتی تھی۔ ہیڈ ماسٹر دھرم چند تھے۔ ۵۶ روپے مشاہرہ پاتے تھے' ۵ اپریل ۱۹۲۰ء کے معائنہ میں گورنمنٹ ہائی سکول کے قیام کے لئے جگہ کا انتخاب کرنا تھا' جگہ پسند کر لی۔ ۸۰۲ ایکڑ اراضی تھی۔ معائنہ میں اس بات کا مطالبہ کیا گیا کہ آٹھویں جماعت شروع کی جائے۔ ۲ ستمبر ۱۹۲۰ء کو سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور کے دولت رام لیکچرار سنسکرت خصوصی معائنہ کے لئے آئے۔ مقصد سکول میں سنسکرت اور ہندی زبان کی تعلیم جاری کرنا تھا۔ ۴ دسمبر ۱۹۲۰ء کو ساتویں' آٹھویں جماعت کا اضافہ ہوا۔ نام ڈسٹرکٹ بورڈ مڈل سکول ہوا۔ اساتذہ کی تعداد ۱۲ تھی۔ ۲۹ جولائی ۱۹۲۱ء کو یہاں سنسکرت اور فارسی پڑھائی جانے لگی' ان دونوں محکمہ تعلیم میں ڈاکٹر بھی ملازم ہوا کرتے تھے جو سکول کے طلباء کا طبی معائنہ کیا کرتے تھے۔ ۳ دسمبر ۱۹۲۱ء کو ڈاکٹر مہندر سنگھ ایم بی بی ایس میڈیکل انسپکٹر آف سکولز لاہور ڈویژن نے سکول کے لڑکوں کا طبی معائنہ کیا۔ ۱۸ مارچ ۱۹۲۲ کو ضلع شیخوپورہ کے ڈپٹی کمشنر نے یکم اپریل ۱۹۲۲ء کو سکول میں ہائی جماعتیں شروع کرنے کی محکمہ تعلیم کو سفارش کی۔ جنوری ۱۹۲۳ء میں ۳۵ طلباء کے ساتھ نویں جماعت شروع ہوئی۔ اس سال کی جولائی کے مہینے میں سکول کے لڑکوں نے ہڑتال کر دی۔ شہر کے ساہوکار سردار آتما سنگھ نے ۷ جولائی ۱۹۲۳ء کو ہڑتال ختم کرا دی۔

۱۹۲۳ء میں حکومت نے شیخوپورہ Plan کے نام سے گورنمنٹ ہائی سکولوں کی عمارتوں کا ایک نقشہ منظور کیا۔ مسٹر T.Y. Deman نے یہ نقشہ تیار کیا۔ اس کی خصوصیت یہ تھی کہ کم قیمت پر زیادہ کمرے بنائے گئے۔ ہال کو حذف کر دیا گیا۔ اس کی جگہ دو کمرے تعمیر کئے گئے۔ اس نقشہ کی شکل چوگوشہ تھی۔ نمونے کے طور پر ایک تو شیخوپورہ میں گورنمنٹ ہائی سکول کی عمارت اس نقشہ کی مطابق تعمیر کی گئی اور دوسری عمارت گورنمنٹ ہائی سکول فیروز پور کی تھی۔ اس عمارت میں ایک دوکان حلوائی کی تھی۔ فیروز

پور میں تو انسپکٹر آف سکولز نے حلوائی کی دوکان کو زیر تربیت اساتذہ کے لئے پرائمری اسکول کی عمارت کے طور پر استعمال کر لیا۔ شیخوپورہ میں اس دکان کو ۱۹۸۵ء کے لگ بھگ ڈھا کر سائیکل اسٹینڈ بنا دیا۔ ۲۱ جنوری ۱۹۲۳ء کو طلباء کی تعداد یہ تھی:

پہلی جماعت : ۸۶ ' دوسری : ۴۲' تیسری : ۲۸' چوتھی : ۲۹' پانچویں ۶۲: چھٹی: ۴۴ ' ساتویں: ۲۷' اور آٹھویں: ۳۸۔ مارچ ۱۹۲۴ء میں دسویں جماعت بن گئی۔ ۲۵ طلباء تھے۔ اس سال پرائمری حصہ کو الگ کر دیا اور یہاں پانچویں سے دسویں تک تعلیم دی جانے لگی۔ جماعتوں کی تعلیم اس طرح تھی۔ لوئر مڈل : ۵-۶ جماعت' اپر مڈل : ۷' ۸ اور ہائی : ۹' ۱۰ جماعت۔ ۱۹۲۸ء میں طلبا کو ہوسٹل کی سہولت مہیا کی گئی۔ گنجائش ۹۶ طلباء کی تھی۔ ۳۸ مارچ ۱۹۲۸ء کو ہوسٹل میں رہنے والے ۱۴ طلباء ہندو' ۱۵ مسلمان اور ۱۳ سکھ تھے۔ اس سال جے وی کی جماعت بھی موجود تھی اس میں ۱۵ ہندو ۲۳ مسلمان اور ۵ سکھ طلباء تھے۔ مارچ ۱۹۴۰ء میں طلباء کی تعداد پانچویں جماعت : ۱۳۲' چھٹی : ۱۰۹' ساتویں ۱۰۲' آٹھویں ۷۳' نویں ۱۱۵' دسویں ۸۴۔

۳۱-۱۹۳۰ء میں مشہور شاعر احمد ندیم قاسمی اس سکول کی دسویں جماعت میں داخل ہوئے۔ کیوں کہ آپ کے چچا پیر حیدر شاہ شیخوپورہ میں مجسٹریٹ تھے۔ سکول کے ہیڈ ماسٹر ن' م' راشد (نذر محمد راشد ۱۹۷۵ - ۱۹۱۰) کے والد ایم فضل الٰہی چشتی تھے۔ آپ ریاضی کے استاد تھے اور مئی ۱۹۳۳ء میں بطور ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکولز ملتان تشریف لے گئے تھے۔ ۱۹۳۱ء میں سنسکرت اور فارسی کے علاوہ پنجابی اور ہندی بھی پڑھائی جاتی تھی۔ جنوری ۱۹۳۳ء میں اسکول کے طلباء کے لئے چند وظائف بھی مخصوص تھے' وکٹوریہ اسکالر شپ ۴ روپے ماہوار ڈسٹرکٹ بورڈ اسکالر شپ ایک روپیہ' اوپن اسکالرشپ ۴ روپے' ماہوار۔

تقسیم ملک سے پہلے کے نتائج :

سن	پاس	فیل	فیصد
۱۹۳۱	۳۶	۲۸	۵۶٪
۱۹۳۲	۳۵	۲۱	۶۳٪
۱۹۳۳	۴۰	۱۳	۷۵٪
۱۹۳۴	۲۵	۲۲	۵۸٪
۱۹۳۹	۳۹	۱۲	۷۵

آزادی وطن کے بعد مسلم مہاجرین کی آمد کی وجہ سے اسکول پر بڑا بوجھ پڑا۔ شہر کے معززین نے پرائیویٹ ہائی سکول قائم کر کے اس بوجھ کو کم کیا۔ ۱۹۹۹ء میں طلباء کی تعداد ۲۳۰۰۔ سکول میں اول آنے والے میٹرک کے چند طلباء:

سن	نام	نمبر
۱۹۹۱	نوید اشرف صدیقی	۷۴۷
۱۹۹۲	افتخار احمد	۷۶۵
۱۹۹۳	غلام رسول	۷۶۲
۱۹۹۴	محمد عدنان مرزا	۷۲۲
۱۹۹۵	فواد اکرم	۷۶۴
۱۹۹۶	محمد شکیل	۷۴۷
۱۹۹۷	محمد سلیم	۷۶۱
۱۹۹۸	شیخ محمد اسد	۷۳۸

۶۸ - ۱۹۶۷ء میں یہاں ایک ورکشاپ قائم ہوئی۔ اس کے لئے ۳ کمرے تعمیر کئے گئے۔ دسمبر ۱۹۸۹ء میں تعداد اساتذہ: ۶۲، درجہ سوم کے کلرک ۳ اور ملازمین درجہ چہارم ۱۰۔

ہیڈ ماسٹر صاحبان کے نام:

۱۔ لالہ وشنوداس	مئی ۱۹۲۴	اپریل ۱۹۲۷ء
۲۔ لالہ جگدیش سہائے	مئی ۱۹۲۷	دسمبر ۱۹۳۰ء
۳۔ ایم فضل الٰہی چشتی	جون ۱۹۳۱	اپریل ۱۹۳۳ء
۴۔ چوہدری سردار علی	مئی ۱۹۳۳	نومبر ۱۹۳۵ء
۵۔ مفتی عبدالمجید	دسمبر ۱۹۳۵	اکتوبر ۱۹۳۷ء
۶۔ چوہدری محمد صادق	نومبر ۱۹۳۷	اکتوبر ۱۹۳۸ء
۷۔ بشیر حسین ضیائی	نومبر ۱۹۳۸	نومبر ۱۹۴۲ء

۸۔ الفریڈ ایم ڈولہ	دسمبر ۱۹۴۲	اپریل ۱۹۴۴ء
۹۔ سردار بلراج سنگھ	مئی ۱۹۴۴	اگست ۱۹۴۷ء
۱۰۔ محمد اقبال صانی	ستمبر ۱۹۴۷	اگست ۱۹۵۵ء
۱۱۔ بشیر احمد شبلی	ستمبر ۱۹۵۵	نومبر ۱۹۵۷ء
۱۲۔ محمد رفیق خواجہ	نومبر ۱۹۵۷	ستمبر ۱۹۶۸
۱۳۔ محمد انور جنجوعہ	دسمبر ۱۹۶۸	مارچ ۱۹۷۱
۱۴۔ سید محمد کاظم حسین	اپریل ۱۹۷۱	اکتوبر ۱۹۷۱
۱۵۔ محمد رمضان علی	اکتوبر ۱۹۷۱	فروری ۱۹۷۲
۱۶۔ ملک گلزار احمد	فروری ۱۹۷۲	جنوری ۱۹۷۴
۱۷۔ محمد اصغر چیمہ	فروری ۱۹۷۴	جولائی ۱۹۷۴
۱۸۔ خواجہ عبدالحفیظ	جولائی ۱۹۷۴	جولائی ۱۹۷۶
۱۹۔ میاں عبدالرحمٰن	جون ۱۹۷۶	جون ۱۹۷۷ء
۲۰۔ سید نجم نعمانی سبزواری	جون ۱۹۷۷	مئی ۱۹۷۹ء
۲۱۔ سید نبی حسن خیال	مئی ۱۹۷۹	جون ۱۹۷۹ء
۲۲۔ میاں آفتاب احمد	جون ۱۹۷۹	اپریل ۱۹۸۰ء
۲۳۔ محمد سلیم خان	اپریل ۱۹۸۰	جون ۱۹۸۰
۲۴۔ ملک غلام حسین	جون ۱۹۸۰	دسمبر ۱۹۸۰ء
۲۵۔ چوہدری عبدالرشید	دسمبر ۱۹۸۰	مئی ۱۹۸۱ء
۲۶۔ سید نجم نعمانی	مئی ۱۹۸۱ء	جون ۱۹۸۱ء
۲۷۔ ملک غلام حسین	جون ۱۹۸۱	۹.۲.۸۲
۲۸۔ بشیر احمد اختر	۱۲.۲.۸۲	۹.۳.۹۳
۲۹۔ محمد بشیر کھوکھر	۱۰.۳.۹۳	۳.۳.۹۴
۳۰۔ لیاقت علی لون	۳.۳.۹۴	۹.۴.۹۴
۳۱۔ محمد بشیر کھوکھر	۲۰.۴.۹۴	۳۱.۳.۹۵
۳۲۔ محمد عالم وڑائچ	۲.۴.۹۵	۱۴.۴.۹۸

۴۳- میاں عبدالغفور کاہلوں ۲۸ اپریل ۱۹۹۸ء سے خدمات انجام دے رہے ہیں-

راقم کے دو بیٹوں ضیاء محمود اور فیصل محمود نے اسی سکول میں تعلیم حاصل کی ہے-

۲- طارق ہائی سکول

اس درس گاہ کی ابتدا اپریل ۱۹۵۰ء میں ہوئی- پہلے ہیڈماسٹر چوہدری نذیر احمد تھے' گورنمنٹ ہائی سکول میں طلباء کے تعداد بہت زیادہ ہو گئی تھی- مزید طلباء کو داخلہ نہیں مل رہا تھا- اس لئے شہر کے معززین نے ایک نئ تعلیمی ادارہ کے قیام کی ضرورت محسوس کی- اکیس افراد پر مشتمل ایک انجمن قائم ہوئی- نام انتظامیہ طارق ہائی سکول تھا- اس کے چند اراکین یہ ہیں- ملک محمد انور ایڈووکیٹ' چوہدری عبدالغنی ایڈووکیٹ' حاجی محمد علی' منظور حسین گجر' چوہدری سلطان علی گجر' رانا سعید احمد' شیخ محمد حسین اقبال بوٹ ہاؤس والے' حاجی سراج دین' شیخ ابراہیم' عمر حیات خان پور والے اور چوہدری محمد شریف- ابتدائی دس سالوں میں سکول کے اخراجات انجمن کے اراکین اور سکول کے اساتذہ شہر سے عیدالاضحی کے موقع پر کھالیں جمع کر کے پورے کئے جاتے تھے- حکومت نے جب ملک کے تمام تعلیمی اداروں کو اپنی تحویل میں لیا تو سکول کی مالی پریشانیاں ختم ہوئیں اور یہ اسکول حکومت کی نگرانی میں چلا گیا-

محکمہ بحالیات نے سکول کی عمارت کے لئے پچاسی ہزار مالیت کی دو کوٹھیاں الاٹ کیں- ۷۶ - ۱۹۷۵ء میں سکول کو ان کے ملکیتی حقوق ملے- رقبہ تقریبا" بیس کنال ہے-

پہلے سال ہی سے سکول میں ہائی درجہ تک تعلیم دی جانے لگی تھی- ۱۹۵۱ء میں یہاں کے طلباء نے پہلی بار پنجاب یونیورسٹی کے تحت میٹرک کا امتحان دیا- محمد نیاز نے ۵۶۶ نمبر حاصل کر کے سکول میں پہلی پوزیشن حاصل کی- اس سال کے بعد اول آنے والے طلباء:

سن	نام	حاصل کردہ نمبر	وظیفہ
۱۹۵۲ء	سید کاظم حسین	۴۵۲	---
۱۹۵۳ء	سید زاہد حسین	۶۵۷	وظیفہ
۱۹۵۴	محمد اسحاق	۵۲۶	---

۱۹۵۵	عالم گیر	۶۸۰	وظیفہ
۱۹۵۶	محمد عاشق	۷۰۱	وظیفہ گریڈ ۱۹ سے ملیاں کلاں کے سکول سے بطور ہیڈ ماسٹر ۱۳ مئی ۱۹۹۹ کو ریٹائر ہوئے۔
۱۹۵۷	محمد رشید	۶۲۹	
۱۹۵۸	حبیب اللہ	۶۱۴	----
۱۹۵۹ء	محمد لطیف	۶۸۰	---
۱۹۶۰	نذیر حسین	۷۵۹	(حال پروفیسر فلسفہ گورنمنٹ کالج شیخوپورہ)
۱۹۶۱	رانا محمد صادق	۶۹۴	---
۱۹۶۲	انور سعید	۷۴۱	وظیفہ
۱۹۶۳	محمد جمیل خان	۶۶۷	---
۱۹۶۴	ظفر اقبال	۷۳۱	وظیفہ
۱۹۶۵	محمد انور	۶۷۵	وظیفہ کیمیکل انجینئر ہیں۔
۱۹۶۶	محمد بشیر	۶۷۶	وظیفہ
۱۹۶۷	عبدالمجید	۶۲۱	---
۱۹۶۸	مہر محمد رمضان	۵۹۴	---
۱۹۶۹	محمد ادریس	---	
۱۹۷۰	لیاقت علی	۵۹۶	---
۱۹۷۱	محمد آصف	۷۱۰	وظیفہ ملازم ڈاکٹر عبدالقدیر خان اٹامک انرجی سنٹر
۱۹۷۲	امانت علی	۶۴۱	--
۱۹۸۸	اویس بٹ	۶۸۲	--
۱۹۹۱	حافظ مظہر السلام	۷۲۵	---
۱۹۹۶	حافظ سمیع اللہ	۶۷۹ سائنس	---
۱۹۹۸	منور حسن شاہد	۶۳۳	---

چند سالوں کے لاہور بورڈ کے میٹرک کے نتائج:

۱۹۹۵	۷۵ فیصد
۱۹۹۶	۷۹ فیصد
۱۹۹۷	۷۸ فیصد
۱۹۹۸	۶۸ فیصد

ہیڈ ماسٹر صاحبان کے نام و ادوار:

۱۔ چوہدری نذیر احمد	اپریل ۱۹۵۰	مئی ۱۹۵۰
۲۔ راجہ فضل الٰہی	جون ۱۹۵۰	اپریل ۱۹۵۱
۳۔ شیخ محمد عبیداللہ	مئی ۱۹۵۱	نومبر ۱۹۵۱
۴۔ چوہدری نذیر احمد	دسمبر ۱۹۵۱	اگست ۱۹۵۲
۵۔ خان غلام اکبر خان	اکتوبر ۱۹۵۲	مئی ۱۹۵۵
۶۔ سید عبدالمجید شاہ	مئی ۱۹۵۵	جنوری ۱۹۵۸
۷۔ میر محمد عبداللہ	فروری ۱۹۵۸	نومبر ۱۹۶۱
۸۔ خان غلام اکبر خان	نومبر ۱۹۶۱	دسمبر ۱۹۶۳
۹۔ نصیر احمد قریشی	دسمبر ۱۹۶۳	اگست ۱۹۶۵
۱۰۔ خان غلام اکبر خان	ستمبر ۱۹۶۵	ستمبر ۱۹۶۸
۱۱۔ علاؤالدین بھٹی	اکتوبر ۱۹۶۸	دسمبر ۱۹۸۶
۱۲۔ حاجی چوہدری محمد نواز	دسمبر ۱۹۸۶	مارچ ۱۹۹۳
۱۳۔ چوہدری محمد منور ورک	۸ مارچ ۱۹۹۳	۲۶ ستمبر ۱۹۹۴
۱۴۔ مشتاق احمد رشید	۲۷ ستمبر ۱۹۹۴	۲۶ دسمبر ۱۹۹۷
۱۵۔ چوہدری محمد منیر ورک	۲۹ دسمبر ۱۹۹۷ء	

سکول کا ایک خوب صورت کتب خانہ ہے جس میں ڈیڑھ ہزار کتب ہیں۔

طارق ہائی سکول کے ابتدائی دور کے ایک انگریزی کے استاد عبدالرشید کا ذکر کیا جاتا ہے جنہوں نے انگریزی میں ایم اے کرنے کے بعد بطور پروفیسر محکمہ تعلیم میں خدمات انجام دیں۔

عبدالرشید

کھوکھر زمیندار گھرانہ سے تعلق ہے آپ کے والد نور الٰہی ولد شہاب الدین ولد غلام مرتضٰی موضع وزیرا ضلع شیخوپورہ کے رہنے والے تھے۔ عبدالرشید ۱۵ دسمبر ۱۹۲۲ کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۸ء میں میٹرک کیا۔ اس سے قبل ۱۹۴۶ میں منشی کا امتحان پاس کر چکے تھے اس سال کے آخر میں مانا نوالا کے سکول میں فارسی کے استاد مقرر ہو گئے۔ خانقاہ ڈوگراں کے سکول میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں۔ یہیں میٹرک کی انگریزی کا امتحان پاس کر کے میٹرک کی سند حاصل کی۔ ۱۹۵۳ء میں طارق ہائی سکول شیخوپورہ میں ۱۲۰ روپیہ ماہوار پر انگریزی پڑھانے پر مامور ہوئے۔ پرائیویٹ انٹرمیڈیٹ' ۱۹۵۴ میں بی اے اور ۱۹۶۴ء میں ایم اے کیا۔ اس کے بعد ۱۹۶۴ میں دیال سنگھ کالج لاہور میں انگریزی کے لیکچرار مقرر ہو گئے۔ ۱۹۷۸ سے ۱۹۸۲ تک اسلامیہ کالج کامرس لاہور میں ملازمت کی' اسی کالج سے آپ ۱۴ دسمبر کو ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔

سبکدوشی کے بعد شیخوپورہ میں رہائش اختیار کی' کیوں کہ یہیں آپ کی رہائش گاہ تھی۔ اولاد میں تین [illegible] فسر مشتاق احمد ملک' اشفاق احمد اور اشتیاق احمد ہیں۔ عبدالرشید ملک نے ۲ مارچ ۱۹۹۹ کو [illegible]خوپورہ میں وفات پائی۔

۳۔ لیاقت میموریل ہائی اسکول

چوہدری عبدالغنی ایڈووکیٹ شیخوپورہ نے دوسرے احباب کے ساتھ مل کر ایک ایجوکیشن سوسائٹی قائم کی۔ اس سوسائٹی کے زیر اہتمام شیخوپورہ میں ۱۹۵۳ء میں شہید ملت لیاقت علی خان کی یاد میں یہ درس گاہ قائم کی۔ یہاں چھٹی جماعت سے دسویں جماعت کے طلباء کو تعلیم دی جاتی ہے۔ سکول کے اخراجات شہر سے قربانی کی کھالیں جمع کر کے پورے

کئے جاتے تھے۔ ابتدا میں اساتذہ کو بہت کم تنخواہ میں دی جاتی تھیں۔ موسم گرما کی تعطیلات ہونے پر اساتذہ کو ڈسچارج کر دیا جاتا تھا۔ تعطیلات ختم ہونے پر دوبارہ ملازم رکھ لیا جاتا تھا۔ بعد میں مالی حالات اچھا ہونے پر سرکاری گریڈ کے مطابق تنخواہیں دی جانے لگیں۔ ابتدائی چار پانچ ماہ اسکول پرانا شہر میں رہا۔ پھر کھر محلہ میں منتقل ہو گیا۔ اس محلہ میں سیاسی مخالفت شروع ہو گئی ۱۹۵۵ میں موجودہ جگہ پر منتقل ہوا۔ ابتداء میں یہاں دو کمرے تعمیر کر کے تدریس کا آغاز ہوا۔ ان دنوں اکبر خاں ہیڈ ماسٹر تھے۔ ۱۹۵۸ء میں فیصل آباد کے سید عبدالمجید شاہ بخاری بطور ہیڈ ماسٹر یہاں تشریف لائے۔ آپ نے اس درس گاہ کی ترقی کے لئے بڑی تگ و دو کی۔ مالی لحاظ سے اسے اپنے پاؤں پر کھڑا کیا۔ ۵ فروری ۱۹۵۸ء کو یہ ہائی سکول منظور ہوا۔ طلباء کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ تھی اور تعداد اساتذہ ۱۲۔ ۱۹۶۶ میں میٹل ورک یہاں شروع ہوا۔ آپ ہی کے دور میں ۱۹۶۸ء میں یہاں ایک لائبریری کا قیام عمل میں آیا۔ اسی سال کامرس گروپ کے طلباء کو یہاں تعلیم دی جانے لگی۔ محمد اشرف پال اور میاں شیخ ظہور احمد اس اسکول کی دام درمے مدد کرتے رہتے تھے۔ غریب اور نادار طلباء کو سکول کی وردی اور کتب کاپیاں خرید کر دیتے تھے۔

سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحبان اور ان کے قیام کا دورانیہ:

۱۔ سید عبدالمجید شاہ	۵ فروری ۱۹۵۸	۳۰ ستمبر ۱۹۷۲
۲۔ غلام محمد بھٹی	یکم اکتوبر ۱۹۷۲	۱۶ اگست ۱۹۷۷
۳۔ بشیر احمد باجوہ	۱۷ اگست ۱۹۷۷	۱۶ نومبر ۱۹۷۷
۴۔ چوہدری حیات محمد	۱۷ نومبر ۱۹۷۷ء	۲۶ دسمبر ۱۹۷۹ء
۵۔ شیخ عاشق حسین	۲۷ دسمبر ۱۹۷۹	۲۹ دسمبر ۱۹۷۹ء
۶۔ وسیم	۳۰ دسمبر ۱۹۷۹	۵ فروری ۱۹۸۰ء
۷۔ سید خالق حسین شاہ	۶ فروری ۱۹۸۰	۱۰ اکتوبر ۱۹۸۴ء
۸۔ چوہدری محمد عاقل	۱۱ اکتوبر ۱۹۸۴	۱۷ اگست ۱۹۸۵ء
۹۔ حاجی مشتاق	۸ اگست ۱۹۸۹ء	۴ اگست ۱۹۸۹
۱۰۔ میاں آفتاب احمد	۵ اگست ۱۹۸۹ء	۱۸ نومبر ۱۹۹۱ء
۱۱۔ چوہدری محمد علی	۱۹ نومبر ۱۹۹۱	یکم جون ۱۹۹۲ء

۱۲۔ محمد بشیر کھوکھر	۲ جون ۱۹۹۲	۹ مارچ ۱۹۹۳ء
۱۳۔ فیض رسول مہر	۳۰ مارچ ۱۹۹۳	۲۷ دسمبر ۱۹۹۵ء
۱۴۔ محمد عطا اللہ	۲۷ دسمبر ۱۹۹۵ء	

تعداد وطلباء:

۱۹۹۵	۵۴۰
۱۹۹۶	۱۱۵۰
۱۹۹۷	۱۲۰۰
۱۹۹۸	۱۰۰۰
۱۹۹۹	۱۱۰۰

تعداد اساتذہ ۳۷۔ سکول کا رقبہ تقریباً" ۱۱ کنال ہے۔

جامع ہائی سکول شیخوپورہ کے پرنسپل عاشق حسین جعفری اسی درس گاہ کے قدیم طالب علم ہیں۔

عبدالغفور خلیق:

خیر الدین ولد میر بخش کے لڑکے موضع بوہڑوالہ ریلوے اسٹیشن فتح گڑھ چوڑیاں ضلع امرت سر کے رہنے والے۔ ۱۴ مئی ۱۹۴۰ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۶ء میں مانانوالہ سے میٹرک کیا انگریزی' فارسی' اردو اور عربی میں ایم اے کے امتحانات پاس کئے فاضل عربی اور ایم ایڈ کی اسناد بھی حاصل کیں۔ ۲۱ اگست ۱۹۶۳ کو لیاقت ہائی سکول میں مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۹۸۶ء میں جنڈیالہ شیرخان اور ۱۹۸۷ء کو بطور ایس ایس ٹی اجنیانوالہ میں تقرری ہوئی' مصنف: شیطان کی حقیقت (کتابچہ)۱۹۸۹ء ص ۹۴۔

۴۔ اسلامیہ ہائی سکول

یہ سکول یکم اپریل ۱۹۶۸ء کو قائم ہوا۔ اس کے قیام کے موقعہ پر جدید انجمن اسلامیہ شیخوپورہ قائم کی گئی تھی۔ مذکورہ انجمن کے صدر پرانا شہر کے تھے۔ اور اراکین ملک انور علی'محمود شوکت' شیخ محمد اکبر' محمد اسحاق' محمد صدیق اور عبدالمجید تھے۔ ابتدا ہی سے

چھٹی جماعت سے دسویں جماعت تک طلبا کو تعلیم دی جانے لگی تھی۔ شروع شروع میں ۱۵۰ طلباء داخل ہوئے۔ ۱۹۶۹ء میں یہاں کے طلباء نے پہلی بار لاہور بورڈ کے تحت میٹرک کا امتحان دیا۔ سکول کے پہلے ہیڈ ماسٹر محمد اسحاق تھے۔

دوسرے ہیڈماسٹر صاحبان کے نام اور ان کا قیام:

ملک انور علی	۱۹۶۹ء	اگست ۱۹۸۵ء
میاں اولاد حسین	اگست ۱۹۸۵ء	ستمبر۱۹۸۶ء
بشیر احمد باجوہ	نومبر۱۹۸۶ء	۱۷ جنوری ۱۹۹۶ء
ملک محمد انور علی	۱۸ جنوری ۱۹۹۶ء	یکم جولائی ۱۹۹۶ء
چوہدری عبدالغفور	۷ جولائی ۱۹۹۶ء	۲۷ اپریل ۱۹۹۸ء
میاں محمد اشرف	۳۰ اپریل ۱۹۹۸	تاحال

تعداد طلبا ۱۹۹۰ میں ۱۰۳۰ جبکہ ۱۹۸۶ء میں ۶۷۸ تھی اور ۱۹۸۸ میں ۹۷۰ ۱۹۹۹ء میں طلباء ۱۱۵۰ ہیں۔ سکول میں اول آنے والے طلباء:

خلیل احمد	۱۹۹۲	۶۰۶ نمبر
محمد آصف بٹ	۱۹۹۳	۶۰۱
محمد نعیم	۱۹۹۴	۶۴۳
محمد اشرف	۱۹۹۵ء	۶۵۶
طارق بن یوسف	۱۹۹۶	۶۸۶
فرید احمد طور	۱۹۹۷	۷۳۶
قیصر محمود	۱۹۹۸	۶۶۱

اسکول ایک نئی عمارت میں منتقل ہوا ہے۔ ۳۰ مارچ ۱۹۹۵ء کو نئی عمارت کا افتتاح وزیر اعلیٰ پنجاب نے کیا تھا۔ رقبہ ۱۵ کنال ۱۵ مرلے ہے۔ ریونیو بورڈ نے قطعہ راضی دیا ہے۔

۵- جامع ہائی سکول

اس درس گاہ کی ابتدا یکم اپریل ۱۹۷۱ء کو ہوئی- چھٹی جماعت اور آٹھویں جماعت سے اس کا آغاز ہوا- گورنمنٹ ہائی سکول کے ہوسٹل میں جہاں اُن دنوں ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر کا دفتر ہے' میں یہ سکول شروع ہوا تھا- محمد انور جنجوعہ ہیڈ ماسٹر تھے- نومبر ۱۹۷۳ء میں اسکول اپنی نئی شدہ عمارت میں منتقل ہوا- ۱۹۷۴ء میں پہلی بار یہاں کے طلباء نے لاہور بورڈ کے تحت میٹرک کا امتحان دیا- منظور احمد ۶۷۴ نمبر حاصل کر کے سکول میں اول رہا- اب تک اعزاز حاصل کرنے والے طلباء:

۱۹۷۵ء	اقبال سعید	۶۹۶	
۱۹۷۶	سید عزیز الرحمٰن	۷۴۵	
۱۹۷۷	اختر حسین	۷۶۳	بھکر میں A C تھے۔
۱۹۷۸	شاہد مسعود ہاشمی	۷۱۵	
۱۹۷۹	محمد رضا	۶۹۵	
۱۹۸۰	ہمایوں صدیق	۶۷۹	
۱۹۸۱	اسد ظہور	۷۴۳	
۱۹۸۲	عرفان احمد	۷۰۲	
۱۹۸۳	ثاقب اقبال	۷۳۸	
۱۹۸۴	اسد حسین ملک	۶۶۸	
۱۹۸۵ء	محمد افضل باجوہ جنرل	۷۰۹	لاہور بورڈ میں اول گولڈ میڈل اور تمغہ قائداعظم
۱۹۸۵ء	احمد عرفان وانی' سائنس	۷۱۷	
۱۹۸۶ء	حافظ طاہر محمود جنرل	۶۸۴	قومی تمغہ ذہانت' سلور میڈل
۱۹۸۶	محمد اسحاق جنرل	۷۲۱	لاہور بورڈ میں دوم
۱۹۸۶	محمد اکبر علی	۷۰۰	قومی تمغہ ذہانت سول میڈل
۱۹۸۶	محمد طارق صدیق	۷۲۹	
۱۹۸۷	ارشد حسین ملک	۷۰۷	

۱۹۸۸	کاشف رضا کاظمی	۷۰۸
۱۹۹۱	عاطف رضا کاظمی سائنس	جعفر حسین آرٹس گروپ
۱۹۹۲	کاشف حسین	زاہد محمود
۱۹۹۳	عین الحق	محمد منیر
۱۹۹۴	عبدالناصر	ناصر جمیل
۱۹۹۵	زاہد شیر خان	----
۱۹۹۶	قمر مجید	ساجد علی
۱۹۹۷	محمد سعید صدیق	وقاص چوہدری
۱۹۹۸	حسین شاہ	محمد عرفان

ہیڈ ماسٹر صاحبان:

۱۔ محمد انور جنجوعہ	یکم اپریل ۱۹۷۱	۱۰ جون ۱۹۷۳
۲۔ میر محمد اسحاق	۱۱ جون ۱۹۷۳	۱۴ نومبر ۱۹۷۳
۳۔ میاں محمد گلزار بھٹی	۱۵ نومبر ۱۹۷۳	۱۸ مارچ ۱۹۷۵
۴۔ سید منظور حسین جعفری	۳۱ مئی ۱۹۷۵	۱۶ جنوری ۱۹۷۶
۵۔ ملک اے بی اصغر خاں	۱۱ مارچ ۱۹۷۶	۷ فروری ۱۹۷۸
۶۔ چوہدری فیض الرحمٰن	۲۵ فروری ۱۹۷۸	۲۲ جنوری ۱۹۸۰
۷۔ اللہ وسایا شیخ	۲۳ جنوری ۱۹۸۰	۳۱ مئی ۱۹۸۰
۸۔ قاضی مقصود احمد	۲۳ جولائی ۱۹۸۰	۱۰ مئی ۱۹۸۱
۹۔ مفتی سعید احمد	۱۹ مارچ ۱۹۸۱	۱۶ مئی ۱۹۸۲
۱۰۔ ملک محمد نواز	۲۰ مئی ۱۹۸۲	۲ جولائی ۱۹۸۴
۱۱۔ چوہدری محمد انور	۳ جولائی ۱۹۸۴	۴ دسمبر ۱۹۸۴
۱۲۔ خواجہ محمد انور	۵ دسمبر ۱۹۸۴	۳۱ جون ۱۹۸۸
۱۳۔ سید نجم نعمانی سبزواری	۲۵ اپریل ۱۹۸۹	۲۳ اپریل ۱۹۹۰
۱۴۔ چوہدری محمد انور	۶ جون ۱۹۹۰	۳۱ مارچ ۱۹۹۴

۱۵- چوہدری نذیر احمد ۳ اپریل ۱۹۹۴ ۱۸ اگست ۱۹۹۷

۱۶- عاشق حسین جعفری ۱۸ اگست ۱۹۹۷

طلباء کی تعداد ۱۹۹۶ : ۱۰۴۵ ' ۱۹۹۷ : ۱۱۰۰ ' ۱۹۹۸ : ۱۲۴۵ ' ۱۹۹۹ : ۱۲۶۴-

نجم نعمانی سبزواری :

خاندان مساوات سے تعلق ہے- تعلیمی قابلیت ایم-اے اسلامیات' اردو' فارسی ایل-ایل-بی ایم-ایڈ- ۱۹۶۵ء میں محکمہ تعلیم میں بطور ایس ایس ٹی ملازم ہوئے- اردو میں شعر کہتے ہیں' امیر مینائی کے شاگرد و شمس مینائی امرتسی سے تلمذ حاصل ہے- پرنسپل جامع ہائی سکول شیخوپورہ رہ چکے ہیں-۲۶ مئی ۱۹۹۹ء کو حرکت قلب بند ہو جانے سے چل بسے-

رانا اکرام الحق :

اس درس گاہ میں اگست ۱۹۷۱ء سے نومبر ۱۹۷۶ء تک استاد رہے ہیں- آپ کے والد ماجد میاں فقیر اللہ ولد عزیز الدین پسرو کے رہنے والے ہیں- رانا صاحب ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو پیدا ہوئے- مرے کالج سیالکوٹ سے ۱۹۵۹ء میں بی-اے اور سندھ یونیورسٹی جام شورو سے ۱۹۶۲ء میں ایم ایس سی فزکس کیا- کمیشن کے ذریعہ لیکچرار فزکس منتخب ہوئے اور گورنمنٹ انٹر کالج جہلم میں یکم اکتوبر ۱۹۶۲ء کو ڈیوٹی لی- کالج کیڈر چھوڑ کر کمیشن کے ذریعہ ماہر مضمون کی حیثیت سے منتخب ہوئے اور ۱۰ جولائی ۱۹۶۹ء کو ایلمنٹری ٹیچرز ٹریننگ کالج لاہور میں ڈیوٹی لی- اکتوبر ۱۹۹۷ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے-

۶- گورنمنٹ ویکشنل انسٹی ٹیوٹ برائے طلباء

اس فنی ادارے کی تعمیر کا آغاز ۱۹۷۰ء میں ہوا- کلاسوں کا آغاز ۱۹۷۲ء میں ہوا- شروع شروع میں الیکٹریشن اور کارپینٹری کی تربیت کا آغاز ہوا- اگلے برس جنرل فٹر ڈرافٹس مین ویلڈر پلمبر کی تربیت دی جانے لگی- ۱۹۸۵ میں ٹرنر' ریڈیو اور ٹی وی کی تربیت شروع ہوئی- اس سال طلباء کے لئے ہوسٹل کی سہولت مہیا ہوئی- صبح کے وقت دو سالہ کورس الیکٹریشن ' ریڈیو' ٹیلی ویژن اور مکینکل اور پچھلے پہر ایک سال مدت کے کورس کرائے جاتے ہیں- داخلہ کے لئے بنیادی تعلیم ریڈیو' ٹی وی' ڈرافٹس مین' الیکٹریشن اور

کمینکل کے لئے میٹرک ہے اور ٹرنر' پلمبر اور ویلڈر کے لئے مڈل پاس بیس فیصد طلبا کو ۳۰ روپے ماہوار وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔

انسٹی ٹیوٹ کا سربراہ پرنسپل ۱۸ BS کا ہوتا ہے۔ جو ڈگری یافتہ ہوتا ہے یا ڈپلومہ ہولڈر۔ دنوں شفٹوں کے لئے الگ الگ اسٹاف ہے۔ دو چیف ٹریڈ انسٹرکٹر سکیل ۱۷' سینئر ٹریڈ انسٹرکٹر ۱۰ سکیل ۱۲ اور ٹریڈ انسٹرکٹر ۱۵ اسکیل ۱۴ پر مشتمل سٹاف ہے۔ موجودہ ادارہ ایک سو کنال اراضی پر مشتمل ہے۔

۷۔ گورنمنٹ کمرشل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ

۲۰ جولائی ۱۹۶۸ء کو یہ تربیتی ادارہ قائم ہوا۔ پہلے پرنسپل میاں علی حسن مظفر تھے۔ ۱۹ اکتوبر ۱۹۶۹ء تک آپ کو یہاں کام کرنے کا موقعہ ملا۔ آج کل چوہدری جاوید محمود ناگرا ۱۸ مئی ۱۹۹۴ء سے بطور پرنسپل خدمات انجام دے رہے ہیں۔ یہاں طلباء کو ڈی کام کی تعلیم و تربیت دی جاتی ہے۔ طلباء کی تعداد صبح و شام دو دو سو کی ہے۔ اساتذہ ۲۵ ہیں۔

اس ادارہ میں محمد اشفاق ورک اردو زبان و ادب کے استاد ہیں۔ آپ طنزو مزاح کا صاف ستھرا ذوق رکھتے ہیں۔ اخبار میں قلمی دشمنی کے عنوان سے کالم لکھتے ہیں۔ ایک دوسرے انسٹرکٹر خالد ندیم اردو مختصر نویسی کی تربیت دیتے ہیں۔ آپ تحقیق کا ذوق رکھتے ہیں۔

۸۔ جوہر کالج

تقسیم ملک کے بعد ہندوستان سے ہجرت کرنے والے ایک شخص چوہدری عطاء محمد ولد چراغ دین ولد محمد عیدا نے شیخوپورہ میں جوہر کالج کھولا۔ اس میں طلباء کو اسنہ شرقیہ کی تعلیم دے کر پرائیویٹ میٹرک' انٹرمیڈیٹ اور بی۔اے کرایا جاتا تھا۔ مولانا محمد غوث اور ماسٹر عبدالحق آپ کے رفقاء کار تھے۔ حکومت نے پرائیویٹ امتحان دینے پر سے جب پابندی اٹھالی تو یہ تعلیمی ادارہ بند ہوگیا۔

چوہدری عطا محمد کی تعلیمی قابلیت منشی فاضل تھی۔ آپ کی تاریخ پیدائش ۲۰ مارچ

۱۹۲۰ء اور تاریخ وفات ۲ مئی ۱۹۸۴ ہے۔ آپ کے صاحبزادے خالد رسول راوی روڈ کالج لاہور میں اردو کے پروفیسر ہیں۔

۹۔ گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج شیخوپورہ

اس کا دوسرا نام گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول تھا۔ جون ۱۹۵۷ء میں یہ درس گاہ قائم ہوئی۔ پہلے پرنسپل عزیز احمد شیخ ایم اے لندن تھے۔ ۸ ستمبر ۱۹۵۹ تک آپ خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ لاہور کے مشہور وکیل شیخ گلاب دین کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کے بعد

کیپٹن ایم آر طوسی	۱۴ ستمبر ۱۹۵۹ء	۲۶ ستمبر ۱۹۶۱ء
خواجہ محمد عبدالوحید	۲۶ ستمبر ۱۹۶۱	۲۲ جولائی ۱۹۶۳ء
ایم اے غنی چوہان	یکم اکتوبر ۱۹۶۳	۱۰ فروری ۱۹۷۰ء
مسعود شوکت ملک	۱۱ فروری ۱۹۷۰	۳۰ اگست ۱۹۷۱ء

کالج میں مخلوط تعلیم رائج تھی۔ ۱۹۶۸ء میں جب گرلز کالج الگ قائم ہوا تو لڑکیوں کے داخلہ کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اسٹیڈیم کے قریب میں جہاں ان دنوں گورنمنٹ کالج برائے خواتین ہے' دھوبی گھاٹ ہوا کرتا تھا۔ بعد میں یہاں میلہ مویشیاں ہونے لگا ڈسٹرکٹ بورڈ یہ میلہ کراتا تھا۔ محکمہ تعلیم نے یہ جگہ حاصل کر کے گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول کی عمارت تعمیر کی۔ افتتاح چوہدری علی اکبر خاں وزیر تعلیم حکومت پاکستان نے ۲۱ فروری ۱۹۵۵ء کو کیا' لیکن انٹر کالج میں کلاسوں کا اجراء ستمبر ۱۹۵۷ء میں میں ہوا تھا۔ ۱۹۵۹ء میں یہاں کے طلباء نے جب لاہور بورڈ میں انٹرمیڈیٹ کا امتحان دیا تو گورنمنٹ نے مزید تعلیم کے لئے ایک ڈگری کالج قائم کر دیا۔ انٹر کالج میں پڑھانے والے چند پروفیسر صاحبان : تاج علی قریشی فلسفہ اور ریاضی ۱۵ ستمبر ۱۹۵۹ء کو کالج میں تبدیل ہو کر آئے تھے۔ عبدالحمید غوری جغرافیہ' نذیر حسین فارسی' اردو' آغا مسعود رضا اردو' برکت الٰہی اکنامکس' اسلام خاں سعید فزکس' ذکاء اللہ' محمد احمد خاں فلسفہ نفسیات' حافظ محمد اجمل' ڈاکٹر افتخار احمد غوری' یہ فہرست ۱۹۶۳ء کی ہے۔ ۱۹۵۹ میں شعبہ انگریزی میں محمد اقبال تبدیل ہو کر آئے تھے۔ ۱۹۶۴ء تک آپ اس کالج میں رہے۔ یہ کالج ۱۹۶۸ء تک قائم رہا۔ ۱۹۶۹ء میں یہ کالج ڈگری کالج

میں مدغم ہو گیا۔ نیا افق کے نام سے کالج کے میگزین کا پہلا شمارہ نکلا بعد میں اس کا نام افق نور رکھ دیا اس کالج کے شعبہ اردو میں ایک لیکچرار انوار انجم تھے جن کا انتقال ۲۱ مئی ۱۹۶۹ کو ہوا۔ آپ نے یہاں ۲۱ اکتوبر ۱۹۶۳ سے ۲۰ نومبر ۱۹۶۴ تک تدریس خدمات انجام دی تھیں۔ ایک اچھے غزل گو شاعر تھے۔ احمد ندیم قاسمی کو ان کا یہ شعر بہت پسند تھا۔

ستم طرازی فطرت کے وہ بت سمجھیں
غزل کی جان ہے لیکن غزل شناس نہیں۔

امین اصلاحی، ملک ذوالفقار علی ملک عربی کے پروفیسر تھے۔ سکندر شاہین انگریزی کے پروفیسر تھے۔ سکندر شاہین کے والد سید سراج الحق پسر سید فضل حق بٹالہ کے سید خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے تذکار محمود، اظہار سنز، لاہور ۱۹۹۸ ص ۴۳۔ ۱۹۵۷ء ہی میں لائبریری قائم ہو گئی تھی۔ محمد اقبال چوہان لائبریرین تعینات ہوئے۔ آپ کے ڈگری کالج میں تبدیل ہو جانے کے کچھ عرصہ بعد محمد اجمل خاں بطور لائبریرین آئے۔

۱۰۔ گورنمنٹ کالج شیخوپورہ

۱۹۵۹ میں یہ کالج قائم ہوا۔ انٹر کالج کے وہ طلباء جنہوں نے ۱۹۵۹ء میں لاہور بورڈ سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا۔ ان سے تھرڈ ایئر کلاس کا آغاز ہوا۔ اگلے برس یعنی ۱۹۶۰ء میں ان طلباء سے فورتھ ایئر معرض وجود میں آگئی۔ کالج کے پہلے پرنسپل شیخ عزیز احمد مقرر ہوئے۔ انٹر کالج سے آپ کو یہاں تبدیل کیا گیا کالج کرایہ کی دو کوٹھیوں میں کھولا گیا۔ یہ کوٹھیاں چوہدری منظور حسین گجر ریٹائرڈ ایس پی اور چوہدری محمد اقبال (سابقہ M.N.A) کی تھیں۔ موخرالذکر کی کوٹھی میں پرنسپل آفس، کلرکوں کا دفتر اور سائنس کی تجربہ گاہ ہوتی تھیں۔ ۳۱ اکتوبر ۱۹۶۲ء کو میونسپل کمیٹی شیخوپورہ نے اپنے اجلاس میں ڈپٹی کمشنر شیخوپورہ کی زیر صدارت اس کالج کے طلباء کے لئے وظائف دینے کی منظوری دی۔ ۱۲ وظائف مالیتی ایک ایک سو روپیہ سالانہ مستحق و غریب طلباء کو دینے منظور کئے۔ پروفیسر عزیز احمد بھٹی پرنسپل ایم اے انگریزی تھے۔ آپ نے ۱۹۶۶ء میں کالج میں ایم اے انگریزی

کلاس شروع کر دی۔ یونیورسٹی سے اجازت نہ ملنے پر ایک سال بعد اسے بند کرنا پڑا۔

۱۹۶۹ء میں انٹر کالج اور ڈگری کالج مدغم ہو گئے اور ایک کالج معرض وجود میں آیا۔ ۱۹۶۴ء میں یہ کالج کرایہ کی عمارتوں سے موجودہ پختہ عمارت میں منتقل ہو گیا۔ کالج کی عمارت اسٹیٹ لینڈ میں تعمیر کی گئی۔ ۴۵ ایکٹر ۲۰ کنال اور ۱۶ مرلے حکومت نے یہ قطعہ اراضی محکمہ تعلیم حکومت پنجاب کو ۱۹۶۰ء میں ٹرانسفر کیا تھا۔ جنوری ۱۹۶۴ء میں کالج کا میگزین مرغزار کے نام سے شائع ہوا۔ پرنسپل پروفیسر شیخ شیر احمد تھے۔ مجلس ادارت میں سید معراج نیرؔ، برکت عظیم اور تاثیر اختر شیرانی شامل تھے۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۶۵ء کو پرنسپل شیر احمد ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ ۱۹۷۲ء میں کالج کی ڈرامیٹک کلب کے زیر اہتمام ایک ڈرامہ زندگی ایک تماشہ اسٹیج پر پیش کیا گیا۔ پروفیسر ارشاد غالب، شوکت علی اور عقیل روبی کلب کے روح رواں تھے۔ دسمبر ۱۹۷۶ء کا مرغزار قائداعظم نمبر، اپریل ۱۹۸۰ء کا اقبال اور اکتوبر ۱۹۸۱ء کا ظفر علی خاں نمبر تھا۔ اس میں پروفیسر عبدالجبار کی کوششوں کو بڑا دخل حاصل تھا۔ ۱۹۷۲ء میں تعداد اساتذہ ۴۷ اور طلباء ۱۲۰۰ تھے۔ مرغزار ۱۹۷۳ء کے شمارہ سے کالج کے ہونہار طالب علم سال اول شکیل احمد کی صلاحیتوں کا علم ہوتا ہے۔ شکیل احمد کے مضمون پتنگ سے جیٹ طیارے تک کو مغربی پاکستان اردو اکیڈمی نے ۱۹۶۸ء کا بہترین مضمون قرار دیا۔ ۱۹۸۸ء اور ۱۹۹۱ء کے شمارے راقم کی ادارت میں شائع ہوئے۔ ۱۹۹۱ء کے شمارہ میں میرا ایک مضمون ضلع شیخوپورہ کی ایک نامور شخصیت سرگنگارام قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ دونوں کالج مدغم ہونے کے بعد بھی مخلوط تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ ۱۹۷۰ء کے داخلہ کے وقت طالبات کا داخلہ بند کر دیا۔

اس کالج کے ایک طالب علم طاہر محمود پسر رحمت علی پنجاب یونیورسٹی کے سالانہ امتحان ۱۹۸۳ء میں بی ایس سی میں فرسٹ آئے تھے۔ یونیورسٹی سے طلائی تمغہ حاصل کیا۔ والد محکمہ ریلوے میں S T E تھے ۱۹۸۷ میں جامعہ پنجاب سے M B A کی ڈگری لی اور فرسٹ آئے تھے۔ واپڈا میں اکاؤنٹس آفیسر ہیں۔ اس سال اس کالج کا دوسرا طالب علم میاں طارق محمود یونیورسٹی میں تھرڈ آیا۔ آپ کے والد محکمہ پولیس میں ملازم تھے اور بھدرو منارہ کے رہنے والے ہیں۔ طارق محمود نے ۱۹۹۰ء میں انجینئرنگ یونروسٹی لاہور سے الیکٹریکل میں بی ایس سی کی ڈگری حاصل کی۔ آج کل کینڈا میں ملازمت کر رہے ہیں۔

۱۹۹۱ لاہور بورڈ کے سالانہ امتحان۔ پری میڈیکل انٹرمیڈیٹ میں اس کالج کا ایک طالب علم شاہد ستار چوہدری ۹۱۴ نمبر حاصل کر کے لاہور بورڈ میں سیکنڈ اور ضلع شیخوپورہ میں فرسٹ رہا۔ شاہد ستار نے گورنمنٹ ہائی سکول شیخوپورہ سے ۱۹۸۹ء میں میٹرک پاس کیا تھا۔ ضلع میں اول رہا اور ہجری وظیفہ مالیت چھ ہزار روپے حاصل کیا۔ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور سے ۱۹۹۷ء میں ایم بی بی ایس کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۹۸ میں امریکہ سے ڈاکٹر آف میڈیسن کی سند فضیلت لی۔ شاہد ستار کے ولد عبدالستار محکمہ زراعت میں ملازم ہیں۔

کالج کے ڈگری کے طلباء نے پہلی بار ۱۹۶۱ء میں پنجاب یونیورسٹی کا امتحان دیا۔ ان طلباء کو بی اے کی اسناد دینے کے لئے کالج میں پہلا کانووکیشن ۱۹۶۳ء میں ہوا مہمان خصوصی مغربی پاکستان کے وزیر تعلیم محمد یاسین خان وٹو تھے۔ اس سال بی اے آرٹس میں کالج میں اول آنے والے سید خورشید حسین بخاری (حال پرنسپل گورنمنٹ کالج سانگلہ ہل ضلع شیخوپورہ) اور سائنس میں اول آنے والے مشتاق احمد ملک (موجودہ صدر شعبہ کیمسٹری) تھے۔ ان دنوں کو کالج کا رول آف آنرز ملا۔ اسناد لینے والے ان کے دوسرے ساتھی طلباء ملک مشتاق احمد اعوان (موجودہ پی پی پی کے سرکردہ لیڈر)' سید اقبال سلیمی' منور حسین' نصیر احمد اور محمد زاہد' یہ سب وکالت کے پیشہ سے وابسطہ ہیں۔ میاں غلام رسول بھی کامیاب طلباء میں شامل تھے جو گورنمنٹ کالج شیخوپورہ میں شعبہ سیاسیات میں استاد ہیں۔ دوسرا کانووکیشن ۱۹۶۶ء میں ہوا۔ ۱۹۶۹ء کے تیسرے کانووکیشن میں آصف آقبال خاں (موجودہ پرنسپل گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن لاہور) وغیرہ نے ڈگری حاصل کی تھی۔ چوتھا کانووکیشن ۳ مئی ۱۹۷۳ء کو ہوا۔ مہمان خصوصی ممتاز احمد کاہلوں صوبائی وزیر اوقاف تھے۔ کالج میں مسجد کی تعمیر کا آغاز بھی اس موقع پر ہوا۔

یکم دسمبر ۱۹۹۴ء کو کرکٹ کے قومی کھلاڑی عمران خان' ثریا خانم کینسر ہسپتال کی تعمیر کے چندہ کے لئے کالج میں آئے اور ۸۰ ہزار روپیہ لے کر گئے' مذکورہ ہسپتال کا افتتاح لاہور میں ۲۷ دسمبر ۱۹۹۴ کو ہوا تھا۔

۱۹۹۸ء میں کالج میں ایم اے کی کلاسوں کا اجرا ہوا۔ انگریزی میں ۳۵ اور پولیٹیکل سائنس میں ۲۵ طلباء داخل ہوئے۔ ان کلاسوں میں مخلوط تعلیم کا سلسلہ ہے۔ ۱۹۹۸ میں

طلباء کی تعداد:

فرسٹ ایئر: ۹۰۰ سیکنڈ ایئر: ۱۰۰۰
تھرڈ ایئر: ۶۰۰ فورتھ ایئر: ۳۵۰
مئی ۱۹۹۹ء میں تعداد اساتذہ : ۹۱

انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں اول آنے والے طلباء:

۱۹۸۶	پری میڈیکل	اسد حسین ملک	۸۱۳ نمبر حاصل کئے۔
	پ م	عرفان غالب	۷۹۶
	آرٹس	محمد ارشد	۷۶۴
۱۹۸۷	پری انجینئرنگ	محمد امین اعظم	۷۶۸
۱۹۸۸	پری انجینئرنگ	ارشد محمود	۸۳۰
	پ ا	محمد نعیم خالد	۸۰۱
	پ ا	غلام سرور	۷۹۸
۱۹۸۹	پری انجینئرنگ	ارشد حسن ملک	۸۲۱
	پ ا	عظیم احمد	۸۱۱
	پ ا	رانا تحسین احمد	۷۹۱
۱۹۹۰	پری میڈیکل	عدنان قیصر	۸۳۵
	پ م	عرفان بیگ	۸۱۰
	پ م	آصف عثمان ملک	۸۱۰
۱۹۹۴	پری انجیئرنگ	حسن احمد	۸۴۷
۱۹۹۶	پری انجرنگ	شہباز اکرم	۸۳۹
	پری میڈیکل	محمد وقاص ارسلان	۸۲۲
	آرٹس	خالد محمود	۸۲۶
۱۹۹۷	پری انجینئرنگ	ثاقب احسان	۷۸۷
	پری میڈیکل	محمد ساجد	۸۳۲
	آرٹس	کاشف شفیق	۷۱۳

۱۹۹۸	پری انجینئرنگ	اسد حمید	۸۷۰
	پری میڈیکل	یاسر اقبال	۷۸۳
	آرٹس	اظہر علیم خاں	۷۰۰

بی اے کے امتحان میں کالج میں اول آنے والے طلباء:

۱۹۹۶ء	سائنس	وقاص سلیم	۵۳۸
	آرٹس	عبدالسلام	۵۰۶
۱۹۹۷	سائنس	غلام حسین	۵۴۵
	آرٹس	رضوان نذیر	۵۲۹
۱۹۹۸ء	سائنس	زبیریامین	۴۸۸
	آرٹس	شاہد محمود رانا	۵۶۲

۳ اپریل ۱۹۹۵ کو کالج میں ایک تقریب منعقد ہوئی جس میں ۱۹۸۴ء سے ۱۹۹۴ تک کالج میں انٹر اور بی اے کے امتحانات میں پوزیشن حاصل کرنے والے طلباء کو گولڈ میڈل اور انعامات دیئے گئے۔ انٹر میں گولڈ میڈل حاصل کرنے والے ۳۱ طلباء اور دو صد روپیہ نقد انعام پانے والے ۳۷ طلباء تھے۔ تقریب کے مہمان خصوصی ریٹائرڈ پرنسپل ڈاکٹر عبدالوحید خاں تھے۔ بی اے میں ۱۹ + ۳۸ طلبا تھے۔

کالج میں ان دنوں ۲۰ شعبے ہیں ۔علمی دنیا کی نامور شخصیات اس کالج میں تدریسی خدمات انجام دیتی رہیں ہیں۔ کالج کے شعبوں سے متعلق کچھ معلومات درج ذیل ہیں:

۱۔ اسلامیات:

پہلے صدر شعبہ رانا بہاء الحق تھے' آپ کے بعد میر سلطان محمود۔ ان کے بعد شیخ یاسین پھر میر سلطان محمود۔ آپ کے بعد ملک محمد ظہور' ستمبر ۱۹۸۳ء سے ۱۹۸۷ تک شعبہ کے صدر رہے۔ پھر محمد یونس جنجوعہ۔ آپ کے لاہور تبدیل ہو جانے کے بعد محمد رضا مدنی صدر شعبہ ہوئے۔ آپ کے بعد کچھ عرصہ عباد علی نے صدر شعبہ کے فرائض انجام دیئے۔ ان دنوں نور حسن وٹو شعبہ کے صدر ہیں۔

۲۔ شعبہ اردو:

شعبہ کے موجودہ صدر محمد اکرم سعید ہیں۔ آپ نے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد سے اردو میں ایم فل کیا ہے۔
مصنف وال اک دریا' شاعری' پنڈ تے شہراور چرخے دی گھوک۔ آپ سے پہلے راقم ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین ۱۹۸۹ء سے ۱۹۹۷ء تک صدر شعبہ رہا۔ مجھ سے پہلے پروفیسر صدیق علی مرزا صدر شعبہ تھے۔ کالج کی ابتدا میں اردو کے صدر شعبہ یہ تھے۔ آغا مسعود رضا خاکی قزلباش' سعید اختر امان جعفری' نور خاں شاہین۔
شعبہ اردو میں خدمات انجام دینے والے اصحاب:
آفتاب نقوی' علی محمد خاں' اصغر ندیم سید' احمد عقیل روبی' محمد یونس' محمد شفیق عجمی' محمد اشرف خان' گلزار حسین' محمد رضا زیدی' گلزار محمد' ہارون قادر' فاروق احمد۔
سید محمد رضا زیدی نے نارووال کالج میں قیام کے دوران فیض اکیڈمی قائم کر کے بیگم ایلیس فیض کی صدارت میں ملکی سطح پر دو مشاعرے کرائے تھے۔ محمد اشرف خاں' فاروق احمد اور محمد شفیق عجمی گورنمنٹ کالج لاہور میں ہیں۔

۳۔ شعبہ کیمسٹری:

کالج کی ابتدا میں میاں ذکاء اللہ شعبہ کے صدر تھے۔ شعبہ کے موجودہ صدر مشتاق احمد ملک جب اس کالج میں بی ایس سی (۶۳ -۱۹۶۲ء) کے طالب علم تھے تو میاں صاحب ہی صدر شعبہ تھے۔ آپ کے بعد محمد شفیع ہوئے ان کے بعد ڈاکٹر عبدالوحید خاں' ڈاکٹر صاحب جب ڈاکٹریٹ کے لئے انگلستان تشریف لے گئے تھے تو مشتاق احمد ملک ہی نے صدر شعبہ کے فرائض انجام دیئے تھے۔ ڈاکٹر عبدالوحید کے کالج کے پرنسپل بن جانے کے بعد اگست ۱۹۹۲ء سے ملک صاحب ہی صدر شعبہ ہیں۔

۴۔ شعبہ فزکس:

کالج کے شروع سالوں میں ۱۹۵۹ء سے یہاں پروفیسر اسلام خان سعید یہاں تعینات رہے اور صدر شعبہ کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ ۲۵ برس کے بعد آپ لاہور تبدیل ہو کر گئے تو عبدالخالق صدر شعبہ مقرر ہوئے۔ آپ کی ریٹائرمنٹ کے بعد ۴ مئی ۱۹۹۸ء سے منیر احمد شعبہ کے صدر شعبہ ہیں۔ منیر احمد شیخوپورہ کے رہنے والے ہیں'

۱۹۷۰ء میں آپ نے گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم ایس سی کیا۔ فروری ۱۹۷۶ء سے آپ اس کالج سے وا .سد ہیں۔ عبدالخالق ٹوبہ ٹیک سنگھ کے رہنے والے ہیں۔ ۲۳ نومبر ۱۹۶۷ کو آپ شیخوپورہ کالج میں آئے تھے۔

۵۔ شعبہ بیالوجی:

اس وقت پروفیسر آفتاب احمد چوہدری صدر شعبہ ہیں۔ آپ سے قبل پروفیسر سید حبیب الرحمن اس عہدہ پر فائز تھے۔ شاہ صاحب ۱۴ نومبر ۱۹۹۵ء کو اس کالج سے ملازمت سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ ۱۹۸۷ء میں آپ یہاں تبدیل ہو کر آئے تھے۔ ڈاکٹر حفیظ' ڈاکٹر محمد ذوالفقار اعوان (۷۵ - ۱۹۷۲) اور ڈاکٹر محمد یعقوب (۸۷ - ۱۹۸۳) شعبہ کے سربراہ رہے ہیں۔

گزشتہ برس شعبہ میں ڈاکٹر گلزار احمد خاں کا خوشگوار اضافہ ہوا ہے۔ آفتاب احمد ضلع ہوشیار پور سے ہجرت کر کے فیصل آباد میں آباد ہوئے۔ اسلامیہ کالج سول لائنز سے ۱۹۶۵ء میں بی ایس سی اور گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۹۶۷ء میں ایم ایس سی زوالوجی کیا' جنوری ۱۹۶۸ء میں محکمہ تعلیم میں شمولیت اختیار کی۔ مئی ۱۹۸۶ء سے اس کالج سے وابستہ ہیں۔

۶۔ شعبہ فارسی:

پہلے صدر پروفیسر ناظر حسن زیدی تھے۔ مظہر محمود شیرانی مدتوں صدر رہے۔ آپ کی ریٹائرمنٹ کے بعد اکتوبر ۱۹۹۵ء سے محمد صدیق شبلی شعبہ کے صدر ہیں۔

۷۔ شعبہ عربی:

محمد اجمل پہلے صدر شعبہ تھے۔ آپ کے بعد غلام رسول مدتوں صدر شعبہ .ہے پھر اصغر علی ناز' حافظ عبدالرحمٰن' آپ کے بعد حافظ ثناء اللہ شعبہ کے صدر ہیں۔ حافظ صاحب کے والد عبدالجبار ولد فتح دین ڈیرہ ملا سنگھ میں کاشتکاری کرتے ہیں۔ آپ نے شیخوپورہ کالج سے ۱۹۸۱ء میں بی اے کیا۔ ۱۹۸۳ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے عربی کیا اور گولڈ میڈل حاصل کیا۔ کمیشن کے ذریعہ منتخب ہوئے اور جڑانوالہ کالج میں ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۵ء کو ڈیوٹی لی۔ یکم دسمبر ۱۹۸۶ء کو شیخوپورہ کالج تبدیل ہو کر آئے ہیں۔

۹۔ شعبہ اکنامکس:

پہلے صدر شیخ برکت الٰہی تھے۔ آپ کے بعد مسعود شوکت ملک شعبہ کے صدر ہوئے یہاں آنے سے قبل آپ ایمرسن کالج ملتان میں پروفیسر تھے۔ آپ کے بعد محمد زبیر ۳' ۴ برس صدر شعبہ رہے۔ آپ کے بعد شمس الدین صدر مقرر ہوئے۔ ۱۹۹۶ تک آپ صدر رہے۔ ۱۹۶۶ء سے آپ اس کالج سے وابسطہ ہیں۔ ۱۹۶۴ء میں آپ نے کراچی سے ایم کیا تھا۔ گوڑ گاؤں کے مہاجر ہیں۔ شمس صاحب کے بعد رشید احمد صدر شعبہ کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ رشید صاحب نے اس کالج سے ۱۹۶۵ء میں بی اے کیا تھا۔ ننکانہ کالج میں ۱۹۶۸ء سے ۱۹۸۶ء تک رہے۔

۱۰۔ پولیٹیکل سائنس:

چوہدری منیر صدر شعبہ تھے۔ بعد میں آپ مرکز میں سیکریٹری ہو گئے۔ آپ کے بعد رانا غلام سرور شعبہ کے سربراہ ہوئے۔ آپ گورنمنٹ کالج لاہور تبدیل ہو گئے تو عبدالحمید بھٹی صدر شعبہ مقرر ہوئے۔ بھٹی صاحب کے والد چوہدری اللہ دتہ اور دادا چوہدری گلاب تھے۔ عبدالحمید موضع سیٹھالی ضلع گورداسپور میں ۴ نومبر ۱۹۴۳ء کو پیدا ہوئے۔ ہجرت کے بعد ضلع شیخوپورہ میں آباد ہوئے۔ ۱۹۶۵ء میں جامعہ پنجاب سے پولیٹیکل سائنس میں ایم اے کیا۔ کمیشن کے ذریعہ منتخب ہوئے اور گورنمنٹ کالج ڈیرہ غازی خان میں ۵ جنوری ۱۹۷۱ء کو ڈیوٹی لی۔ ۱۹ اکتوبر ۱۹۷۳ کو تبدیل ہو کر شیخوپورہ کالج میں تشریف لائے۔

۱۱۔ انگریزی:

محمد اقبال انٹر کالج سے تبدیل ہو کر ۱۹۶۵ء میں اس کالج میں آگئے۔ ۱۹۶۸ تک رہے۔ سید اکبر علی کے دور میں دونوں کالج مدغم ہوئے تھے۔ ایگزٹ عزرائے کے بعد سید خادم حسین رضوی صدر شعبہ مقرر ہوئے۔ آپ ۱۹۶۰ سے ۱۹۹۱ تک اس شعبہ سے وابستہ رہے۔ ۱۹۹۱ میں آپ لاہور تبدیل ہو گئے۔ آپ کے بعد سید اکبر علی کے صاحبزادے انور علی سید صدر شعبہ کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

شعبہ انگریزی کے امان اللہ ۱۹۷۰ء میں شوکت علی ۱۹۷۴ء میں پی سی ایس' سائل عباس سی ایس ایس ۱۹۸۷ء اور ممتاز حسین زاہد ۱۹۸۸ء میں سی ایس ایس کر کے ملک میں

خدمات انجام دے رہے ہیں۔

۱۲۔ فلسفہ:

منظور حسین سیال ۱۹۶۳ تک صدر شعبہ رہے۔ یہ آج کل صوبائی محتسب ہیں۔ آپ کے بعد محمد احمد، زین الدین حسین، محمد اشرف اور شمیم احمد شعبہ کے صدور رہے۔ ان دنوں چوہدری نذیر حسین ۱۹۶۸ء سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ چوہدری صاحب اسی کالج کے طالب علم رہ چکے ہیں۔

۱۳۔ شماریات:

۱۹۷۴ء میں یہ مضمون کالج میں پڑھایا جانے لگا۔ پہلے صدر لیکچرار خالد پرویز تھے۔ ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۵ء تک آپ یہاں رہے۔ اس کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور تبدیل ہو گئے۔ ۱۹۸۳-۸۶ء میں آپ نے لندن سے ڈاکٹریٹ کی۔ آپ کے بعد غلام شبیر عاربی صدر ہوئے۔ آج کل رانا افتخار احمد جوئیہ ۲ اگست سے ۱۹۸۵ء سے شعبہ کے صدر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ان سے پہلے گلزار احمد تھے۔

۱۴۔ سوشیالوجی:

ابتدا ہی سے اس کی تدریس تھی۔ ابتدائی صدر غلام مرتضیٰ خان تھے۔ بعد میں رائے فیض احمد ہوئے۔

آپ کے بعد شہزاد صبح صادق امین صدر شعبہ ہوئے۔ آپ کے والد ماجد سلطان صفدر علی دنمکے ہرن مینار کے رندھاوا جٹ گھرانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۱۹۷۹ء میں محکمہ تعلیم میں شمولیت اختیار کی۔ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو شیخوپورہ کالج میں تبدیل ہو کر آئے۔

۱۵۔ لائبریری:

ابتداء ہی سے محمد اقبال چوہان اس کے انچارج تھے۔ آپ کے والد ڈاکٹر کرم الٰہی چوہان کابل میں ڈاکٹر تھے اور وہیں آپ نے وفات پائی۔ محمد اقبال اسی کالج سے ۱۸ دسمبر ۱۹۸۲ء کو ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔ آپ کے دو سال بعد احمد شاہ لائبریرین ہوئے۔ ۱۹۹۶ء میں آپ اس کالج سے تبدیل ہو گئے ان دنوں محمد ادریس خان لائبریرین ہیں۔ آپ کے والد غلام علی ولد محمد دین موضع مچھرالہ نزد واربرٹن کے رہنے والے ہیں۔ محمد ادریس نے

۱۹۹۱ء میں بی اے کیا۔ ۱۹۹۴ء میں لائبریری سائنس میں ایم اے کیا۔ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو محکمہ تعلیم میں شمولیت اختیار کی۔ شاہ کوٹ کالج سے تبدیل ہو کر ۱۵ جون ۱۹۹۸ء کو شیخوپورہ کالج میں آئے ہیں۔

محمد جواد بھی لائبریرین ہیں آپ ۱۹۹۷ء میں یہاں تعینات ہوئے تھے۔

۱۶۔ پنجابی:

اس مضمون کی ابتدا پروفیسر غلام رسول آزاد نے کی کیوں کہ آپ پنجابی زبان و ادب کی جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ اور اس ماں بولی سے والہانہ لگاؤ رکھتے ہیں۔ اس لئے یہاں پرنسپل کی حیثیت سے تشریف لاتے ہی پہلے سال اس کی ابتدا کر دی۔

۱۷۔ تعلیمات:

کالج میں مقصود احمد اطہر شامی نے ۱۹۷۸ء میں اس مضمون کا آغاز کیا۔ آپ ہی اس کے صدر چلے آ رہے ہیں۔ شامی صاحب کے والد رحمت علی شکر گڑھ کے رہنے والے ہیں۔ مقصود احمد نے شکر گڑھ کے کالج سے ۱۹۷۴ء میں بی اے اور پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۷۶ء میں ایجوکیشن میں ایم اے کیا۔

۱۸۔ تاریخ:

سرور چیمہ صاحب ۱۹۸۰ء میں گورنمنٹ کالج لاہور تبدیل ہو گئے تو سید نیاز علی شاہ ۱۹۸۰ء میں یہاں تبدیل ہو کر آئے۔ ریٹائرمنٹ تک آپ شعبہ کے صدر رہے۔ ۱۶ جنوری ۱۹۹۱ء کو آپ ریٹائر ہوئے۔ آپ کے بعد سید اظہر عباس صدر ہوئے۔ آپ کے بعد مشتاق احمد راحت صدر شعبہ ہیں۔

۱۹۔ جغرافیہ:

پہلے صدر شعبہ چوہدری عبدالحنیف تھے۔ آپ کے بعد آغا عبدالحمید اور آپ کے بعد ارشاد غالب۔ ارشاد غالب مارچ ۱۹۹۱ء میں تبدیل ہو کر راولپنڈی چلے گئے۔ آپ کے بعد مقبول احمد صدر شعبہ مقرر ہوئے۔ مقبول احمد کے والد کا نام روشن دین ہے۔ نومبر ۱۹۴۲ء میں پیدا ہوئے۔ بہاولپور سے ۱۹۶۲ء میں بی اے کیا۔ ۱۹۶۴ء میں جغرافیہ میں ایم اے کی ڈگری لی۔ ہیلی کالج لاہور میں ۱۹۶۷ تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ کمیشن میں لیکچرار

منتخب ہوئے اور ۷۳ - ۱۹۶۹ء کیمبل پور میں' اس کے بعد ۱۹۸۰ء تک شیخوپورہ کالج میں۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں ۹۳ - ۱۹۸۰ء۔ ۱۵ مارچ ۱۹۹۳ء کو دوبارہ شیخوپورہ میں تبدیل ہو کر آئے ہیں۔

۲۰۔ ریاضی:

۱۹۷۳ء میں مظہر الحق ریاضی کے سربراہ تھے۔ ۱۹۸۶ء میں مسیح الزماں صدر شعبہ ہوئے ۱۹۸۸ء میں مسیح الزمان خان تبدیل ہو کر پرنسپل گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ چلے گئے۔ آپ کے بعد مظہر حسین ملک صدر شعبہ ہوئے۔ ۲ اپریل ۱۹۹۵ء تک آپ صدر رہے آپ کے بعد محمد عالم اس منصب پر فائز ہوئے ہیں۔ محمد عالم کے والد ماجد ریلوے پولیس میں ملازم تھے۔ آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے ریاضی میں ایم ایس سی کی۔

۲۱۔ نفسیات:

منیر احمد چوہدری کئی سال تک صدر شعبہ رہے۔ ۴ جنوری ۱۹۹۱ء کو آپ نے وفات پائی آپ کے بعد اعجاز حسین بھنگو شعبہ کے صدر مقرر ہوئے۔

۲۲۔ آفس:

کالج آفس کے موجودہ سپرنٹنڈنٹ چوہدری عبدالجبار ہیں۔ دوسرے آفس کلرک محمد بوٹا ورک' محمد سرور' محمد حنیف' محمد انور' محمد رفیق' اعجاز احمد اور محمد حبیب اللہ۔

کالج کے قیام کے وقت عبدالحکیم خاں ہیڈ کلرک تھے۔ آپ کے بعد قاضی محمد عثمان۔ ان کے بعد بشیر احمد ۲۶ جنوری ۱۹۷۶ء کو بطور سینئر کلرک بعد میں ہیڈ کلرک ہوئے۔ ۱۳ فروری ۱۹۹۰ء کو آپ ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر شیخوپورہ کے ہاں تبدیل ہو گئے جہاں سے آپ نے ۳ دسمبر ۱۹۹۰ء کو ریٹائرمنٹ لے لی۔ بشیر احمد کے والد محمد دین ولد اللہ دتہ موضع جوئیاں والہ تحصیل فیروز والا کے ہیں۔

کالج میں باقاعدہ ایک فوٹو کلب بھی ہے۔ پروفیسر سلیم پرویز (فزکس) اس کلب کے انچارج ہیں۔ بی اے اردو اختیاری کے طالب علم محمد مجاہد شامی بھی اس کے ایک فعال رکن رہے ہیں۔ مجاہد شامی کے والد محمد شاہد شامی ولد غلام حسین شامی کا شہر میں شامی فوٹو سٹوڈیو ہے۔ ۱۹۴۷ء سے یہ سٹوڈیو ہے۔ اس تاریخ میں شہر شیخوپورہ جنڈیالہ شیر خاں اور

ہرن مینار کی تصاویر اعزازی طور پر محمد مجاہد شامی نے مہیا کی ہیں۔

کالج کے پرنسپل صاحبان اور ان کے ادوار:

۱۔	پروفیسر عزیر احمد شیخ	۸ ستمبر ۱۹۵۹ء	۴ مئی ۱۹۶۰ء
۲۔	ڈاکٹر سردار محمد	۴ مئی ۱۹۶۰ء	۲ دسمبر ۱۹۶۲ء
۳۔	پروفیسر شیخ شیر محمد	۲۲ دسمبر ۱۹۶۲ء	۱۲ اکتوبر ۱۹۶۵ء
۴۔	پروفیسر عزیز احمد بھٹی	یکم اکتوبر ۱۹۶۶ء	۳ مئی ۱۹۶۷ء
۵۔	پروفیسر احمد اعجاز پیرزادہ	۲۷ اگست ۱۹۶۷ء	یکم فروری ۱۹۷۱ء
۶۔	پروفیسر سید فیض الرحمٰن	یکم فروری ۱۹۷۱ء	۲۰ جولائی ۱۹۷۱ء
۷۔	پروفیسر خالد مسعود قریشی	۲۱ جولائی ۱۹۷۱ء	۱۲ جولائی ۱۹۷۹ء
۸۔	پروفیسر محمد امجد حسین	۱۷ جولائی ۱۹۷۹ء	۱۲ نومبر ۱۹۷۹ء
۹۔	پروفیسر محمد نواز	۱۳ نومبر ۱۹۷۹ء	۳ فروری ۱۹۸۲ء
۱۰۔	ڈاکٹر عزیز اللہ	۴ فروری ۱۹۸۲ء	۱۰ جولائی ۱۹۸۳ء
۱۱۔	ڈاکٹر محمد معروف	۱۱ جولائی ۱۹۸۳ء	۲۲ جولائی ۱۹۸۵ء
۱۲۔	پروفیسر اصغر علی ناز	۲۳ جولائی ۱۹۸۵ء	۸ ستمبر ۱۹۸۷ء
۱۳۔	پروفیسر محمد اطہر خواجہ	۹ ستمبر ۱۹۸۷	۱۹ اپریل ۱۹۸۸ء
۱۴۔	پروفیسر مسیح الزماں خاں	۱۹ اپریل ۱۹۸۸	۱۹ جنوری ۱۹۸۹ء
۱۵۔	پروفیسر جاوید احمد شیخ	۱۹ جنوری ۱۹۸۹	۷ فروری ۱۹۹۰ء
۱۶۔	پروفیسر اسلام خاں سعید	۸ فروری ۱۹۹۰ء	۱۱ اگست ۱۹۹۰ء
۱۷۔	ڈاکٹر عبدالوحید خاں	۱۱ اگست ۱۹۹۲	۲ اپریل ۱۹۹۵ء
۱۸۔	پروفیسر ملک محمد ظہور	۶ جولائی ۱۹۹۵	۶ اپریل ۱۹۹۶ء

موجودہ پرنسپل غلام رسول آزاد ۲۳ مئی ۱۹۹۶ء سے اس عہدہ پر فائز ہیں۔ آپ کے والد ماجد حاجی عبدالرحمٰن ولد علی بخش ولد مہردتہ کپور تھلہ ریاست کے رہنے والے تھے اور ارائیں گھرانہ سے تعلق ہے۔ آزاد صاحب ۳ مارچ ۱۹۴۸ء کو کوچہ قادریہ ننکانہ صاحب میں پیدا ہوئے۔ گورونانک ہائی سکول ننکانہ صاحب سے ۱۹۶۴ء میں میٹرک، میونسپل کالج ننکانہ صاحب سے ۱۹۶۶ء میں انٹرمیڈیٹ، اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور سے ۱۹۶۸ء میں

بی-اے کیا- ۱۹۷۰ء میں فزیکل ایجوکیشن میں ڈپلومہ لیا- ۱۹۷۲ میں اورینٹل کالج سے ایم اے اردو اور ۱۹۷۳ میں ایم اے پنجابی کیا- ۱۹۷۵ء میں ایل ایل بی' کمیشن کے ذریعہ لیکچرار پنجابی منتخب ہوئے- ساہی وال کالج میں یکم جنوری ۱۹۷۵ء کو ڈیوٹی لی- ننکانہ صاحب شاہ کوٹ اور فیصل آباد میں خدمات انجام دینے کے بعد شیخوپورہ کالج میں تشریف لائے ہیں- لاہور بورڈ اور پنجاب یونیورسٹی کی گورننگ باڈی کے ممبر ہیں- عالمی پنجابی پری دار کے سیکرٹری ہیں- اس عالمی تنظیم کا صدر دفتر چنڈی گڑھ بھارت میں ہے- کلدیپ اس کے صدر ہیں-

تصانیف:

کھیڈاں ۱۹۸۰ء' گرومت اسلام ۱۹۸۰ء پنجابی نثر میں ہیں- "پیڑھاں دا پراگہ" ۱۹۹۹ء پنجابی غزل-

کالج کے پرنسپل شیخ شیر احمد باٹنی کے پروفیسر تھے- آپ کی کتاب اے ٹیکسٹ بک آف انٹرمیڈیٹ باٹنی بی ایس سی اور ایم ایس سی میں بھی مستعمل ہے- ۱۹۴۸ء میں پہلی بار یہ کتاب شائع ہوئی تھی-

اس کالج میں تعلیم حاصل کرنے والے چند طلباء جو آج کل یہاں پروفیسر ہیں- اس کالج کی ایک طالبہ ذکیہ سکندر آج کل گورنمنٹ کالج برائے خواتین شیخوپورہ میں صدر شعبہ اردو ہے-

۱- مشتاق احمد ملک:

آج کل گورنمنٹ کالج شیخوپورہ میں صدر شعبہ کیمسٹری ہیں- آپ کے والد ماجد ملک عبدالرشید کامرس کالج (اسلامیہ) لاہور سے ۱۴ دسمبر ۱۹۸۲ء کو انگریزی کے پروفیسر کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے تھے- مشتاق احمد نے شیخوپورہ کالج میں ۱۹۵۷ء سے ۱۹۶۳ء تک تعلیم حاصل کی- گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۹۶۶ء میں ایم ایس سی کیمسٹری کیا- کمیشن کے ذریعہ منتخب ہو کر شیخوپورہ کالج میں ۳ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو ڈیوٹی کی-

۲- نذیر حسین چوہدری:

گورنمنٹ کالج شیخوپورہ میں فلسفہ کے پروفیسر ہیں- بڑے ذہین انسان ہیں- ایک اچھے

خاکہ نگار بھی ہیں۔ آبائی شہر شیخوپورہ ہی کے ہو کر رہے گئے ہیں۔ اگر لاہور چلے جاتے تو یقیناً" نام پیدا کرتے اس سے آپ کی قناعت پسندی ظاہر ہوتی ہے۔

نذیر حسین کے والد کرم الٰہی ولد فتح دین موضع کنڈے لالو وال نزد بٹالہ کے رہنے والے تھے۔ آزادی وطن کے بعد غازی منارہ نزد شیخوپورہ میں آباد ہوئے' زرعی اراضی الاٹ ہوئی' نذیر حسین ۱۰ جون ۱۹۴۲ء کو آبائی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ طارق ہائی سکول شیخوپورہ سے ۱۹۶۰ء میں میٹرک کیا۔ سکول میں اول آئے۔ شیخوپورہ کے انٹر کالج سے انٹر' ڈگری کالج سے ۱۹۶۴ میں بی اے اور پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ۱۹۶۶ء میں ایم اے فلسفہ کی سند حاصل کی۔ کمیشن کے ذریعہ منتخب ہو کر ۱۴ مئی ۱۹۶۷ء کو شیخوپورہ کے ڈگری کالج میں لیکچرار تعینات ہوئے۔ مستقل رہائش سلطان کالونی میں ہے۔

۳۔ میاں غلام رسول:

کالج کے دفتری معاملات میں بڑے مددگار اور مخلص انسان ہیں آفس کے انچارج ہیں آپ کے گھرانہ کا محکمہ تعلیم سے گہرا تعلق ہے۔ والد ماجد میاں محمد اسمٰعیل ولد میاں محمد دین ولد میاں مولا شاہ کڑیال کلاں تحصیل و ضلع گوجرانوالہ کے مڈل اسکول میں مدرس و ہیڈماسٹر رہے۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۶۸ء کو ملازمت سے ریٹائر ہوئے تھے۔ اردو میں شعر کہتے تھے اور منظر تخلص رکھتے تھے۔ آباؤ اجداد تحصیل اجنالہ ضلع امرتسر کے تاریخی گاؤں جگدیو ہاشم شاہ کے رہنے والے تھے یہ وہی گاؤں ہے جو رنجیت سنگھ کے عہد کے پنجابی شاعر ہاشم شاہ کا مولد و مسکن تھا۔

غلام رسول ۱۵ جنوری ۱۹۴۳ء کو پیدا ہوئے۔ حصول تعلیم کے بعد ضلع ملتان کے ایک مڈل اسکول میں ۱۳ جنوری ۱۹۷۱ء کو بطور SET پہلی تقرری ہوئی۔ دوران ملازمت ۱۹۷۲ء میں ایم اے پولیٹیکل سائنس کیا۔ کمیشن کے ذریعہ پولیٹیکل سائنس کے لیکچرار منتخب ہو کر ۲۸ دسمبر ۱۹۷۶ء کو گورنمنٹ کالج حافظ آباد میں ڈیوٹی لی۔ شیخوپورہ کالج میں آپ ۲۸ ستمبر ۱۹۸۴ء کو تبدیل ہو کر آئے۔ آپ کے بڑے بھائی میاں مقبول احمد شاہدرہ کالج سے بطور پرنسپل ریٹائر ہوئے ہیں۔ مقبول احمد اردو کے پروفیسر تھے۔

اس کالج کے دو قدیم ملازمین جو یہاں سے ریٹائر ہوئے ہیں:

(i) مشتاق احمد:

شعبہ کیمسٹری سے ۳۱ دسمبر ۱۹۹۴ء کو ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ ۱۹۵۹ء میں انٹر کالج شیخوپورہ میں لیبارٹری اسسٹنٹ کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا تھا۔ دوران ملازمت آپ نے بی اے بی ایڈ اور ایل ایل بی کے امتحانات پاس کیے تھے۔

(ii) محمد حسین:

درجہ چہارم میں کالج میں ملازم تھے۔ شیخوپورہ کے کالج میں یہ ۱۹ جون ۱۹۵۹ء کو ملازم ہوئے اور ۳۱ دسمبر ۱۹۹۴ء کو ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ کالج کی تاریخ سے پوری طرح واقف ہیں والد ملک مہردین ولد ملک ہیرا ولد ملک دیوان زمیندار تھے اور امرت سر کے رہنے والے تھے۔

کالج کے پرنسپل صاحبان اور چند قابل ذکر پروفیسر صاحبان کے حالات زندگی:

۱۔ پیرزادہ اعجاز احمد

ضیاء الحق پیرزادہ کے صاحبزادے اور انوارالحق کے پوتے ہیں۔ آبائی وطن گنگوہ شریف ضلع سہارن پور ہے۔ والد تاجر اور دادا تحصیلدار تھے۔ اعجاز ۲۶ فروری ۱۹۱۸ء کو فاضلکا (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۹۳۷ء میں بی۔اے آنرز کیا۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ۱۹۴۰ء میں ایم۔اے فلسفہ۔ گورنمنٹ ڈگری کالج روپڑ میں ۱۹۴۵ء میں لیکچرار فلسفہ تعینات ہوئے۔ دھرم سالہ کالج میں بھی پڑھایا۔ تقسیم ملک کے بعد ڈیرہ غازی خاں کے کالج میں تقرری ہوئی۔ ۶۰ - ۱۹۵۱ء سرگودہا کالج اور گورنمنٹ کالج بوسن روڈ ملتان میں ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۷ء تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ شیخوپورہ کالج میں آپ ۱۹۶۷ء میں آئے اور بطور پرنسپل ۱۹۷۲ء میں ریٹائر ہوئے۔ ۱۹۹۷۔۱۹۹۶ء میں آپ نے وفات پائی۔

۲۔ ڈاکٹر محمد معروف

آپ کے والد ماجد عبدالستار قریشی پسر مولوی محمد حسین موضع دلاور چیمہ ضلع

گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے۔ غلام محی الدین قصوری آپ کے عزیز ہیں۔ محمد معروف یکم اگست ۱۹۳۸ء کو پیدا ہوئے۔ گوجرانوالہ کالج سے ۱۹۵۹ء میں بی اے، اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور سے ۱۹۶۱ء میں ایم اے فلسفہ، لندن یونیورسٹی سے ۱۹۶۹ء میں بی۔اے آنرز اور ۱۹۷۳ء میں فلسفہ میں ڈاکٹریٹ کی سند فضیلت حاصل کی۔ ۱۹۶۱ء میں محکمہ تعلیم میں شمولیت اختیار کی۔ پرنسپل شیخوپورہ کالج ۸۵ - ۱۹۸۲ء، اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور سے بطور پرنسل ۱۹۹۸ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے ہیں۔

شاعر مشرق حضرت علامہ اقبال پر ابتدائی تحقیق کرنے والوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ ۱۹۸۱ء میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد نے آپ کی تصنیف Iqbals philosophy of religion پر انعام دیا۔ ۱۹۹۷ء میں حکومت پاکستان نے آپ کی تصنیف:

Iqbals and His Contemporary Western Religion Thought

پر آپ کو صدارتی قومی اقبال ایوارڈ سے نوازا۔ بیس ہزار روپیہ نقد اور ایک طلائی تمغہ ملا۔ راقم کی تصنیف اقبال کی ابتدائی زندگی کو بڑی قدر کی نگار سے دیکھتے ہیں۔

۳۔ محمد اطہر خواجہ

شیخوپورہ کالج میں بطور پرنسپل ۹ ستمبر ۱۹۸۷ء کو آپ تشریف لائے۔ اس سے قبل آپ اصغر مال کالج راولپنڈی میں پرنسپل تھے۔ تین سال تک عوامی جمہوریہ چین میں پاکستان سفارت خانے میں تعلیمی خدمات انجام دیں۔

۴۔ اسلام خان سعید

موضع بابو پور افغاناں تحصیل و ضلع گورداسپور کے رہنے والے ہیں۔ اسلام خان ۱۳ جون ۱۹۳۳ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۳ء میں اسلامیہ کالج لاہور سے بی ایس سی کیا۔ ۱۹۵۵ء میں پنجاب یونیورسٹی سے فزکس میں ایم ایس سی کیا۔ ۱۹۵۷ء میں پنجاب پبلک سروس کمیشن کے ذریعہ منتخب ہو کر محکمہ تعلیم میں شمولیت اختیار کی۔ ۱۹۵۹ء میں گورنمنٹ کالج شیخوپورہ

تبدیل ہو کر آئے۔ ۲۵ برس تک اس کالج میں تدریس سے واسطہ رہے۔ لاہور تبدیل ہو گئے۔ ۱۱ فروری ۱۹۹۰ء کو دوبارہ تبدیل ہو کر یہاں آ گئے۔ ۱۱ اگست ۱۹۹۲ء کو گورنمنٹ شالیمار کالج باغبانپورہ لاہور تبدیل ہو گئے۔ جہاں سے آپ ۱۲ جون ۱۹۹۳ء کو ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔

۵- جاوید احمد شیخ

آپ کے والد ماجد شیخ سعید احمد علی پور چٹھہ ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے۔ جاوید احمد ۲۰ مارچ ۱۹۴۴ء کو گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۹۶۴ء میں بی اے آنرز اور ۱۹۶۵ء میں پولیٹیکل سائنس میں ایم اے کیا۔ ۷ جنوری ۱۹۶۷ء کو لیکچرار مقرر ہوئے۔ ستمبر ۱۹۶۷ء میں گورنمنٹ کالج شیخوپورہ تبدیل ہو کر آئے۔ جون ۱۹۶۹ء میں گورنمنٹ کالج تبدیل ہو گئے۔ ۸۰ - ۱۹۷۸ء میں سکالر شپ پر تحقیق کے لئے امریکہ گئے۔ ۱۹۸۳ء میں امریکہ سے ایم اے پولیٹیکل سائنس کی ڈگری لی۔ مصنف:

TO DAY PAKISTAN ء1988 - POLITICAL SYSTEM OF CHINA 1989

شیخوپورہ کالج میں بطور پرنسپل جنوری ۱۹۸۹ء میں جنوری ۱۹۹۰ء تک خدمات انجام دیں۔

۶- عبدالوحید خاں ڈاکٹر پروفیسر

آپ کے والد عبدالغنی خاں اور دادا محمد رمضان خاں تھے۔ یوسف زئی پٹھان گھرانے سے تعلق ہے۔ سکھ عہد میں آپ کے جد اعلیٰ شاہ شجاع معزول فرماں روائے افغانستان کے ہمراہ ہندوستان میں وارد ہوئے اور لدھیانہ میں مقیم ہوئے۔ آبائی پیشہ سپاہ گری تھا۔

گورنمنٹ ہائی سکول شیخوپورہ سے ۱۹۵۰ء میں میٹرک' لاہور کے اسلامیہ کالج سے ۱۹۵۲ء میں انٹر' دو برس بعد بی ایس سی' پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۵۶ء میں کیمسٹری میں ایم ایس سی کمیشن کے ذریعہ منتخب ہو کر صادق ایجرٹن کالج بہاولپور میں ۱۱ ستمبر ۱۹۵۷ء کو ڈیوٹی

لی۔ ۱۹۶۲ء میں گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول شیخوپورہ آ گئے۔ ۷۱ - ۱۹۶۸ء انگلستان میں اوورسیز ٹریننگ اسکالر شپ کے تحت تحقیق کر کے ڈاکٹریٹ حاصل کی۔ ۱۹۷۱ء میں شیخوپورہ کالج میں آ گئے۔ اسی کالج سے ۲ اپریل ۱۹۹۵ء کو بطور پرنسپل ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔
نصاب کی کتاب کیمسٹری برائے جماعت نہم و دہم' اور سیکنڈ ایئر کے لئے کیمسٹری کی نصابی کتاب کے مصنفین میں آپ بھی بطور مصنف شامل ہیں۔

۷۔ ملک محمد ظہور

آپ کے والد ماجد حافظ نور محمد اعوان گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ دادا کا نام زین الدین ہے۔

محمد ظہور کلر کہار وادی سون سیکسر کے ایک گاؤں بھرپور میں ۷ اپریل ۱۹۳۶ء کو پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ ہائی سکول شیخوپورہ سے میٹرک کیا۔ سکول میں ہیڈ ماسٹر شیخ محمد اقبال صافی اور سید ولائیت علی شاہ ہاشمی مدرس سے بڑے متاثر تھے۔ عربی کے استاد مولانا ضیاء اللہ خان سے بھی بہت متاثر تھے۔ اسلامیہ کالج لاہور سے ۱۹۵۵ء میں بی اے کیا۔ پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۵۷ء میں ایم اے عربی اور ۱۹۵۹ء میں ایم اے اسلامیات۔ ۱۹۵۹ء میں انٹر کالج جہلم میں بطور لیکچرار اسلامیات تعیناتی ہوئی۔ گورنمنٹ کالج جھنگ روڈ فیصل آباد میں بطور پروفیسر اسلامیات ۸۳ - ۱۹۶۴ء تک کام کرنے کا موقعہ ملا۔ ۱۹۸۷ء تک شیخوپورہ کالج میں خدمات انجام دیں۔ دوبارہ اسی کالج میں آپ ۱۸ جون ۱۹۹۵ء کو بطور پرنسپل تشریف لائے جہاں سے آپ ۶ اپریل ۱۹۹۶ء کو ملازمت سے ریٹائر ہوئے ہیں۔

۸۔ محمد اقبال

انٹر کالج شیخوپورہ میں ۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۴ء تک انگریزی کے پروفیسر رہے۔ اگلے برس ڈگری کالج شیخوپورہ میں تبدیل ہو گئے۔ یہاں ۱۹۶۸ء تک انگریزی زبان و ادب کی تدریس سے وابستہ رہے۔ یکم ستمبر ۱۹۷۹ء کو لاہور میں آپ کا انتقال ہوا۔
محمد اقبال خاں کے والد ماجد فیض محمد خاں ولد عثمان خاں ہوشیار پور کے رہنے والے

تھے اور محکمہ پولیس میں ملازم تھے ۔ محمد اقبال خاں ۱۱ اپریل ۱۹۱۳ء کو پیدا ہوئے۔فارمن کرسچن کالج لاہور سے ۱۹۳۸ء میں ایم اے انگریزی کیا۔ ۱۹۴۱ء میں گورنمنٹ کالج جھنگ میں لیکچرار انگریزی تعینات ہوئے۔ کالج کے طلباء کے لئے آپ نے کمپوزیشن کی ایک کتاب لکھی تھی۔ جسے کتابستان پبلشرز لاہور نے شائع کیا تھا۔

پروفیسر محمد اقبال کے بیٹے ڈاکٹر آصف اقبال خاں' گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن لاہور میں ۱۹۹۵ء سے بطور پرنسپل خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آصف اقبال ۲۴ جولائی ۱۹۴۷ء کو پیدا ہوئے۔ شیخوپورہ کے گورنمنٹ ہائی سکول سے ۱۹۶۴ء میں میٹرک' شیخوپورہ کالج سے ۱۹۶۶ء میں انٹرمیڈیٹ اور ۱۹۶۸ء میں بی اے کیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۹۷۰ء میں فلسفہ میں ایم اے' جامعہ پنجاب سے ۱۹۷۲ء میں ایم اے انگریزی اور ۱۹۸۲ء میں کنگز کالج لندن سے فلسفہ میں ڈاکٹریٹ حاصل کی۔

۹۔ منظور حسین سیال

آپ کے والد ماجد خان کبیر خاں جھنگ کے ایک زمیندار تھے۔ سیال گھرانے سے تعلق ہے۔

منظور حسین سیال ۲۵ مارچ ۱۹۳۱ء کو جھنگ میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج جھنگ سے ۱۹۵۳ء میں بی اے اور پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ۱۹۵۵ء میں فلسفہ میں ایم اے کی ڈگری لی۔ جامعہ پنجاب سے ۱۹۵۷ء میں ایل ایل بی کیا۔ کمیشن کے ذریعہ منتخب ہو کر گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج شیخوپورہ میں ستمبر ۱۹۵۷ء میں لیکچرار فلسفہ تعینات ہوئے۔ جنوری ۱۹۶۳ء تک کالج میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ فلسفہ کے علاوہ آپ طلباء کو انگریزی زبان و ادب بھی پڑھایا کرتے تھے۔ سٹوڈنٹس یونین کے انچارج' سٹاف سیکرٹری اور کالج لائبریری کے انچارج بھی تھے۔ ڈگری کالج کی عمارت کی تعمیر کے لئے حصول اراضی کے لئے بڑی تگ و دو کی۔ اس اراضی میں آب پاشی کے لئے ایک پانی کا کھالا گزرتا تھا اس کی گزرگاہ کو فوجیوں کی مدد سے تبدیل کیا۔ ۱۹۶۱ء کالج میں پہلا کانووکیشن منعقد کرایا۔ مہمان خصوصی کی حیثیت سے سپریم کورٹ کے جج مسٹر جسٹس ایس اے رحمان کو مدعو کیا۔ سٹڈی سرکل شیخوپورہ کے سیکرٹری کی حیثیت سے تعلیم کے سلسلہ میں طلباء کی بڑی مالی معاونت کی۔

۱۹۶۳ء میں آپ نے محکمہ تعلیم کو خیرباد کہہ دیا اور وکالت کے پیشہ کو اپنا لیا۔ لاء کالج لاہور میں ۱۹۶۹ء میں ۱۹۷۹ء تک بطور لاء پروفیسر رہے۔ ۱۹۷۹ء میں لاہور ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے۔ ۱۹۹۳ء سے ۲۴ مارچ ۱۹۹۶ء تک سپریم کورٹ آف پاکستان میں بطور جج فرائض انجام دیئے۔ ۲۴ مارچ ۱۹۹۶ء کو آپ ریٹائر ہوئے ہیں۔ ۲۶ جنوری ۱۹۹۷ء سے آپ صوبائی محتسب کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

دوران ملاقات آپ نے جھنگ کالج کے اپنے انگریزی کے پروفیسر محمد اقبال اور شیخوپورہ کالج میں ملازمت کے دوران ایک شاگرد سید خورشید حسین بخاری کو اچھے لفظوں سے یاد کیا۔ آپ نے ایک اور شاگرد نذیر حسین کا ذکر بھی کیا۔

۱۰۔ حمید احمد چوہدری

گورنمنٹ ڈگری کالج شیخوپورہ میں آپ ۱۹۵۹ء میں تبدیل ہو کر آئے تھے۔ صدر شعبہ اکنامکس کی حیثیت سے ۳۰ جون ۱۹۶۰ء تک آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں۔

۱۹۶۰ء میں P C S میں کامیاب ہوئے اور یکم جولائی ۱۹۶۰ء کو ایک نئے عہدہ پر تقرری ہوئی۔ نو برس تک ڈویژنل اور ضلعی کوآپریٹو سوسائٹیز کے سربراہ رہے۔ چار برس تک مغربی پاکستان کے کوآپریٹو ڈیپارٹمنٹ میں جنرل منیجر' گھی کارپوریشن میں جنرل منیجر۔ ملازمت کا زیادہ حصہ کوآپریٹو ڈیپارٹمنٹ میں گزارا۔ اسی شعبہ سے متعلق مختلف ڈپلومے دنیا کے مختلف ملکوں سے حاصل کئے۔ بین الاقوامی سیمینار میں ملک کی نمائندگی بھی کی۔ کوآپریٹو پر کئی تحقیقی مقالے لکھے ہیں۔

آج کل یکم جون ۱۹۹۸ء سے صوبائی محتسب لاہور میں ایک ایڈوائزر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

حمید احمد کر تو پنڈوریاں ضلع شیخوپورہ کے رہنے والے ہیں۔ والد چوہدری محمد اصغر محکمہ پولیس میں ڈی آئی جی تھے۔ دادا خان بہادر سردار غلام محی الدین کیولری میجر تھے۔ حکومت کی جانب سے او بی آئی کا خطاب ملا تھا۔ حمید احمد ۱۰ ستمبر ۱۹۳۴ء کو پیدا ہوئے گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۹۵۵ء میں بی اے' اور جامعہ پنجاب سے ۱۹۵۷ء میں ایم اے اکنامکس کیا۔ کمیشن کے ذریعہ منتخب ہوئے اور راولپنڈی کے کالج میں ۹ ستمبر ۱۹۵۷ء کو پہلی

تقرری ہوئی۔

۱۱۔ ڈاکٹر محمد لطیف خاں

آپ گورنمنٹ کالج شیخوپورہ میں ستمبر ۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۵ء تک لیکچرار کیمسٹری رہے۔ اکتوبر ۱۹۹۸ء سے گورنمنٹ اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور میں بطور پرنسپل خدمات انجام دے رہے ہیں۔

آپ کے والد ماجد حاجی غلام حسین پسر خدا بخش جنڈیالہ باغ والا ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے ہیں۔ محمد لطیف نے سول لائنز کالج سے ۱۹۶۲ء میں بی ایس سی اور جامعہ پنجاب سے ۱۹۶۴ء میں کیمسٹری میں ایم ایس سی کی ڈگری لی' کنگز کالج لندن سے ۱۹۷۸ء میں کیمسٹری میں پی ایچ ڈی کی۔

۱۲۔ سید اکبر علی شاہ

شیخوپورہ کالج کے صدر شعبہ انگریزی کے صدر پروفیسر انور علی سید کے والد ماجد تھے۔ اکبر علی کے والد سید حسین شاہ تھے۔ سید حسین شاہ اپنے دو بھائیوں کے ہمراہ لطیف شاہ اور امام شاہ ۱۹ ویں صدی کے وسط میں نقل مکانی کر کے گجرات شہر کی فصیل سے باہر آباد ہو گئے۔ سید اکبر علی ٦ جون ۱۹۱۱ء کو گجرات میں پیدا ہوئے۔ گجرات کے زمیندار ہائی سکول سے میٹرک' گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے اور قیام پاکستان سے قبل پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم۔اے فارسی و انگریزی کئے۔ آزادی وطن کے بعد ایم اے فلسفہ کیا۔ گورداس پور اور پٹھان کوٹ کے میونسپل ہائی اسکولوں میں انگریزی کے استاد رہے۔ آزادی کے فوراً" بعد ڈسٹرکٹ بورڈ ہائی سکول بھلوال میں کچھ عرصہ پڑھایا۔ پھر سرکاری ملازمت میں منتخب ہو کر ۱۹۵۲ء میں گورنمنٹ کالج جھنگ میں لیکچرار انگریزی تعینات ہوئے۔ ۱۹۶۳ء میں گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول شیخوپورہ تبدیل ہو کر آئے اور اسی کالج سے ۱۹۶۸ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔ ۱۴ مئی ۱۹۸۳ء کو آپ نے شیخوپورہ میں وفات پائی۔ تدفین کیلئے آپ کا جسد خاکی گجرات لے جایا گیا اور آبائی قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔

کلام اقبال کو آپ بہت پسند کرتے تھے۔ بال جبرئیل کا آپ نے انگریزی ترجمہ GABRIEL'S WING کے نام سے کیا۔ صرف غزلیات کا ترجمہ ہے۔ جولائی ۱۹۷۹ء میں ماڈرن بک ڈپو اسلام آباد سے شائع ہوا۔ پیش لفظ ڈاکٹر جاوید اقبال نے تحریر کیا ہے۔

ضرب کلیم کا انگریزی ترجمہ THE ROD OF MOSES کے نام سے کیا۔ اقبال اکادمی پاکستان لاہور نے اگست ۱۹۸۳ء میں ۱۷۰ صفحات پر اسے شائع کیا۔

۱۳۔ مسیح الزماں خاں

شیخوپورہ کے کالج میں پہلی مرتبہ آپ ۱۹۷۳ء میں تبدیل ہو کر آئے تھے۔ دوسری مرتبہ ۱۹۸۶ء میں یہاں آئے۔ ریاضی کے سربراہ اور وائس پرنسپل کی حیثیت سے کالج میں خدمات انجام دیں۔ ۵ دسمبر ۱۹۸۸ء کو گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ بطور پرنسپل تبدیل ہو گئے۔ وہاں سے ۹ ستمبر ۱۹۹۴ء کو محکمہ تعلیم کی ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔ آج کل افغان پارک سنت نگر لاہور میں مستقل طور پر رہائش پذیر ہیں۔

آپ کے والد ماجد میاں محمد ابراہیم خاں ولد ضیاء الدین خاں زراعت کے پیشہ سے وابستہ تھے اور ضلع جالندھر کے رہنے والے تھے۔ مسیح الزماں خاں ۱۰ ستمبر ۱۹۳۴ء کو پیدا ہوئے ایمرسن کالج ملتان سے ۱۹۵۳ء میں بی اے۔ جامعہ پنجاب سے ۱۹۵۵ء میں ایم۔ایس۔سی ریاضی کیا۔ کمیشن کے ذریعہ ۷ دسمبر ۱۹۵۵ء کو لیکچرار ریاضی تعینات ہوئے۔ بڑے ہنس مکھ اور اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔

۱۴۔ مظہر حسین ملک

آپ کے والد ملک بڈھا پسر ملک غلام فرید شاہدرہ ٹاؤن کے رہنے والے تھے۔ ککے زئی گھرانہ سے تعلق ہے۔ مظہر حسین ۱۸ جون ۱۹۳۵ء کو شاہدرہ میں پیدا ہوئے۔ مقامی ہائی سکول سے ۱۹۵۰ء میں میٹرک' اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور سے ۱۹۵۲ء میں انٹر' ۱۹۵۴ء میں بی اے اعزاز کے ساتھ پاس کیا۔ اسی کالج سے ۱۹۵۷ء میں ریاضی میں ایم ایس سی۔

کمیشن کے ذریعہ منتخب ہوئے۔ پہلی تقرری انٹرکالج مانسہرہ میں ۲۸ فروری ۱۹۶۱ء کو بطور لیکچرار ریاضی ہوئی۔ ۲۷ ستمبر ۱۹۶۳ء کو شیخوپورہ کے ڈگری کالج میں تبدیل ہو کر آئے۔ یہاں سے آپ ۱۷ جون ۱۹۹۵ء کو ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ صد افسوس سبکدوشی کے بعد آپ چند ماہ بیمار رہ کر ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۶ء کو اس فانی دنیا سے کوچ کر گئے۔

تصانیف : انگریزی میڈیم کے ریاضی کی نصاب کی کتاب برائے جماعت ششم۔ ستمبر ۱۹۸۸ء فرسٹ ایئر کے طلباء کے لئے الجبرا اور ٹرگنومیٹری' جون ۱۹۹۰ء' جماعت ششم کی ریاضی کی کتاب میں بھی آپ بطور مصنف شامل ہیں۔

۱۵۔ ڈاکٹر محمد پرویز

آپ کی تاریخ پیدائش ۲ جولائی ۱۹۴۴ء۔ حاجی محمد اسلم ولد کرم الٰہی کے لڑکے ہیں۔ وزیر آباد کے رہنے والے ہیں۔ زمیندار کالج گجرات سے ۱۹۶۶ء میں بی ایس سی اور پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ۱۹۶۸ء میں ایم ایس سی کیمسٹری کیا۔ یکم مئی ۱۹۷۰ء کو وزیر آباد کے کالج میں لیکچرار کیمسٹری تعینات ہوئے۔ نائیجریا کی BENIN یونیورسٹی سے ۱۹۸۵ء سے ۱۹۹۰ء کے دوران ڈاکٹریٹ حاصل کی۔ فروری ۱۹۹۰ء میں آپ شیخوپورہ کالج میں تبدیل ہو کر آئے ہیں۔

۱۶۔ محمد صدیق شبلی

عرصہ ۱۳ سال سے سٹاف سیکرٹری ہیں۔ آج کل صدر شعبہ فارسی ہیں۔ محمد صدیق شبلی کے والد محمد عیسیٰ بن محمد شادی' سندپور ضلع امرت سر کے گل راجپوت گھر سے تعلق رکھتے تھے۔ تقسیم ملک کے بعد موضع کوٹ سوندھا ضلع شیخوپورہ میں آباد ہوئے۔ محمد صدیق ۱۴ جون ۱۹۴۰ء کو پیدا ہوئے۔ فارمل سکول گکھڑ سے ۱۹۶۰ء میں ایس وی کیا۔ پرائیویٹ سب تعلیم حاصل کی۔ ۱۵ نومبر ۱۹۶۰ء کو کٹھیالہ ورکاں میں مدرس مقرر ہوئے۔ کمیشن کے ذریعہ منتخب ہو کر ۵ نومبر ۱۹۷۵ء کو اسلامیہ کالج قصور میں لیکچرار فارسی تعینات ہوئے۔ سانگلہ ہل کے بعد ۲۱ جنوری ۱۹۸۲ء کو شیخوپورہ کالج میں تبدیل ہو کر آئے ہیں۔

۱۷- ڈاکٹر گلزار احمد خاں

گورنمنٹ کالج شیخوپورہ کے شعبہ بیالوجی میں پروفیسر ہیں۔ ۲۷ جنوری ۱۹۹۸ء کو آپ نے یہاں ڈیوٹی لی تھی۔ منظور احمد خاں کے گھر ۱۱ دسمبر ۱۹۵۴ء کو سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ میٹرک اور انٹرمیڈیٹ تک پشاور میں تعلیم حاصل کی۔ گورنمنٹ کالج سرگودہا سے ۱۹۷۶ء میں بی ایس سی کیا۔ ۱۹۸۰ء میں پشاور یونیورسٹی سے ایم ایس سی باٹنی۔ ۲۱ اگست ۱۹۸۱ء کو فیڈرل گورنمنٹ کالج واہ کینٹ میں لیکچرار تعینات ہوئے۔ لاہور کینٹ کے فیڈرل کالج میں بھی سات ماہ تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ پنجاب پبلک سروس کمیشن کے ذریعہ اسسٹنٹ پروفیسر منتخب ہوئے اور گورنمنٹ اسلامیہ کالج فیصل آباد میں جنوری ۱۹۸۹ء میں ڈیوٹی لی۔ یہاں کی زرعی یونیورسٹی سے باٹنی میں ایم فل کیا۔ ۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۷ء تک تحقیق کے سلسلہ میں گورنمنٹ اسکالر شپ پر لندن میں قیام رہا اور کنگز کالج لندن سے باٹنی میں پی ایچ ڈی کی سند فضیلت حاصل کی۔ اس عرصہ میں آپ اقوام متحدہ کے ماحولیات کے پروگرام سے بھی منسلک رہے۔ اکتوبر ۱۹۹۷ میں ملک واپس آئے۔ پہلی تقرری شیخوپورہ کالج میں ہوئی۔ کمیشن کے ذریعہ آپ گریڈ ۱۹ میں ایسوسی ایٹ پروفیسر منتخب ہوئے اور نئے گریڈ میں ۲۹ دسمبر ۱۹۹۸ء کو ڈیوٹی لی۔

ایک اور قابل ذکر طالب علم کا ذکر کیا جاتا ہے جنہوں نے ابتدا میں پاکستان فوج میں خدمات انجام دیں اور آج کل وہ محکمہ تعلیم سے وابستہ ہیں۔

ستارہ جرات کے حامل محمد خان اشرف ولد فضل محمد خان ولد رانا اسد اللہ خان، مانانوالہ کے رانا راجپوت گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اشرف صاحب ۸ نومبر ۱۹۴۱ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۷ء میں میٹرک کر کے گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج شیخوپورہ میں داخل ہوئے۔ ۱۹۵۹ء میں یہاں سے انٹرمیڈیٹ کیا۔ کالج میں اول آئے شیخوپورہ کے ڈگری کالج سے ۱۹۶۱ء میں بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۶۳ء میں اورنٹل کالج لاہور سے ایم اے اردو کیا۔ ۶۷-۱۹۶۴ء ننکانہ کالج میں لیکچرار اردو رہے۔ ۱۹۶۷ء میں پاک فوج میں بھرتی ہو گئے۔ ۲۵ برس تک یہاں خدمات انجام دیں۔ ۱۹۸۷ء میں بطور میجر ملازمت سے ریٹائر ہو گئے، کمیشن کے ذریعے محکمہ تعلیم میں لیکچرار اردو منتخب ہوئے۔ ۱۸ جنوری ۱۹۸۸ء کو ڈیوٹی لی۔ اسلامیہ

کالج ریلوے روڈ لاہور میں ابتدائی سال تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۹۹۴ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں تبدیل ہو کر آ گئے۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے آپ نے اردو میں ڈاکٹریٹ حاصل کی۔ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ ڈاکٹریٹ کا موضوع

اردو تنقید کا رومانی دبستان

زنانہ تعلیمی ادارے

۱۔ ایم بی مسلم پردہ سکول:

۱۹۲۹ء میں یہ ادارہ موجود تھا۔ ہیڈ مسٹریس ۴۱ روپے ماہوار اور دوسرے استانی مس برکت ۳۰ روپیہ مشاہرہ پاتی تھیں۔ جون ۱۹۲۹ء میں یہاں طالبات کی تعداد ۱۱۰ تھی۔ ہیڈ مسٹریس نے مختار بیگم کو نئی استانی رکھنے کی سفارش کی جو منظور ہوئی۔

۲۔ گورونانک گرلز سکول:

سری گورو نانک سبھا کے تحت یہ سکول تھا۔ اسے خالصہ گرلز سکول بھی کہا جاتا تھا۔ ۱۹۳۱ء میں شہر میں یہ سکول موجود تھا۔ گرانٹ ان ایڈ کے تحت یہ سکول تھا۔ بلدیہ شیخوپورہ نے تین صد روپے مدد دی تھی۔ ۱۷ مارچ ۱۹۳۲ء کے بلدیہ کے اجلاس میں ۸۵ روپیہ کے مدد دینے کی منظوری دی گئی۔ ۱۹۳۴ء میں بلدیہ نے ۴۲ روپے ماہوار مالی مدد کے طور پر ۵۰۴ روپے سکول کو ادا کئے۔ دو برس بعد بلدیہ نے آٹھ سو روپے سالانہ امداد کر دی۔ پانچ برس بعد دس سو پندرہ روپے اور بارہ آنے اور ۱۹۴۵ء میں پندرہ سو تریسٹھ روپے سالانہ مدد دی گئی۔

۳۔ مشن پردہ گرلز سکول:

۱۹۲۷ء میں یہ سکول موجود تھا۔ بلدیہ شیخوپورہ نے اکتوبر نومبر سے دسمبر ۱۹۲۸ء کے لئے بانوے روپے بارہ آنے مدد دی تھی۔ جولائی ۱۹۲۹ء میں MISS M.R. MARLIN اس درس گاہ کی منیجر تھی۔ ۳۰ - ۱۹۲۹ء میں بلدیہ نے ۴۲۰ روپے مالی مدد دی تھی۔

۴- ہندی سکول

ہندوؤں کا تعلیمی ادارہ، بلدیہ نے ۲۶ - ۱۹۲۴ء کے دوران ۱۴۴ روپے مالی مدد دی تھی۔

۵- گورنمنٹ گرلز ہائی سکول نمبر ا شیخوپورہ

میں ایک پرائمری گرلز سکول ڈسٹرکٹ بورڈ کے تحت تھا۔ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکولز نے یکم مارچ ۱۹۲۴ء کو اسے مڈل درجہ دینے کی سفارش کی۔ اس طرح ڈسٹرکٹ بورڈ کو ۱۱۰ روپے زیادہ اخراجات برداشت کرنے پڑیں گے۔

۲۲ مئی ۱۹۴۳ء کو ایس امانت اللہ اسسٹنٹ انسپکٹریس آف اسکولز برائے گھریلو سائنس ملتان اور راولپنڈی سرکل، راولپنڈی نے سکول کے حصہ پرائمری اور حصہ مڈل معائنہ کیا۔ فروری ۱۹۴۴ء میں خواتین اساتذہ کی تعداد ۱۵ تھی۔ مسز اے نجم الدین ہیڈ مسٹریس ۱۲۰ روپے مشاہرہ پاتی تھیں۔ آٹھ غیر مسلم اور چھ مسلمان استانیاں تھیں۔ قیام پاکستان سے قبل طالبات کی تعداد ۵۱۵ تھی۔ تقسیم ملک کے وقت غیر مسلم طالبات کی ایک بڑی تعداد بھارت چلی گئی۔ ۱۹۵ مہاجر لڑکیاں نئی داخل ہوئیں۔ شہر میں نئی نئی آبادیاں قائم ہونے سے لڑکیوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔

تعداد طالبات : ۱۹۴۴ : ۳۹۸، ۱۹۴۵ : ۴۲۴، ۱۹۴۷ : ۳۶۰۔
۱۹۴۸ : ۵۲۰، ۱۹۴۹ : ۵۱۵، ۱۹۸۰ : ۲۹۶۳۔

نتائج	پاس	فیل
۱۹۴۵ء	۲۲	۳
۱۹۴۸	۱۵	۴
۱۹۵۸	۲۹	۱
۱۹۷۶ء	۱۹	۵۰

۱۹۴۵ء میں خواتین اساتذہ کے نام :

اے نجم الدین ہیڈ مسٹریس	۲۵۰ روپے ماہوار
مسماۃ فاطمہ بٹ بی-اے، بی-ٹی	۸۰ روپے ماہوار
مس بی اے چوہان، بی اے-بی ٹی	۸۰ روپے ماہوار

گیان کور' ایس وی	۷۰ روپے ماہوار
لشمی دیوی ایس وی	۷۰ روپے ماہوار
مسماۃ اللہ رکھی ایس وی	۷۰ روپے ماہوار
میلا دیوی ایس وی	۷۰ روپے ماہوار
مسماۃ امت العزیز جے اے وی	۶۱ روپے ماہوار
مسماۃ کرامت بیگم جے اے وی	۵۵ روپے ماہوار
رام کماری جے اے وی	۵۵ روپے ماہوار
مسماۃ محمودہ بیگم' ایس وی	۵۰ روپے ماہوار
مسماۃ سرور جان ایس وی	۵۰ روپے ماہوار
مس سوتی' ایس وی	۵۰ روپے ماہوار
مسمات نذیر بیگم ایس وی	۵۰ روپے ماہوار

قیام پاکستان کے موقعہ پر غیر مسلم خواتین اساتذہ نقل مکانی کر کے بھارت چلی گئیں۔ ان کی جگہ مہاجر مسلم خواتین اساتذہ نے لے لی۔ ان میں ایک حمیدہ بانو تھی جو پہلے گورنمنٹ گرلز ہائی سکول گورداسپور میں استانی تھیں۔ حمیدہ بانو کے والد کا نام سید غلام احمد ولد اللہ دتہ تھا۔ والدہ پیراں بی بی نو مسلم خاتون تھی۔ حمیدہ بانو کے ماموں مولوی حاکم علی (۱۹۲۵ - ۱۸۶۹ء) اسلامیہ کالج لاہور کے دوسرے پرنسپل (۱۸۹۹) تھے تفصیلات کے لئے دیکھیے تذکار محمود ۱۹۹۸ء۔

میٹرک کے امتحان میں سکول میں اول آنے والی طالبات :

۱۹۹۳ء	سائرہ رؤف	۷۲۵ نمبر
۱۹۹۴ء	سائرہ گیلانی	۷۲۱ نمبر
۱۹۹۵ء	ذکیہ سلطانہ	۶۹۲ نمبر
۱۹۹۶ء	عظمیٰ صباحت	۷۴۲ نمبر
۱۹۹۷ء	لبنیٰ نصیر	۷۱۳ نمبر
۱۹۹۸	رابعہ اکرم	۷۱۰ نمبر

۱۹۸۶ء میں میٹرک میں ریحانہ زیب لاہور بورڈ میں تھرڈ آئی۔

ہیڈ مسٹریس صاحبان اور ان کے ادوار:

۱۔ مس بینرجی	اپریل ۱۹۳۰	اگست ۱۹۳۲ء
۲۔ مس سالک	ستمبر ۱۹۳۶ء	اکتوبر ۱۹۳۶ء
۳۔ مس ناگا	اکتوبر ۱۹۳۶	اپریل ۱۹۴۰ء
۴۔ مسز نجم الدین	ستمبر ۱۹۴۰ء	مئی ۱۹۴۶ء
۵۔ مسز ایف ہوگس	مئی ۱۹۴۶	مارچ ۱۹۵۱ء
۶۔ مسز قیصرہ ملک	اپریل ۱۹۵۱	جون ۱۹۵۲ء
۷۔ مسز آئی بی رفیق	جولائی ۱۹۵۲ء	اکتوبر ۱۹۶۰
۸۔ مسز ایم ضیاء اللہ	۸ اکتوبر ۱۹۶۰ء	اکتوبر ۱۹۶۴ء
۹۔ مسز ایف بی سلیم	۸ اکتوبر ۱۹۶۴	۱۲ مئی ۱۹۶۷
۱۰۔ مسز یو بی عنایت اللہ	۱۳ مئی ۱۹۶۷	۱۱ ستمبر ۱۹۶۷ء
۱۱۔ مسز ایف بی سلیم	۱۲ ستمبر ۱۹۶۷	۲۸ اگست ۱۹۷۲ء
۱۲۔ مسز ایم شاہ محمد	۲۹ اگست ۱۹۷۲ء	۱۰ جنوری ۱۹۸۲ء
۱۳۔ مسز این عنایت اللہ	۲۱ جنوری ۱۹۸۲ء	۴ ستمبر ۱۹۸۹ء
۱۴۔ مسز شمیم عالم	۵ ستمبر ۱۹۸۹	۱۹ اگست ۱۹۹۳ء
۱۵۔ مسز زکیہ الیاس رضا	۲۰ اگست ۱۹۹۳	یکم جنوری ۱۹۹۴ء

موجودہ ہیڈ مسٹریس مس شمیم اختر بھٹی ۲ جنوری ۱۹۹۴ سے خدمات انجام دے رہی ہیں۔ آپ چوہدری بشیر احمد بھٹی کی دختر ہیں۔ تعلیم ایم اے بی ایڈ ہے۔ اسی اسکول سے آپ نے ۱۹۵۸ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا تھا۔

اس وقت خاتون اساتذہ کی تعداد ۷۱ ہے۔ طالبات کی تعداد:

۱۹۹۶ء میں ۲۸۴۳' ۱۹۹۷ء میں ۲۵۱۶' ۱۹۹۸ء: ۲۲۹۶' ۱۹۹۹ء: ۲۳۰۸ء

مس ایم شاہ محمود کا پورا نام محمودہ بیگم ہے۔ بیرسٹر شاہ محمد کی دختر تھیں۔ محمودہ بیگم نے ملازمت کے دوران ہی وفات پائی تھی۔

مسز شمیم عالم کے خاوند محمد عالم گورنمنٹ کالج شیخوپورہ میں پروفیسر و صدر شعبہ ریاضی ہیں۔ مسز شمیم عالم شیخوپورہ سے تبدیل ہو بطور ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر اوکاڑہ چلی گئی تھی۔

۲۵ دسمبر ۱۹۹۴ء کو آپ ملازمت سے ریٹائر ہوئیں۔

۶۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول نمبر ۲

اس درس گاہ کا قیام ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۳ء کو عمل میں آیا۔ سکول کی موجودہ عمارت کا سنگ بنیاد ڈاکٹر عبدالخالق وزیر تعلیم حکومت پنجاب نے ۱۷ مارچ ۱۹۷۵ء کو رکھا تھا۔ فروری ۱۹۹۱ء میں طالبات کی تعداد ۲۱۴۹ تھی۔ تعداد اساتذہ ۳۹۔

۱۹۸۰ء میں یہاں کی طالبات نے پہلی بار لاہور بورڈ کا امتحان دیا۔ اسکول کا رقبہ ۱۲۰ کنال ۱۹ مرلے ہے ۱۹۹۰ء میں ۲۲ کمروں پر مشتمل ایک الگ بلاک تعمیر ہوا ہے۔

سکول کی ہیڈ مسٹریس صاحبان کے نام و ادوار

۱۔	مس رضیہ غنی	اکتوبر ۱۹۷۸	جون ۱۹۷۹
۲۔	مس خالدہ درانی	جولائی ۱۹۷۹	اپریل ۱۹۸۱
۳۔	مس بے فضل الدین	مئی ۱۹۸۱	نومبر ۱۹۸۲
۴۔	مسز نجم نعمانی	دسمبر ۱۹۸۲	مئی ۱۹۸۶
۵۔	مسز ناظرہ عباس	اکتوبر ۱۹۸۶	۲۱ دسمبر ۱۹۹۶
۶۔	شہناز امین	۲۲ دسمبر ۱۹۹۶	۱۹ اگست ۱۹۹۷
۷۔	ناظرہ عباس	۲۰ اگست ۱۹۹۷	۱۹ جنوری ۱۹۹۹، ریٹائر ہو گئیں۔
۸۔	مسز مقدس امین کاہلونی	۲۰ جنوری ۱۹۹۹	کاہلوں

تعداد طالبات : ۱۹۸۷ء: ۱۵۸۶، ۱۹۸۸ : ۱۹۷۱، ۱۹۹۰ء: ۲۷۵۲، ۱۹۹۱ : ۲۳۵۲۔

سکول میں اول آنے والی طالبات :

۱۹۹۰	رومانہ حنیف	۶۹۹ نمبر
۱۹۹۱	ثمینہ لطیف	۷۳۱ نمبر
۱۹۹۲	فائزہ اشرف	۷۱۷ نمبر
۱۹۹۳	فریحہ صبا	۷۲۲ نمبر
۱۹۹۴	صائمہ کنول	۷۰۰ نمبر
۱۹۹۵	میمونہ ساجد	۷۶۷ نمبر

۱۹۹۶	عصمہ ارشد	۶۹۳ نمبر
۱۹۹۷	نازیہ محمود	۷۵۵ نمبر

۷- فاطمہ جناح گرلز ہائی سکول

چوہدری عبدالغنی ایڈووکیٹ نے لڑکیوں کی تعلیم کے لئے یہ ادارہ ۱۹۵۲ء میں قائم کیا۔ اس کے قیام سے قبل آپ کراچی گئے اور محترمہ فاطمہ جناح سے باقاعدہ اجازت حاصل کی۔ محترمہ نے شیخوپورہ میں خود آنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ سرکاری سطح پر یہ پروگرام طے ہوا مگر بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر آپ یہاں تشریف نہ لا سکیں۔

ابتدا میں ۴-۵ ماہ یہ اسکول شہر میں رہا۔ پھر کھوکھر محلّہ میں منتقل ہو گیا۔ وہاں سیاسی مخالفت شروع ہو گئی۔ ۱۹۵۵ء کے قریب موجودہ جگہ پر سکول منتقل ہوا۔ میونسپل کمیٹی نے عمارت کی تعمیر کے لئے ۲۵۰۰۰ روپیہ کی مالی مدد فروری ۱۹۶۴ء میں دی۔

سکول میں تعداد طالبات ایک ہزار اور اساتذہ ۳۵ ہیں۔ لاہور بورڈ میں میٹرک کا امتحان دینے والی طالبات کا نتیجہ ہمیشہ اچھا رہا ہے۔ گزشتہ پانچ سالوں کے نتائج ملاحظہ ہوں

سن	کل طالبات	پاس	فیل	نتیجہ فیصد
۱۹۹۴ء	۱۵۹	۱۱۸	۴۱	۷۴.۳۰٪
۱۹۹۵	۱۴۴	۱۳۴	۱۰	۹۳.۰۰٪
۱۹۹۶ء	۱۸۲	۱۶۱	۲۱	۸۸.۴۶٪
۱۹۹۷ء	۱۸۷	۷۹	۱۰۸	۴۲.۷۵٪
۱۹۹۸ء	۱۴۵	۱۰۹	۳۶	۷۵.۱۷٪

۱۹۹۷ء میں ریاضی کے نصاب میں تبدیلی ہوئی اس لئے سب اسکولوں کا نتیجہ متاثر ہوا تھا۔ اسکول میں اول آنے والی طالبات

۱۹۸۷ء	تنزیل ارشد
۱۹۸۸ء	شازیہ سعید
۱۹۸۹ء	ربیعہ نجم
۱۹۹۰	ریحانہ نصیر

۱۹۹۱ء	کرن سرفراز
۱۹۹۲ء	ثوبیہ کرن
۱۹۹۳	مریم صفدر
۱۹۹۴ء	صائمہ منظور
۱۹۹۵ء	شبانہ صدف
۱۹۹۶ء	عاصمہ مقبول
۱۹۹۷ء	سعدیہ کوثر
۱۹۹۸ء	عثمانہ شفیع

۸۔ فاطمہ جناح ڈگری کالج برائے خواتین

شیخوپورہ کے سرکاری کالجوں میں مخلوط تعلیم کا سلسلہ جاری تھا۔ چوہدری عبدالغنی ایڈووکیٹ نے دوسرے احباب کے ساتھ مل کر ایجوکیشنل سوسائٹی شیخوپورہ کے تحت ۱۹۶۶ء میں لڑکیوں کے لئے یہ کالج قائم کیا پہلے سال بی اے کا ۸۷ فیصد نتیجہ رہا۔ فاطمہ جناح گرلز سکول کی عمارت میں آغاز ہوا۔

اس کالج کی پرنسپل شیخوپورہ کی خالدہ ادیب خانم (ایم اے اردو) تھیں۔ ۱۹۷۱ء میں ذکیہ خانم ایم اے اردو اس کالج میں لیکچرار اردو مقرر ہوئی تھیں۔

۱۹۷۲ء میں جب تمام تعلیمی اداروں کو قومی تحویل میں لیا تو یہ کالج بھی گورنمنٹ انٹر کالج برائے خواتین میں مدغم ہو گیا۔

۹۔ گورنمنٹ کالج برائے خواتین شیخوپورہ

۱۹۵۷ء سے ۱۹۶۷ء تک لڑکیاں گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول ہی میں لڑکوں کے ساتھ تعلیم حاصل کرتی رہیں۔ ۱۹۶۸ء میں شہر میں لڑکیوں کے لئے ایک الگ ڈگری کالج حکومت نے قائم کیا۔ کالج کی پہلی پرنسپل سکینہ محمود تھیں۔ آپ نے ۲۴ ستمبر ۱۹۶۸ء کو بطور پرنسپل چارج لیا۔ ۳ جولائی ۱۹۶۹ء کو آپ ملازمت سے ریٹائر ہو گئیں۔ آپ کے شوہر سید یوسف

محمود (۸۷ - ۱۹۱۹ء) بحریہ میں آفیسر تھے۔ یوسف محمود گروپ کیپٹن سید فیاض محمود کے چھوٹے بھائی تھے۔ بٹالہ کے سید گھرانہ سے ان کا تعلق تھا۔ خواتین کالج، ہائر سیکنڈری اسکول ہی کی عمارت میں قائم ہوا تھا۔ جس کی عمارت کا افتتاح وزیر تعلیم نے ۲۱ فروری ۱۹۵۵ء کو کیا تھا۔ ۱۹۷۲ء میں چوہدری عبدالغنی کا پرائیویٹ گرلز کالج اس میں ضم کر دیا اور اس طرح ستمبر ۱۹۷۲ء میں یہ ڈگری کالج ہو گیا۔ پرنسپل مس مریم خان کے دور میں کالج میگزین شالی زار ۱۹۷۱ء میں پہلی بار شائع ہوا۔ ۱۹۷۵ء میں کالج میں ڈسپنسری کھلی۔ فروری ۱۹۷۳ء میں کالج میں پہلا سپورٹس ڈے منایا گیا۔ فروری ۱۹۷۵ء میں پہلا کانووکیشن ہوا۔ اس کے بعد ۱۹۷۵ء، ۱۹۷۷ء، ۱۹۸۴ء، ۱۹۹۰ء اور ۱۴ فروری ۱۹۹۸ء کو کانووکیشن ہوئے۔ ستمبر ۱۹۸۶ء میں ایم اے اسلامیات کی کلاسز کا اجرا ہوا۔ نتیجہ ہمیشہ سو فیصد رہا۔ ایم اے کا نیا بلاک مارچ ۱۹۸۴ء میں مکمل ہوا تھا۔ اسی دور میں ان کے لئے الگ ہوسٹل تعمیر ہوا۔ کالج کی اساتذہ اور خواتین ملازمین کے بچوں کے لئے یہاں ڈے کیئر سنٹر موجود ہے۔ اس وقت ۴۰۰۰ طالبات یہاں تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔

سائنس بلاک کا افتتاح حکومت پاکستان کے وزیر داخلہ خان عبدالقیوم خان نے ۱۸ فروری ۱۹۷۶ء کو کیا تھا۔ ۱۹۷۸ء میں روبینہ نزہت اور فرحت یاسمین نے تعلیمی وظائف حاصل کئے۔ ۱۹۷۹ء میں ناصرہ اسلام نے پری میڈیکل میں ۷۵۶ نمبر حاصل کر کے ضلع بھر میں اول رہی۔ ۱۹۸۰ء میں ثمینہ ریاض نے ایف اے میں وظیفہ اور لاہور بورڈ سے سلور میڈل حاصل کیا۔

۱۹۹۲ء میں کنول آفتاب نے پری میڈیکل میں ۸۴۳ نمبر حاصل کئے۔ آج کل گنگارام ہسپتال میں ہاؤس جاب کر رہی ہیں۔ ۱۹۹۴ء میں عتیقہ نذیر لاہور بورڈ میں اول آئی۔ ایم۔اے۔اسلامیات میں نتیجہ ہمیشہ ۱۰۰ فیصد رہا۔ ۱۹۹۷ء میں نیرہ افضل پنجاب یونیورسٹی میں تھرڈ رہی۔۹۷ - ۱۹۹۶ء کے سیشن میں فوزیہ یونیورسٹی میں اول رہی کالج میں خواتین پروفیسر صاحبان کی تعداد ساٹھ ہے۔ کالج کی پرنسپل صاحبان کے نام و ادوار

ایس ایس ایم فاضل	۱۰ ستمبر ۱۹۶۹ء	۲۰ دسمبر ۱۹۶۹ء
ڈاکٹر مس مریم خاں	۱۳ جنوری ۱۹۷۰ء	۳۱ اگست ۱۹۷۳ء
ثریا حسین ملک	یکم ستمبر ۱۹۷۳ء	۸ نومبر ۱۹۷۶ء

مس عذرا ناصر نسیم	۱۸ نومبر ۱۹۷۶ء	۱۴ دسمبر ۱۹۷۷ء
ڈاکٹر مسز این ـ جے تیموری	۱۵ دسمبر ۱۹۷۷ء	۷ جون ۱۹۸۷ء
مسز بشیرہ نگار	۸ جون ۱۹۸۷ء	۳ مارچ ۱۹۹۰ء
مسز ڈاکٹر میمونہ انصاری	۴ مارچ ۱۹۹۰ء	۲۸ جون ۱۹۹۱ء
مسز بشیرہ نگار	۲۹ جون ۱۹۹۱ء	۱۵ فروری ۱۹۹۸ء
فرزانہ	۱۶ فروری ۱۹۹۸ء	۱۹ مارچ ۱۹۹۸ء
ڈاکٹر عابدہ علی	۲۰ مارچ ۱۹۹۸ء	سے تا حال

آپ نے کمیشن کے ذریعہ گریڈ ۲۰ میں منتخب ہو کر ۶ اپریل ۱۹۹۹ء کو اس اسکیل میں ڈیوٹی لی ہے۔

بشیرہ نگار

آپ کے والد سیٹھ چراغ دین ولد غلام محمد' راجپوت رانا گھرانہ سے تعلق رکھتے تھے۔ فیروز پور کے رہنے والے تھے۔ قیام پاکستان کے موقع پر ہجرت کر کے کراچی آ گئے۔

بشیرہ نگار ۱۶ فروری ۱۹۳۸ء کو پیدا ہوئی۔ بچپن بمبئی میں گذرا' کراچی کے تعلیمی اداروں ہی سے ساری تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۶۱ء میں بی ایس سی آنرز کیا۔ ۱۹۶۲ میں کراچی یونیورسٹی سے فرسٹ ڈویژن میں ایم ایس سی فزکس کیا۔ دو برس تک گورنمنٹ کالج لاہور میں ریسرچ سے وابستہ ہیں۔ کمیشن کے ذریعہ منتخب ہو کر ۲۳ دسمبر ۱۹۶۴ء کو باغبانپورہ لاہور کے گرلز کالج میں لیکچرار فزکس تعینات ہوئیں۔ ۱۹۷۳ء میں گورنمنٹ کالج برائے خواتین شیخوپورہ تبدیل ہو کر آ گئیں۔ اسی کالج سے آپ ۱۵ فروری ۱۹۹۸ء کو ریٹائر ہوئی ہیں۔

۱۹۷۴ء سے ۱۹۷۹ تک آپ نے سرکاری سطح پر پروگنڈا میں تدریسی خدمات انجام دی تھیں۔ آپ کے خاوند ڈاکٹر طاہر حسین ولد ولایت حسین نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے فزکس میں ڈاکٹریٹ کی تھی اور محکمہ تعلیم میں پروفیسر تھے۔

ذکیہ سکندر

آپ کے والد ملک وریام خاں فیروز وٹواں کے رہنے والے ہیں۔ زمیندار تھے۔
ذکیہ ۱۲ دسمبر ۱۹۴۶ء کو پیدا ہوئیں۔ گورنمنٹ ڈگری کالج شیخوپورہ سے ۱۹۶۷ء میں بی۔اے کیا۔ ان دنوں کالج میں مخلوط تعلیم رائج تھی۔ پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۷۱ء میں ایم۔اے اردو اور اگلے برس بی ایڈ کیا۔ ۱۹۷۲ء میں فاطمہ جناح ڈگری کالج شیخوپورہ میں اردو لیکچرار مقرر ہو گئیں۔ آج کل گورنمنٹ کالج برائے خواتین شیخوپورہ میں صدر شعبہ اردو کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہی ہیں۔

آپ کے خاوند سکندر اعجاز گھمن محکمہ پولیس میں اے ایس آئی ہیں۔

ڈاکٹر عابدہ علی

لاہور کے کشمیری گھرانہ سے آپ کا تعلق ہے۔ آپ کے والد خواجہ محمد شریف ولد محمد بخش محکمہ ریلوے میں فورمین تھے۔

عابدہ علی ۲ نومبر ۱۹۴۲ء کو پیدا ہوئیں۔ آپ نے ۱۹۶۰ء میں میٹرک، ۱۹۶۳ء میں ایف اے اور ۱۹۶۵ء میں بی اے کیا۔ ۱۹۶۷ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اسلامیات اور ۱۹۶۸ء میں ایم اے عربی کیا۔ کمیشن کے ذریعہ منتخب ہو کر ۲۵ فروری ۱۹۶۹ء کو لیکچرار تعینات ہوئیں۔ ۱۹۹۱ء میں اسلامیات میں ڈاکٹریٹ کی سند فضیلت حاصل کی۔ موضوع تحقیق "اسلامی نظام معاشرت میں مسلمان عورت کا کردار" تھا۔ ملک کے اعلیٰ جرائد میں آپ کے تحقیقی مقالے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ملک کی سیرت کانفرنس میں آپ کے تحریر کردہ مقالے کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا اور اڑھائی ہزار روپے کے انعام سے نوازا گیا۔

۱۰۔ گورنمنٹ ووکیشنل انسٹی ٹیوٹ زنانہ

لڑکیوں کے مختلف فنون کے لئے حکومت نے ۱۹۵۰ء میں یہ ادارہ قائم کیا۔ لڑکیوں کو کڑھائی سلائی اور کٹنگ وغیرہ کی تربیت دی جاتی ہے۔ ادارہ میں تربیت حاصل کرنے والی طالبات کی تعداد ۱۲۶ ہے اور اساتذہ ۱۳ ہیں۔

۱۱۔ وارث شاہ ادارہ خصوصی تعلیم

حکومت پاکستان نے سماعت اور گویائی سے محروم بچوں کے لئے یہ ادارہ ۴ اکتوبر ۱۹۸۷ء کو شہر شیخوپورہ میں قائم کیا۔ مارچ ۱۹۹۱ میں یہاں ۶۸ طلباء زیر تعلیم تھے۔ ان میں ۴۲ لڑکے اور ۲۶ لڑکیاں ہیں۔ طلباء کو لانے اور لے جانے کے لئے ایک مزدا گاڑی کی سہولت بھی موجود ہے۔ مسز انور سعید (بنیادی اسکیل ۱۸) نے اس کی ابتدا کی تھی' ادارہ کی اپنی مستقل عمارت نہیں' کرایہ کی عمارتوں میں یہ ادارہ تربیت دے رہا ہے۔

۱۲۔ صنعت زار خواتین

محکمہ سوشل ویلفیئر حکومت پنجاب کے تحت یہ ادارہ ۱۹۷۹ء میں قائم ہوا۔ ۱۹۹۳ء میں اس کی اپنی عمارت دو منزلہ عمارت تعمیر ہوئی۔ تو یہ تربیتی ادارہ یہاں منتقل ہو گیا۔ ۱۹۹۳ء سے یہاں خواتین کو کمپیوٹر کی تربیت دی جانے لگی ہے۔ اس کے علاوہ لڑکیوں کو گھریلو علوم و فنون کی تعلیم و تربیت دی جاتی ہے۔ تعداد طالبات ۲۰۰ ہے' مسز رضیہ شاہ کے دور میں یہ قائم ہوا تھا۔ آج کل اس کے منیجر نصر اللہ خاں فروری ۱۹۹۹ء سے منیجر کے عہدے پر فائز ہیں۔

سرکاری اور میونسپل کمیٹی شیخوپورہ کے سکولوں کے علاوہ بہت سے پرائیوٹ سکول بھی شہر میں تعلیم پھیلانے میں پیش پیش ہیں۔ چند ایک کے مختصر حالات بیان کئے جاتے ہیں جو پختہ بنیادوں پر قائم ہیں۔

۱۔ نیشنل ماڈل اسکول

یہ ایک اعلیٰ اور معیاری درس گاہ ہے جو نجی سطح پر قائم کی گئی ہے۔ اشرفی نیشنل ایجوکیشن ٹرسٹ نے ۱۵ اپریل ۱۹۸۹ء کو اس ماڈل اسکول کو قائم کیا۔ ٹرسٹ کا صدر دفتر فرسٹ فلور نارتھ آرکیڈ ۷۳ جیل روڈ لاہور پر واقع ہے۔ ۸۷ - ۱۹۸۶ء

میں یہ ٹرسٹ قائم ہوا تھا۔ ٹرسٹیوں کے نام اور عطیات

۱۔ حاجی محمد بشیر ولد حاجی کرم دین	دس لاکھ روپے
۲۔ محمد طاہر ولد حاجی محمد بشیر	دو لاکھ روپے
۳۔ محمد عامر ولد حاجی محمد بشیر	دو لاکھ روپے
۴۔ ندیم بابر	ایک لاکھ روپے
۵۔ مسز اختر بشیر بیوہ حاجی محمد بشیر	ڈیڑھ لاکھ روپے
۶۔ مرحوم رفیق اشرفی ولد حاجی محمد بشیر	ایک لاکھ روپے
۷۔ محمد خلیق ارشد	ایک لاکھ روپے
۸۔ محمد شفیق ولد محمد رفیق اشرفی	ایک لاکھ روپے
۹۔ محمد فاروق اصغر	ایک لاکھ روپے
۱۰۔ محمد طارق نیاز	ایک لاکھ روپے

ٹرسٹ کے یہ سب اراکین آپس میں عزیز ہیں۔ NO PROFIT NO LOSS کی بنیاد پر یہ ادارہ قائم کیا گیا ہے۔ ان ٹرسٹیو میں ایک اور کا اضافہ ہوا ہے۔ وہ ہیں حلیم صاحب پاکستان لیدر ورکس کوٹ عبدالمالک کے آپ نے دو لاکھ روپے کا عطیہ دیا ہے۔ ۱۹۸۹ء میں درج ذیل اصحاب نے بھی عطیات دیئے ہیں۔

محمد شفیع ٹینریز شیخوپورہ	دو لاکھ روپے
عبدالغفار میمن کراچی اور فرخندہ اسلم بیوہ محمد اسلم شیخوپورہ	پندرہ پندرہ ہزار روپے
نسیم اللہ ٹریڈرز کسانہ فلورمل شیخوپورہ	پندرہ ہزار روپے
پیر محمد اشرف، چوہدری محمد نواز، لاہور شیخ محمد صدیق شیخوپورہ،	دس دس ہزار روپے
پریمئر پیپر ملز شیخوپورہ	ایک لاکھ روپیہ

۱۹۹۰ تک پچاس لاکھ روپے سکول کی تعمیر پر خرچ ہو چکے ہیں۔

اسکول انگریزی میڈیم ہے۔ ہائی درجہ تک ہے۔ ۱۹۹۹ء میں طلباء کی تعداد ۹۵۰۔
قطعہ اراضی جس پر سکول کی عمارت تعمیر ہوئی ہے۔ حکومت نے ۳۰ سال کے لئے لیز پر دی ہے، ٹرسٹ کے چیئرمین ضلع شیخوپورہ کے ڈپٹی کمشنر ہوتے ہیں۔ طلباء اور اساتذہ کے

لئے آمد ورفت کی سہولت موجود ہے۔

۲۔ فاطمہ جناح جونیئر ماڈل اسکول:

یہ پرائیویٹ ادارہ چوہدری عبدالغنی ایڈووکیٹ نے ۱۹۵۳ء میں قائم کیا تھا۔ ۱۹۷۵ء میں یہ پرائمری سکول تھا اور صرف ۳۲ بچے پڑھتے تھے۔

۱۹۹۶ء میں نویں جماعت کا اضافہ کیا۔ ۱۹۹۷ء میں دسویں جماعت تک یہ سکول ہو گیا۔ ۱۹۹۸ء میں پہلی بار میٹرک کی ۸ طالبات نے امتحان دیا اور سب کامیاب ہوئیں۔ اس وقت ۳۱۵ طلباء کی تعداد ہے اور خواتین اساتذہ ۱۱۔ شمیم رضا موجودہ ہیڈ مسٹریس ہیں جو ۱۹۷۵ء سے اس درس گاہ سے وابستہ ہیں۔ اسکول کی بہتری کے لئے ہمیشہ تگ و دو کرتی رہتی ہیں۔ سکول کے اخراجات فیسوں سے پورے کیئے جاتے ہیں۔ پرائمری تک ماہوار فیس ۱۴۰ روپے اور مڈل و ہائی کی ۱۳۰ روپے ہے۔

۳۔ سینٹ میریز سکول:

۱۹ اپریل ۱۹۸۲ء کو یہ تعلیمی ادراہ قائم ہوا۔ باقائدہ ایک ادارہ ایجوکیشن فاؤنڈیشن اسے چلا رہا ہے۔ ۱۹۷۵ء میں تعداد اساتذہ ۱۹ اور طلبا ۴۱۰ تھی۔ انگریزی ذریعہ تعلیم ہے۔

۴۔ ارقم جونیئر ماڈل اسکول:

پروفیسر عبدالجبار شاکر نے اس درس گاہ کو ۱۹۸۸ء میں قائم کیا۔ اس درس گاہ میں مڈل تک تعلیم دی جاتی ہے۔ طلباء کے تعداد تین سو اور تعداد اساتذہ ۱۱ ہے۔

۵۔ پنجاب پبلک ہائی سکول:

شیخوپورہ کا ایک بڑا اور معیاری اسکول جس کی ابتدا پاک فوج کے ایک ریٹائرڈ میجر مظفر حسین نے ۲ فروری ۱۹۹۲ء کو کی۔ شروع میں یہ درس گاہ مڈل تک تھی۔ ۱۹۹۵ء میں ہائی جماعتوں تک یہاں تعلیم دی جانے لگی۔ شیخوپورہ کی ہاؤسنگ کالونی کے شمال میں ۲۱ کنال کے وسیع رقبہ میں لڑکے اور لڑکیوں کے لئے الگ الگ خوب صورت اور بلند و بالا عمارتیں ہیں۔ اساتذہ کی تعداد ۳۰ اور تعداد طلباء ۷۵۰ ہے۔ طلباء کے لئے ٹرانسپورٹ کی سہولت بھی موجود ہے۔

میجر مظفر حسین ولد سید احمد اے حسین پسر سید اولاد حسین ضلع گورداسپور کے رہنے والے تھے۔ تقسیم ملک کے بعد ضلع سرگودہا میں آباد ہوئے۔ ۱۹۶۵ء سے ۱۹۹۰ء تک پاک فوج میں خدمات انجام دیں۔ آپ کے بڑے بھائی ریٹائرڈ گروپ کیپٹن مبشر اے حسین کاموں کی میں پنجاب پبلک سکول کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ چلا کر ملک کی تعلیمی حالت کو سدھارنے میں مصروف عمل ہیں۔

۶۔ فاران ماڈل اسکول:

چوہدری نذیر احمد ورک سابقہ ایم این اے اور شیخ جمیل احمد نے ایک ایجوکیشنل فاونڈیشن ۱۹۹۸ء میں قائم کی۔ اس فاونڈیشن کے تحت اپریل ۱۹۹۸ء میں چھٹی جماعت سے اس سکول کا آغاز کیا۔ اس سال چھٹی جماعت کے طلبا ساتویں جماعت میں ترقی پا گئے ہیں۔ اس طرح دسویں جماعت تک سکول ہو جائے گا۔

آفیسرز کالونی کے شمال میں حکومت سے خطعہ اراضی خرید کر پختہ عمارت تعمیر کی گئی، محکمہ تعلیم حکومت پنجاب نے مالی مدد کی ہے۔ سکول کے پرنسپل حافظ محمد فاضل ریٹائرڈ پروفیسر ہیں۔

میونسپل کمیٹی کے تعلیمی ادارے

میونسپل کمیٹی شیخوپورہ تعلیم کی مد میں ایک خطیر رقم سالانہ خرچ کرتی ہے۔ اس طرح خواندگی کی شرح بڑھانے میں ایک اہم کردار ادا کر رہی ہے۔

۱۹۹۳ء میں شہر میں بلدیہ کے ۴۰ اسکول تھے جن کے جملہ اخراجات بلدیہ ادا کرتی ہے۔ ان اسکولوں کی تفصیل درج ذیل ہے

پرائمری اسکول تعداد ۳۳

لڑکوں کے ۱۶

لڑکیوں کے ۱۷

مڈل اسکول:

لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے دو دو اسکول۔

ہائی اسکول:

تعداد ۴ یہ اسکول ماڈل سکول کہلاتے ہیں۔ ان میں پہلی جماعت سے انگریزی کی تعیلم دی جاتی ہے۔

(۱) ایم سی بوائز ہائی سکول' پرانہ شہر' شیخوپورہ۔
(۲) جونیئر ماڈل ہائی سکول' علامہ اقبال پارک' شیخوپورہ۔
(۳) ایم سی گرلز ہائی اسکول' اکبر بازار' شیخوپورہ۔

انجمن اسلامیہ نے اس اسکول کو قائم کیا تھا۔ یکم مارچ ۱۹۶۴ء کے بلدیہ کے اجلاس میں سیکرٹری انجمن اسلامیہ نے ایک مسلم سکول کھولنے کی اجازت طلب کی تھی۔ ۱۹۳۶ء کی بلدیہ کی کاروائی سے علم ہوتا ہے کہ بلدیہ ۲۴۰ روپے سالانہ گرانٹ اسے دیتی تھی۔ ۱۹۳۷ء میں مسز حیات اس کی ہیڈ مسٹریس تھی۔ ۱۹۴۵ء میں بلدیہ نے ۳۵۳/۹/۷ روپیہ سالانہ گرانٹ دی۔ ۱۹۵۴ء میں یہ مڈل درجہ تک تھا اور ۲۲۰۸ روپے گرانٹ ملتی تھی۔ میونسپل کمیٹی نے یکم جنوری ۱۹۵۵ء کو اسے اپنی تحویل میں لے لیا۔

(۴) ایم سی گرلز ہائی سکول جنڈیالہ روڈ شیخوپورہ

ان تعلیمی اداروں میں کل مرد اساتذہ ۱۲۵ اور خواتین اساتذہ ۱۶۵ ہیں۔ دوسرے ملازمین مرد ۱۸' خواتین ۳۵۔

۹۲ - ۱۹۹۱ء میں حکومت نے ۹۹۰۶۸ اور ۹۳ - ۱۹۹۲ء میں ۹۵۶۱۹ روپے گرانٹ دی تھی۔ جبکہ اخراجات ۱۷۴۴۰۰۰ روپے ہوئے۔

کھیلیں

شیخوپورہ شہر کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس کے شہری ہاکی اور کرکٹ کے میدان میں اپنے ملک کا نام روشن کیئے ہوئے ہیں۔ آزادی سے قبل پنجاب کی سطح پر ملک محمد انور ہاکی کے بہترین کھلاڑی تھے۔ کرکٹ کے کھیل میں چوہدری عبدالغنی ایڈووکیٹ ڈاکٹر عباس اولاد حسین' غلام حیدر' بابو بشیر' چاچا حق نواز کا نام تھا۔ آل انڈیا کی والی بال کی ٹیم میں بابو محمد شریف شامل تھے۔

آزادی وطن کے بعد درج ذیل جوان ملکی سطح پر ملک کی ٹیم میں شامل ہو کر بین الاقوامی میچوں میں اپنے بہترین کھیل کا مظاہرہ کر چکے ہیں۔

۱۔ اسد ملک:

ملک محمد شریف کے صاحبزادے ۱۹۴۱ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۶۱ء میں پاکستان کی ہاکی ٹیم میں منتخب ہوئے۔ ٹیم کے کپتان بھی رہے۔ ۱۹۶۴ء میں چوتھی ایشیائی ہاکی اولمپکس میں شرکت کی۔ ۱۹۶۶ء میں پانچویں ایشیائی المپکس بنکاک میں بھی کھیلے۔ ۱۹۶۸ء میں محکمہ ڈاک حکومت پاکستان نے ان کی تصویر کو اپنے ایک ٹکٹ کی زینت بنایا۔ ۱۹۷۲ء میں میونخ کے اولمپکس میں ملک کی نمائندگی کی۔ ۱۹۶۹ء میں حکومت نے صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی سے نوازا۔

PIA کراچی میں ملازم تھے۔ اب ریٹائر ہو چکے ہیں۔

۲۔ ملک سعید انور:

ملک محمد انور (۱۹۶۵۔۱۹۰۰) کے صاحبزادے اور اسد ملک کے عم محترم، گورنمنٹ ہائی سکول شیخوپورہ سے میٹرک کیا۔ پاکستان کی ہاکی ٹیم میں ۱۹۶۴ء میں جاپان، ۱۹۶۸ء میں میکسیکو اور ۱۹۷۲ء میں میونخ کے اولمپکس میں کھیلے، ان دنوں ان کا بیٹا انجم سعید پاکستان ہاکی ٹیم میں کھیل رہا ہے۔ PIA سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ پاکستان ٹیم کے کوچ بھی رہے ہیں۔

۳۔ جہاں گیر بٹ:

پاکستانی ٹیم میں شامل تھے۔ ہاکی کے کھلاڑی تھے۔ کوچ بھی رہ چکے ہیں۔ کسٹم کراچی میں ملازم تھے۔

۴۔ نور عالم

شیخوپورہ کے قدیم کھلاڑی اولمپکس میں پاکستانی ٹیم میں کھیلے۔ ان کے والد ڈی سی آفس شیخوپورہ میں ملازم تھے۔ ہاکی کے کھلاڑی تھے۔

۵۔ عاقب جاوید:

پاکستانی کرکٹ ٹیم میں کھیل چکے ہیں۔ ان کی کوششوں سے شیخوپورہ اسٹیڈیم میں بین الاقوامی کرکٹ میچ پاکستان اور زمبابوے کی ٹیموں کے درمیان ہوا تھا۔

پاکستان کے انڈر ۱۹ کرکٹ ٹیم میں یہاں کے رانا نوید کیپٹن ہیں۔ اس ٹیم میں یہاں کے دوسرے کھلاڑی محمد سلیم مغل' بابر جاوید اور نوید بھٹی ہیں۔

ان کھلاڑیوں کے علاوہ درج ذیل کھلاڑی بھی جن کا تعلق اسی ضلع سے ہے' قومی سطح پر کھیل چکے ہیں

فٹ بال :

محمد سلیم موضع نتھووالا سے تعلق ہے۔ محمود خالد اور محمد مصطفےٰ' ڈیرہ ننگل' تنویر احمد' اعجاز احمد' محمد مرتضیٰ' مرید کے

کبڈی :

چوہدری ظہور احمد' ملک مشتاق شرق پور

گولا اور تھالی کے پاکستان ریکارڈ ہولڈرز سکندر اعجاز گھمن کالج کے قریب رہائش پذیر ہیں۔ آپ چوہدری اعجاز احمد کے صاحبزادے ہیں۔ ۱۹۷۱ء میں اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور سے بی اے کیا تھا۔ اسی سال پولیس میں شمولیت اختیار کر لی۔ آج کل فاروق آباد میں SI A ہیں۔

عبدالخالق کا شمار پنجاب کے بہترین پہلوانوں میں ہوتا ہے۔

زماں مہدی کلب

ملک زماں مہدی خان بہادر یہاں جون ۱۹۲۴ء میں ڈپٹی کمشنر تھے۔ اور بلدیہ کے پریذیڈنٹ بھی تھے۔ ان کے دور میں ایک کلب قائم ہوئی جس کا نام زماں مہدی کلب تھا۔ مارچ ۱۹۲۹ء میں جب ٹاؤن کمیٹی نے اپنا ایک کتب خانہ قائم کیا تو زماں مہدی کلب کے کمرے میں اس کا آغاز ہوا۔

جم خانہ کرکٹ کلب

چوہدری عبدالغنی ایڈووکیٹ نے ۱۹۳۸ء میں اس کی بنیاد رکھی۔ آزادی وطن سے قبل

شیخوپورہ سے باہر کی ٹیمیں یعنی لاہور سے آ کر یہاں میچ کھیلا کرتی تھیں۔ بین الاقوامی کرکٹ کے کھلاڑی بھی اس کلب میں کھیلتے تھے۔

اسٹیڈیم

شہر کے مغرب میں گورنمنٹ کالج برائے خواتین کے بالکل سامنے مشرق میں کھیلوں کا میدان موجود ہے۔ اسٹیڈیم میں اس کے چاروں طرف لوہے کا جنگلا لگایا گیا۔ ۱۹۹۷ء میں کرکٹ گراؤنڈ کے باہر دائرہ میں کرسیاں فٹ کی گئیں اور اس طرح ۱۹۹۷ء میں ساؤتھ افریقہ اور پاکستان کے درمیان پانچ روزہ انٹرنیشنل میچ کھیلا گیا۔ اسی میدان میں ۲۲ نومبر ۱۹۹۸ء کو پاکستان اور زمبابوے کے درمیان ایک روزہ انٹرنیشنل میچ کھیلا گیا۔

اسٹیڈیم کی تیاری میں یہاں کے کرکٹر عاقب جاوید کی کوششوں کا بڑا عمل دخل ہے ۹۵ - ۱۹۹۴ء میں کرکٹ گراؤنڈ کے گرد بیرونی جانب ۱۱۸ دوکانیں تعمیر ہوئی ہیں۔ ان کی الاٹمنٹ قرعہ اندازی کے ذریعہ ہوئی۔ ایک دوکان کی قیمت ساڑھے تین لاکھ روپیہ ادا کی گئی۔

(ii) صحافت

شیخوپورہ اخبار

سکھ عہد میں یہ اخبار جاری ہوا۔ اس اخبار کا مقصد قلعہ شیخوپورہ میں نظربند مہارانی جنداں سے متعلق لاہور دربار میں مقیم انگریز ریذیڈنٹ بہادر کو روزانہ کی خبریں بھیجنا تھا۔ ۳۰ اگست ۱۸۴۶ء کو ایک نیوز رائٹر کا تقرر ہوا تھا۔جس کے نام کا علم نہیں ہو سکا۔

خبریں

۱۹۹۲ء سے یہ اردو روز نامہ ضیا شاہد کے ادارت میں شائع ہو رہا ہے۔ مقام اشاعت میں شیخوپورہ بھی شامل ہے۔

نعرہ حق

پندرہ روزہ اخبار کا پہلا شمارہ یکم جنوری ۱۹۸۹ء کو شائع ہوا۔ اس کے چیف ایڈیٹر محمد صدیق راہی ہیں۔ موصوف شیخوپورہ میں ۱۹۷۱ء میں آنے سے قبل کوئٹہ سے اردو ماہنامہ "الحر" نکالا کرتے تھے۔

انتخاب

ہفت روزہ پرچہ تھا۔ محمد صادق اسے نکالا کرتے تھے۔ ۱۹۶۴ء میں یہ جاری ہوا۔ ۱۹۷۲-۷۳ء تک یہ ہفت روزہ نکلتا رہا۔ ۱۹۶۸ء میں انتخاب کے مینجنگ ایڈیٹر محمد زکی ناصر تھے۔ شاہ نواز پریس لاہور سے چھپتا تھا۔

یقین

ہفت روزہ جس کا بینا پرنٹنگ پریس سے محمد یونس کلیم نے ۲۶ مئی ۱۹۸۷ء کو اس کا پہلا شمارہ نکالا۔ ایڈیٹر خلیل الرحمان ۔

بینا

اردو روزنامہ ۷ اکتوبر ۱۹۹۰ء کو جاری ہوا۔ بینا پرنٹنگ پریس سے ۔ قیمت ایک روپیہ تھی۔

نرالی دنیا

بقول محمد صادق خاں ۱۹۴۷ء سے قبل شہر شیخوپورہ سے یہ ماہوار رسالہ نکلتا تھا۔ مدیر کندن لال تھا۔ رسالہ فحش ہوتا تھا۔

(iii) چھاپے خانے

آزادی وطن سے قبل ایک ہندو شخص کا شہر شیخوپورہ میں ایک پریس تھا جس کا نام

ماڈل پریس یا دیال پریس تھا۔ یہاں عموماً" صابن کا کور چھاپا جاتا تھا۔ ۱۹۳۲ء میں بلدیہ شیخوپورہ نے ماڈل پریس سے دو ہزار فارم آٹھ روپے میں چھپوائے تھے۔

۲۔ کامیاب پرنٹنگ پریس

اس کے مالک محمد صادق خاں (پ ۱۹۲۰) ہیں آپ نے ۱۹۷۳ء میں یہ پریس قائم کیا تھا۔

محمد صادق کے والد فتح محمد خاں ولد مولا داد خاں موضع ننگلیاں تحصیل پسرور کے ککے زئی گھرانہ سے تعلق رکھتے تھے۔ فتح محمد خاں محکمہ دیوانی میں ملازم تھے۔ ۱۹۳۷ء میں شیخوپورہ چلے آئے اور یہیں مستقل طور پر آباد ہو گئے۔ محمد صادق نے ۱۹۴۸ء سے ۱۹۷۲ء تک پاکستان کتاب گھر" کے نام سے کتب فروشی کی۔

۳۔ بینا پرنٹنگ پریس

محمد یونس تبسم پسر صلابت خاں پسر سردار خاں نے ۱۹۷۶ء میں قائم کیا۔ ابتدائی نام شیخوپورہ پرنٹنگ پریس تھا۔ اس پریس سے ہفت روزہ یقین جاری ہوتا ہے۔
ان چھاپہ خانہ کے علاوہ اور بہت سے چھاپے خانہ ہیں جہاں معمولی سطح کی چھپائی کا کام ہوتا ہے۔

(iv) کتب خانے

گورنمنٹ کالج شیخوپورہ اور گورنمنٹ کالج برائے خواتین شیخوپورہ میں کتب خانے ہیں جن کا ذکر کالجوں کے حالات میں کر دیا ہے۔

میونسپل لائبریری

مارچ ۱۹۲۹ء میں میونسپل کمیٹی شیخوپورہ نے شہر میں ایک لائبریری قائم کی۔ بشیر احمد

ٹھیکدار نے لائبریری کے لئے فرنیچر مہیا کیا جس کے لئے کمیٹی نے ایک سو چھ روپے چار آنے کی ادائیگی کی۔ ماہ اپریل میں بلدیہ کے رکن بیرسٹر عالم الدین نے تین سو نو روپے پندرہ آنے کی کتب خریدیں۔ ۲۹ جنوری ۱۹۳۰ء کے اجلاس میں کتب خانہ کو زمان مہدی کلب کی عمارت میں منتقل کرنے اور تین صد روپے کی کتب خریدنے کا فیصلہ ہوا۔ مارچ ۱۹۳۲ء میں حکومت پنجاب نے خریداری کتب کے لئے پچاس روپے کی مالی مدد دی۔ ۵ اکتوبر ۱۹۳۴ء کے اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ اس کتب خانہ کو عام شہریوں کے لئے کھول دیا جائے اور ایک روپیہ ماہوار فیس مقرر کی۔ مارچ ۱۹۳۵ء میں حکومت نے ۵۰ روپیہ کتب کی خریداری کے لئے مدد دی۔ جس سے انگریزی' اردو' ہندی اور گورو مکھی کی کتب خریدی گئیں۔ کمیٹی کے اجلاس منعقدہ ۱۴ نومبر ۱۹۳۸ء سے پتہ چلتا ہے کہ ماسٹر روشن لعل بھاٹیہ گورنمنٹ ہائی سکول شیخوپورہ نے لائبریری کو ۳۲ کتب تحفہ میں دیں۔ بلدیہ نے بھاٹیہ صاحب کو لائبریری کی اعزازی ممبر شپ سے نوازا۔

قیام پاکستان کے بعد اس لائبریری کا کیا ہوا' کچھ معلوم نہیں۔ افسوس بلدیہ لائبریری میں موجود کتب کی حفاظت نہیں کر سکی۔

موجودہ کتب خانہ کا افتتاح پنجاب اسمبلی کے رکن میاں شہباز شریف نے ۲۸ مئی ۱۹۸۹ء کو کیا' کتب خانہ میں آٹھ ہزار سے زیادہ کتب ہیں۔ حوالے کے لئے انگریزی اور اردو کے انسائیکلوپیڈیا بھی ہیں۔ یہ بڑا خوبصورت اور دیدہ زیب کتب خانہ ہے۔ فرش پر قالین بچھا ہوا ہے۔ الماریوں میں کھلی کتب رکھی ہوئی ہیں۔ اردو انگریزی کے اخبارات اور رسائل بھی یہاں آتے ہیں۔ یونیورسٹی اور کالجوں کے طلباء کی ایک بڑی تعداد اس کتب خانہ سے استفادہ کرتی ہے۔ کتب خانہ ایئرکنڈیشنڈ ہے۔ خواتین اور بچوں کے لئے الگ حصہ مخصوص ہے۔

موجودہ لائبریرین گریڈ سترہ کے آفیسر ہیں۔

لائبریری میں داخلہ کے لئے ممبر شپ لازمی ہے۔

بلدیہ شیخوپورہ کی جانب سے ایک لاکھ روپیہ سالانہ گرانٹ ملتی ہے۔ بوقت افتتاح پنجاب پبلک لائبریری فاونڈیشن کی جانب سے چھ لاکھ روپیہ کی مالی مدد ملی تھی۔ کتب خانے کی عمارت بڑی خوب صورت اور دیدہ زیب ہے۔ ملک میں بہت کم کتب خانے اس قسم

کے ہیں۔

کتب خانہ کے انچارج محمد یوسف کھرل ولد محمد رمضان میرپور نور نزد شرقپور کے ہیں۔ آپ سے قبل خالد محمد کمی مارچ ۱۹۹۰ء تک اس خوب صورت کتب خانہ کے لائبریرین رہے تھے۔

(ii) ذاتی کتب خانوں کے سلسلہ میں پروفیسر عبدالجبار شاکر سرفرست ہیں۔ اس کی تفصیل شاکر صاحب کے حالات میں درج ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی کا کتب خانہ قابل ذکر ہے۔

سید خورشید حسین بخاری کا ذخیرہ کتب بھی قابل ذکر ہے۔ بخاری صاحب کتاب سے محبت کرنے والے انسان ہیں۔ شہر کی بڑی بڑی مساجد اور دینی درس گاہوں سے منسلک امام و خطیب حضرات کے ذاتی کتب خانے اسلامی علوم و فنون و تواریخ پر مشتمل ہیں۔

(v) مخطوطات

پروفیسر سراج الدین آزر کے کتاب خانہ میں ہیر و رانجھا کا ایک قلمی نسخہ تھا جو فقیر محمد غوث ولد قاضی قادر بخش ساکن چبھر پرگنہ شیخوپورہ کا بتاریخ ۶ بیساکھ مطابق ۱۸ اپریل ۱۸۸۷ کا لکھا ہوا۔

قومی عجائب گھر پاکستان کراچی میں یہ مخطوطے موجود ہیں:

۱۔ عقائد مراوات مصنفہ شیخ محمد مراد۔ کشمیری الاصل۔ شرق پور کے رہنے والے تھے۔ (۱۷۱۸ - ۱۶۴۶) یہ کتاب اصل میں شکور محمد سالمی کی تصنیف کے دس باب میں ترجمہ و خلاصہ ہے۔

۲۔ سعد اللہ بن میاں شیخ محمد (۱۲۱۴ھ) شرق پور کا رہنے والا تھا۔ اس کے ۲ مخطوطے موجود ہیں۔ آداب تیر اندازی اور انشائے خلیفہ۔

۳۔ جامع مسجد شرق پور میں محمد عاشق نے فتاویٰ قرانخانی کو ۱۶ ذالحجہ ۱۳۳۲ھ میں نسخ و نستعلیق خط میں تحریر کیا۔ کل صفحات ۶۵۸۔

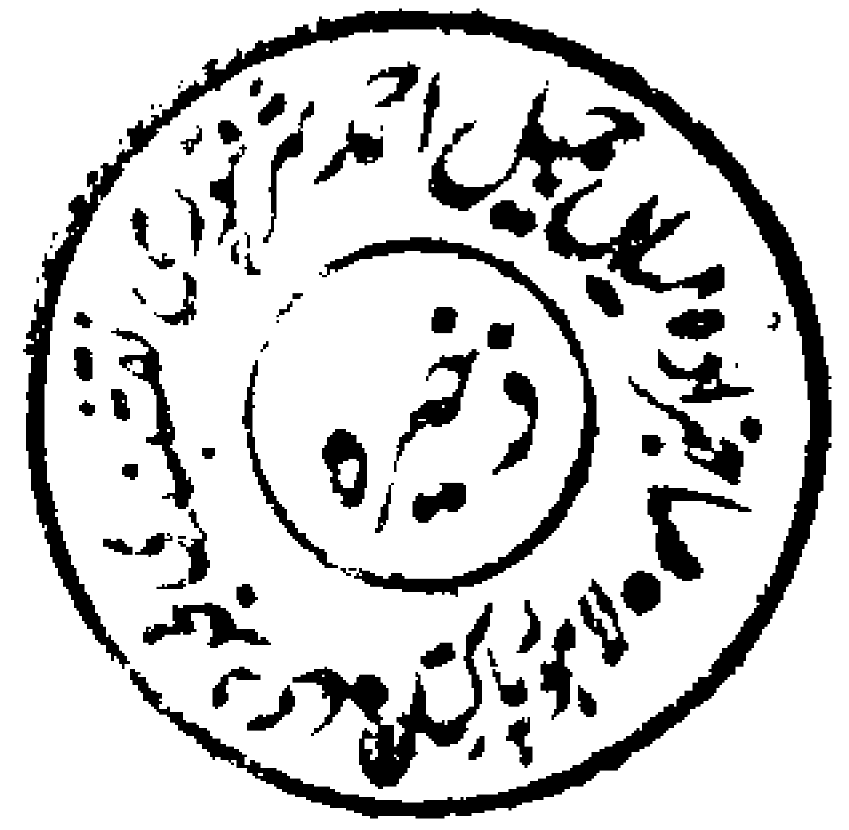
پروفیسر عبدالجبار شاکر کے ذاتی کتب خانہ میں بھی عربی فارسی اور اردو کے قلمی نسخوں کی تعداد پانچ ہزار کے قریب ہے۔ جو تاریخی اہمیت کی حامل ہیں۔ ان کے لئے ایک

الگ کتاب درکار ہے۔

پروفیسر مشتاق احمد ملک کے چھوٹے بھائی اشفاق احمد ملک ڈپٹی ڈائریکٹر محکمہ اطلاعات کے پاس چند مخطوطے ہیں۔ جو گزشتہ صدی کے وسط کے لکھے ہوئے ہیں' نور احمد سکنہ بھوئے پور تحصیل و تھانہ شرق پور ضلع شیخوپورہ کے ہاتھ کی تحریریں ہیں۔ زیادہ قلمی نسخے مولوی حیات محمد کے ہیں۔ جو اپنے زمانے کے پنجابی کے مشہور شاعر تھے۔ پروفیسر مشتاق ملک کی دادی چراغ بی بی بنت غلام محمد تھی۔ چراغ بی بی کے نانا مولوی حیات محمد تھے۔ مولوی صاحب کے والد ماجد محمد ابراہیم (؟) تھے۔ چراغ بی بی کا انتقال ۱۹۶۹ء میں ہوا تھا۔ انہوں نے مولوی حیات محمد کو دیکھا تھا۔ حیات محمد کا ایک پسر محمد دین تھا۔

رانا مطلوب ولد مطلوب احمد ولد محمد اشرف لیکچرار اسلامیات شیخوپورہ کالج کے پاس بھی چند قلمی نسخے موجود ہیں۔

پنجابی منظوم نادر شاہ دی وار نجابت کو پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور نے ۱۹۸۹ء میں شائع کیا ہے سرایڈورڈو میکلیگن نے ۱۸۹۲ء میں موضع مانگٹ تحصیل شیخوپورہ کے مراسی سے کچھ حصے سن کر نوٹ کیے تھے۔ پنڈت ہری کشن نے ۱۹۱۲ میں اجنیانوالہ کے مراسی جیونا سے ۸۵۴ مصرعے سنے اور بدوکے کے مراسی مولا بخش نے ۷۰ سے زیادہ مصرعے جمع کیے۔ ان سب کو پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی کے ایک اجلاس میں ۲۶ اگست ۱۹۱۶ء کو پڑھا گیا تھا۔





باب ۴

۱۔ صحت

ضلعی ہسپتال

شہر شیخوپورہ میں ایک سول ڈسپنسری تھی۔ اس کے انچارج نے ۸ اگست ۱۹۲۲ء کو ایک دائی ملازم رکھنے کے لئے بلدیہ کو خط تحریر کیا تھا۔ اپریل ۲۳ ۱۹ء میں طاعون کی بیماری کی روک تھام کے لئے سول سرجن نے ۲۳ روپے چھ آنے خرچ کئے تھے۔ ۱۹۲۹ء سے ۲۵ روپے ماہوار پر ایک خاتون سب اسسٹنٹ سرجن ڈسٹرکٹ بورڈ کی سفارش پر ملازم رکھی گئی۔ ستمبر ۱۹۲۹ء میں متھرا داس سول سرجن تھے۔ ۱۹ ستمبر ۱۹۳۰ء کے بلدیہ کے اجلاس میں سراج الدین کو میونسپل حکیم ۷ روپے ماہوار پر رکھا گیا۔ اپریل ۱۹۳۱ء میں ایس ایل بھنڈاری سول سرجن بلدیہ کے نئے رکن مقرر ہوئے۔ بلدیہ شیخوپورہ کے اجلاسوں کی کاروائیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳۲ - ۱۹۳۱ء میں حکومت نے اس ہسپتال کو اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ بلدیہ نے شیخ کرامت علی اور پنڈت بخشی رام پر مشتمل ۳۱ جولائی ۱۹۳۱ء کو ایک کمیٹی تشکیل دی جو ہسپتال کی تحویل میں دینے کے سلسلہ اپنی رپورٹ پیش کرے۔ ضلع بننے پر ہسپتال کی عمارت ۱۹۲۲ء میں تعمیر ہوئی۔ دو منزلہ نئی عمارت کا افتتاح ۱۸ اپریل ۱۹۷۹ء کو لیفٹننٹ جنرل سوار خاں گورنر پنجاب نے کیا۔ ایمرجنسی وارڈ ۱۹۹۰ء میں تعمیر ہوا۔

اس وقت ہسپتال میں ۳۱۴ بستروں کی سہولت موجود ہے۔ علاج کے لئے جدید ترین مشینیں موجود ہیں۔ ہر سال ۲۰ طلباء کو ڈسپنسری کی تربیت دی جاتی ہے۔ ۸۳ - ۱۹۸۲ء میں دائیوں کو اور ۱۹۸۵ء میں نرسنگ سکول کی ابتدا ہوئی۔ نرسنگ کے لئے چار سالہ کورس ہے ۲۵ لڑکیوں کو داخل کیا جاتا ہے۔ ہسپتال میں ۱۵ اپریل ۱۹۸۵ء کو ایک حکیم بھی ملازم رکھے گئے۔ تقریباً" ایک لاکھ پچاس ہزار سالانہ مریضوں کا یہاں علاج کیا جاتا ہے۔ تقریباً" ۴۰ ڈاکٹر خدمات انجام دے رہے۔ ۴۱ نرسیں اس پیشہ سے وابستہ ہیں۔

۹۹ - ۱۹۹۸ء میں ایمرجنسی کے لئے ایک الگ عمارت تعمیر ہوئی ہے۔

ٹی بی ہسپتال میں ۴۰ بستر اور پولیس ہسپتال میں ۱۸ بستر ہیں۔

ڈسٹرکٹ ہسپتال شیخوپورہ کے میڈیکل سپرنٹنڈنٹ

۱۔	ڈاکٹر کیپٹن محمد عمر چوہدری	۴-۹-۱۹۶۹	۲۲-۹-۱۹۷۱
۲۔	ڈاکٹر بشیر احمد خان	۴-۱۰-۱۹۷۱	۱۵-۷-۱۹۷۴
۳۔	ڈاکٹر محمد اکرم قریشی	۲۲-۷-۱۹۷۴	۲-۵-۱۹۷۶
۴۔	ڈاکٹر انیس احمد قریشی	۱-۱۰-۷۶	۳۰-۶-۸۲
۵۔	ڈاکٹر محمد اسلم خاں	۳-۷-۸۲	۳۱-۱-۸۶
۶۔	ڈاکٹر محمد افضل سلیمی	۱-۲-۸۶	۱۵-۱۱-۸۷
۷۔	ڈاکٹر محمد انور خاں	۱۶-۱۱-۸۷	۱-۲-۸۹
۸۔	ڈاکٹر محمد اسلم چوہدری	۲-۲-۸۹	۳-۱۰-۹۳
۹۔	ڈاکٹر محمد انور خاں	۱۰-۱۰-۹۳	۱۶-۴-۹۴
۱۰۔	ڈاکٹر ارشد اقبال ڈار	۱۷-۴-۹۴	۲-۶-۹۷
۱۱۔	ڈاکٹر ثاقب الماس	۳-۶-۹۷	۲۶-۷-۹۸
۱۲۔	ڈاکٹر اختر رشید ملک	۲۷-۷-۹۸	

ڈاکٹر عبدالباری ڈپٹی میڈیکل سپرنٹنڈنٹ ہیں۔ آپ کے والد محمد الدین بن سلامت علی محکمہ ریلوے میں ملازمت تھے۔

سرکاری ہسپتال کے علاوہ شہر میں بھی پرائیوٹ ہسپتال موجود ہیں مثلاً" یوسف قریشی میموریل ہسپتال' ظہیر ہسپتال' نیشنل ہسپتال' الصباح کلینک' زبیدہ میموریل ہسپتال' احمد ہسپتال' بلال ہسپتال ہاؤسنگ کالونی۔

یہاں ایک ریلوے کی ڈسپنسری بھی ہے۔ سوشل سیکورٹی ہسپتال بھی موجود ہے۔

تقریباً" ۵۵ دوکانیں میڈیکل ادویات فروخت کرنے والی موجود ہیں۔ سب سے بڑی دوکان فاروق میڈیکل کمپنی ہے جو محمد فاروق نے ۱۹۷۲ء میں کھولی تھی۔ اس دوکان پر تھوک اور پرچون بڑی معیاری اور کم منافع پر ہر قسم کی ادویات دستیاب ہیں۔ اس لئے ہر

وقت لوگوں کا ہجوم رہتا ہے۔ محمد فاروق کے والد محمد شریف ولد محمد ابراہیم ضلع امرت سر کے مہاجر تھے۔

قیام پاکستان سے قبل بھی ہندوؤں کی چند دوکانیں موجود تھیں مثلاً" سیٹھی میڈیکل ہال' میسرز پوری میڈیکل ہال اور کرشنا میڈیکل ہال وغیرہ

قیام پاکستان سے قبل کے ہندو و سکھ ڈاکٹرز:

۱۔ ڈاکٹر مس لیلاوتی بنت چوہدری سرا رام ایڈووکیٹ۔ ۲۸ برس کی عمر میں ۱۹۳۳ء میں انتقال ہوا۔

۲۔ ڈاکٹر بلدیو سنگھ ایک بڑے احاطہ کے مالک تھے۔ وفات ۲۴ مئی ۱۹۴۲ء۔

۳۔ ڈاکٹر مدن چند ولد لبھایا رام' وفات ۲۴ نومبر ۱۹۴۳ء عمر ۵۰ برس۔

۴۔ ڈاکٹر بھوانی سنگھ۔ اس کا لڑکا دیوان سنگھ گورونانک پورہ (جناح پارک) میں رہتا تھا اور پولیس میں ملازم تھا۔

۵۔ ڈاکٹر نند گوپال۔

۶۔ ڈاکٹر ہربھجن سنگھ۔

مسلمان ڈاکٹر صاحبان شاہ محمد۔ ڈاکٹر مرزا شیر بیگ۔

۱۹۲۰ء میں یہاں ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر کا دفتر قائم ہوا۔ ڈاکٹر زیڈ ڈی علوی کا تقرر ہوا۔

ڈی ایچ او ہی ضلع کے ہسپتالوں اور ڈسپنسریوں کو کنٹرول کرتا ہے۔ اس کے تحت ضلع کے صحت کے بنیادی مراکز ہیں تعداد ۱۲۳ رورل ہیلتھ سنٹرز ۱۵ اور ٹیکہ لگانے کے بھی مراکز ہیں۔

ڈاکٹر صاحبان جو یہاں بطور ڈی ایچ او تعینات رہے ترتیب سے ان کے نام درج کئے جاتے ہیں۔ مبشر حسین' کیپٹن اقبال احمد' محبوب بخش خواجہ' احمد حسین سید' ایم اے صدیقی' اختر عالم ہاشمی' فیض رسول' پیرزادہ محبوب شاہ' اے اے خاں' عبدالغفور' آفتاب احمد چوہدری' زیڈ آئی بھٹہ' بشیر حسین کاہلوں' ایم یوسف اقبال' رفیق حسین چوہدری' محمد اسلم خاں' محمد یوسف اقبال' محمد اسلم چوہدری' محمد انور خاں' منور حسین بھٹہ' محمد اسلم چوہدری' رفیق حسین چوہدری' محمد رحیم پراچہ' چوہدری محمد رشید جاذید' ایم کلیم الدین۔

شہر شیخوپورہ میں زچہ بچہ کے لئے بھی ۴ سنٹرز موجود ہیں۔ خالد روڈ و داتا شاہ بمال

روڈ ہاؤسنگ کالونی اور امامیہ کالونی شاہدرہ میں یہ سنٹر خدمات انجام دے رہے ہیں۔
شہر میں متعدد ڈاکٹر صاحبان پریکٹس کر رہے ہیں۔ خصوصی معالج بھی موجود ہیں۔ چند پرائیویٹ ہسپتال بھی ہیں جن میں باقاعدہ علاج کی سہولتیں مہیا کی جاتی ہیں۔
ڈاکٹر زبیدہ نے اس ہسپتال میں چھ سال لیڈی ڈاکٹر کی حیثیت سے ملازمت کی۔ تبادلہ کی وجہ سے آپ نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو وفات پائی۔ آپ کے خاوند محمد عبداللہ انجمن اسلامیہ شیخوپورہ کے صدر تھے۔ محمد عبداللہ (پ ۱۹۰۸ء) کے والد سلطان علی ولد رحیم بخش شکر گڑھ کے رہنے والے تھے۔ محمد عبداللہ نے پنچائت آفیسر کی حیثیت سے ملازمت کی۔
یہاں ایک ایسے معالج کا ذکر کیا جاتا ہے جو باہر کے ممالک میں ہماری ایک پہچان ہیں۔

امداد حسین، سید کرنل

آپ قاسم علی ولد لدھے شاہ کے بیٹے ہیں۔ جاتری کے ضلع شیخوپورہ کے رہنے والے ہیں۔ آپ کے والد ماجد فوج میں صوبیدار تھے۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں حصہ لیا۔ اکتوبر ۱۹۵۵ء میں کیپٹن کی حیثیت سے ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔
امداد حسین ۲۷ دسمبر ۱۹۳۰ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۷ء میں اسلامیہ ہائی سکول فیروزپور کینٹ سے میٹرک کیا۔ پنجاب یونیورسٹی ۱۹۵۵ء میں بی ڈی ایس کی ڈگری لی۔ ۱۹۵۷ء میں پاک فوج میں کمیشن مل گیا اور ۲۶ اکتوبر ۱۹۸۷ء کو کرنل کی حیثیت سے ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔ قیام پاکستان کے موقعہ پر والد ماجد شیخوپورہ میں تھے۔ اس لئے ہجرت کے بعد اس تاریخی شہر کو مستقل اپنا مسکن بنا لیا۔
دوران ملازمت پاکستان کے میڈیکل مشن کے ہمراہ سعودی دستہ میں آپ جون ۱۹۷۴ء میں اردن گئے اور وہاں طبی خدمات (دندان سازی) انجام دیں۔ اسی دوران متعدد بار آپ کو اردن کے شاہ حسین اور سعودی حکومت کے فرمانروا شاہ خالد اور شاہ فہد سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ حکومت پاکستان نے مختلف اعزازات سے نوازا ہے۔

اولاد:

۱۔ نوید حسین' ڈینٹل سرجن شیخوپورہ میں پریکٹس کرتے ہیں۔
۲۔ نیئر حسین' بی اے' ملازم
۳۔ عابد حسین' کیمکل انجینئر
۴۔ ناہید بخاری
۵۔ نبیلہ بخاری
۶۔ وجیہہ بخاری' لیڈی ڈاکٹر

قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کی آمد کے موقعہ پر ڈاکٹر عباس اولاد حسین کی زیر نگرانی میں امداد حسین نے مہاجر کیمپ میں مہاجرین کی بڑی مدد کی۔

(ii) آبادی

شیخوپورہ صدیوں پرانا قصبہ / شہر نہیں۔ مغل بادشاہ جہاں گیر کے دور حکومت میں اس سے تھوڑے فاصلہ پر سیرگاہ بنائی گئی۔ یہ جگہ ہرن مینار والی تھی۔ عہد مغلیہ میں جب مغل فوج اور بادشاہ کشمیر اور افغانستان جایا کرتے تھے تو اسی راستے سے جاتے تھے۔ یہ ان کے لئے HALTING PLACE ہوا کرتی تھی۔ اس وقت قلعہ تعمیر ہو چکا تھا' سکھ عہد میں یہاں کچھ لوگ آباد ہوئے لیکن ان کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ انگریزی عہد میں شیخوپورہ میں آباد لوگوں کی کچھ تعداد کا علم ہوتا ہے۔

چند سالوں کی آبادی کا گوشوارہ ملاحظہ فرمائیں

سن	ضلع کی آبادی	تحصیل کی آبادی	شہر کی آبادی
۱۹۰۱	---	---	۲۲۰۵
۱۹۲۱	۸۵۷۸۱	---	۳۴۸۷ مرد ۲۱۸۲' خواتین ۱۳۰۵
۱۹۳۱	۶۹۶۷۳۲		۱۲۱۶۶
۱۹۴۱	---	---	۲۲۲۷۲
۱۹۵۱	۹۲۳۳۶۰	---	۲۲۳۰۰ مکانات کی تعداد ۲۰۹۶۴
۱۹۶۱ء	۱۰۸۰۶۱۹	---	۴۱۶۳۵

۷۲ - ۱۹۷۱	۱۶۵۷۱۳۹	---	۸۲۸۵۶
۸۲ - ۱۹۸۱	۲۱۱۰۳۲۸	---	۱۳۰۷۹۵
۱۹۹۱	---	۱۳۵۸۰۶۸	۱۸۰۰۰۰
۱۹۹۳	---	---	۲۵۷۰۱۱ تعداد مکانات ۳۷۷۹۶
۱۹۹۸	---	---	تین لاکھ کے قریب ہے۔

(iii) اقوام

یہ ضلع پنجاب کا ایک بڑا ضلع ہے۔ اس میں سیال کوٹ' گوجرانوالہ' جھنگ اور لاہور لائل پور (موجودہ فیصل آباد) اضلاع کے علاقے شامل ہیں۔ اس لئے اس ضلع میں مختلف اقوام کے لوگ بستے ہیں۔ مشہور و معروف اقوام اور ان کی گوتوں کا ہلکا سا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

اگروال:

بنیا کی گوت' بنیا سنسکرت کا لفظ ہے۔ تاجر کو بنیا کہا جاتا ہے۔

اہیری:

خانہ بدوش قبیلہ' راجپوتانہ خصوصاً" جودھپور اور بیکانیر سے نقل مکانی کر کے پنجاب کے جنوب مشرق میں آباد ہوا۔

اہیر:

سنسکرت کے لفظ ABHIRA سے ماخذ۔ دودھ فروش کو کہا جاتا ہے۔ ہندو نسل ہے۔

اہلووالیہ:

سکھوں کی ایک مسل' بانی جسا سنگھ لاہور کے ایک گاؤں آہلو کا رہنے والا تھا۔

ارائیں:

مسلمان ارائیں اوچ سے نقل مکانی کرنے والے' کمبوہ سے عزیزداری' ہندو سینی

SAINI جیسے' اوچ سے ہجرت کر کے سرسہ گئے اور پھر پنجاب میں وارد ہوئے۔

اولکھ :

جٹ قبیلہ' سورج بنسی خاندان سے' جداعلی اولکھ مانجھا کا رہنے والا تھا۔ ایک دوسری کہانی یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس کا جداعلیٰ راجہ لوئی لک سورج بنسی راجپوت تھا۔ امرت سر والے اس طرح نسب نامہ بیان کرتے ہیں۔ رام چندر' کسب' دھول' رگھوپت' اودھے روپ' پوڑا' جھنگ' کھمب' گیو' فنڈل' دمنج' اولکھ۔
روایت ہے کہ ہماریوں بادشاہ کے دور میں اس کے درباری راجہ اولکھ نے اسلام قبول کیا تھا۔

اعوان :

مشہور قبیلہ' ایک روایت کے مطابق اعوان لوگوں کا تعلق سرزمین عرب سے ہے۔ قطب شاہ ان کے جداعلیٰ تھے جن کا نسب نامہ حضرت علی سے جا ملتا ہے۔

بھالی :

راجپوت' زراعت پیشہ۔

بیراگی :

سنسکرت ویراگیہ سے معنی جذبات سے عاری' وشنو کو چاہنے والا۔

بلوچ :

اونٹ والا' عموماً" مسلمان ہوتے ہیں۔ عرب نژاد۔ کئی ان کو ایرانی نسل سے بتاتے ہیں۔ فردوسی اپنے شاہ نامہ میں ذکر کرتا ہے کہ کیکاؤس اور کیخسرو' کی افواج بلوچوں پر مشتمل تھی۔ ایک روایت کے مطابق بلوچ رسول اکرمؐ کے چچا امیر حمزہ کی نسل سے ہیں۔

برلاس :

مغل خاندان کی ایک گوت' زراعت پیشہ۔

بسرا:

جٹ قبیلہ' زراعت پیشہ' امرت سر میں آباد تھے۔

بیدی:

کھتری' گورو نانک کا خاندان۔

بھابھڑا:

جین مت کی ایک ذات تجارت کرتے ہیں۔ راجہ اشوک کے کتبوں میں ان کا ذکر ہے۔

بھنگو:

جٹ سورج بنسی راجپوت' سیال کوٹ میں یہ لوگ عام پائے جاتے ہیں۔

بھاٹیہ:

دہلی کے قرب و جوار میں یہ لوگ آباد تھے۔ راجپوت' ایک شاخ نے جیسلمیر پر حکمرانی کی اور دوسری شاخ کاروبار سے وابستہ تھی۔ پنجاب میں ان کو بھٹی کہا جاتا ہے۔

بھٹی:

پہلی بار تاریخ فیروز شاہی' مصنف شمس سراج عفیف میں بھٹیوں کا ذکر ملتا ہے۔ رانا مل بھٹی کی دختر نائلہ فیروز شاہ سوم (۱۳۰۹ء) کی ماں تھی۔ اکبر اعظم کے دور میں پنڈی بھٹیاں کا دلا بھٹی ایک تاریخی کردار گزرا ہے۔

بھلر:

جٹ' لاہور اور فیروز پور کے اضلاع میں آباد ہیں۔

بھٹہ:

راجپورت' سورج بنسی خاندان سے۔ ایک روایت ہے کہ یہ لوگ بھوٹان سے نقل مکانی کر کے آئے تھے۔ اوچ (بہاول پور) میں سیدوں کے آنے سے قبل یہ لوگ آباد ہوئے تھے۔ میکلیگن ان کو جٹ یا راجپوت بتاتا ہے۔ اور لانگہ' دادھ' شجرا' پنج اور بھٹہ کو مہلی کے بیٹے کہتا ہے (MAHLI)۔

بودلہ :

وٹو راجپوت کی شاخ- ان میں کئی گھرانے اپنے آپ کو قریشی اور حضرت ابوبکر صدیق کی نسل سے بتاتے ہیں- سانپ کے کاٹے کے علاج کا اپنے آپ کو ماہر بتاتے ہیں-

بٹر:

جٹ سورج بنسی خاندان کی اولاد' ستلج کا بالائی علاقہ ان کا مسکن ہے- کئی جنگل سے نقل مکانی کر کے پہلے گوجرانوالہ میں آباد ہوئے-

چاچڑ:

زراعت پیشہ قبیلہ- شاہ پور اور ملتان میں آباد تھے- بہاول پور کے چاچڑ اپنے آپ کو مغل نسل سے بتاتے ہیں- وہ اپنا نسب نامہ تیمور اور حضرت عباس سے جا ملاتے ہیں- لیکن روایت یہ بتاتی ہے کہ سورر' سجاگو' سلرو اور چاچڑ قبیلے امرکوٹ کے راجہ بونگہ رائے کے غلام تھے- جام جھکھر نے ان کو آزادی دلائی تھی-

چاہل :

پنجاب کا ایک بڑا جٹ قبیلہ- پٹیالہ میں زیادہ آباد تھے- کہا جاتا ہے کہ سورج بنسی راجہ کے چار بیٹے چاہل' چھنہ' چیمہ اور ساہی تھے- ان لڑکوں سے چار قبیلے معرض وجود میں آئے- ان کا اصل مرکز مالوہ تھا جہاں سے وہ ہجرت کر کے پنجاب میں آئے- ایک دوسری روایت کے مطابق ان کا جداعلیٰ تنور راجپوت تھا جو راجہ رکھ کہلاتا تھا جو دکن سے نقل مکانی کر کے Kahlur میں آباد ہوا- اس کے لڑکے برسی (Birsi) نے ایک جٹ عورت سے شادی کی اور مالوہ میں متی (Matti) کے مقام پر آباد ہوا- یہ دور اکبر اعظم کا تھا- اس سے چاہل قبیلہ ہوا- امرت سر کے چاہل کو راجہ کھنگ کا لڑکا بتاتے ہیں-

چٹھہ:

ایک جٹ قبیلہ گوجرانوالہ میں ان کے ۸۱ گاؤں تھے- دہلی کے چوہان بادشاہ کے پوتے پرتھی راج کا ایک بیٹا چٹھہ تھا جس کی یہ اولاد ہیں- ۱۶۰۰ء میں یہ لوگ مسلمان ہوئے- سکھ عہد میں یہ لوگ سیاست میں بڑی طاقتور ہوئے-

چغتائی:

چوہان:

راجپوت قبیلہ - ۳۶ حکمران نسل میں سے ایک- ٹاڈ ان کو راجپوت قبیلوں میں سب سے زیادہ دلیر اور بہادر قبیلہ سمجھتا ہے اور ہندوستان کا آخری ہندو حکمران پرتھوی راج چوہان قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا- دہلی آنے سے قبل اجمیر اور جے پور میں سامبھران کے مرکز تھے-

چاولہ:

اروڑہ کی ایک شاخ

چدھڑ:

چناب اور راوی کی وادیوں میں یہ لوگ آباد تھے- یہ لوگ اپنے آپ کو تنور (Tunwar) کے راجہ تور (Tur) کی اولاد بتاتے ہیں- روایت ہے کہ محمد غوری کے زمانہ میں انہوں نے اپنا وطن راجپوتانہ چھوڑا اور' بہاول پور میں آباد ہوئے- اوچ کے شیر شاہ کے ہاتھوں یہ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے- جہاں سے جھنگ آئے اور پھر چناب اور راوی کی وادیوں میں پھیل گئے- بار کے چدھڑ ڈاھباں سے نکل کر آباد ہوئے ہیں- میراسی ان ہ نسب نامہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

پانڈو' گارجن' بھین' بیشر' منڈلک' تنور' آنک' جودھ' راجہ رویلن' چدھڑ راجو کے چدھڑ ملک دادو نے اکبر اعظم کا ایک ہاتھی پکڑ لیا- اس کے مہاوت کو قتل کر دیا- ہاتھی کو کھاریانوالہ کے قریب ایک جگہ پر باندھ دیا جو آج بھی ہاتھی تمبہ کہلاتی ہے-

چسنہ:

ایک کاشتکار جٹ قبیلہ

چھینہ:

ایک کاشتکار قبیلہ وٹو کا ہم زاد' دونوں کا جداعلیٰ ایک ہے- اوچہ کے ووڑ کے جے پال اور راج پال تھے- جے پال کا لڑکا چھینہ تھا اور راج پال کا وٹو- چھینہ کی ۱۸ ویں پشت سے پھسرو نے پاکپتن کے خواجہ فرید الدین گنج شکر کے ہاتھوں اسلام قبول کیا- یہ لوگ بہادر اور محنتی ہیں-

چیمہ:

پنجاب کا ایک بہت بڑا قبیلہ۔ ان کا کہنا ہے کہ ۲۵ پشت پہلے ان کے جد اعلی چیمہ' چوہان راجپوت پرتھوی راج (رائے تورا) محمد غوری سے شکست کے بعد دہلی سے فرار ہو کر کانگڑا پہنچا' پھر امرت سر جہاں اس کے لڑکے چھوٹومل نے بیاس کے کنارے ایک گاؤں آباد کیا۔ یہ دور علاؤالدین کا تھا۔ فیروز شاہ اور اورنگ زیب کے عہد میں ان کی ایک بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا۔

چوپڑہ:

کھتری ہندوؤں کی ایک شاخ

ڈھلوں:

ایک بہت بڑا اور وسیع علاقہ میں پھیلا ہوا پنجاب کا قبیلہ۔گوجرانوالہ اور امرت سر میں یہ ایک بڑی تعداد میں تھے۔ گورایہ کی طرح یہ بھی اپنے آپ کو سروہا راجپوت کہتے ہیں اور سرسہ سے آئے ہوئے کہتے ہیں۔ دوسری روایت یہ ہے کہ یہ سورج بنسی راجپوت لو (LU) کی نسل سے ہیں۔ جو راجہ کرن کا بیٹا اور سورج کا پوتہ تھا۔ سکھ مسل بھنگی کا بانی سردار گنڈا سنگھ ڈھلوں تھا۔

ڈھڈھی:

ایک، مسلمان قبیلہ کشمیر اور ضلع سیال کوٹ میں زیادہ تر آباد ہیں

ڈھڈیال:

ایک چھوٹا کاشتکار قبیلہ۔

ڈوگر:

پنجاب میں یہ لوگ ستلج اور بیاس کی وادیوں کے بالائی حصہ میں اور ضلع لاہور کے زیریں حصہ میں پائے جاتے ہیں۔ سیال کوٹ کا جنوبی حصہ بھی ان کی آماجگاہ ہے۔ فیروز پور کے ڈوگر بھی شہرت کے حامل ہیں۔ مسٹر پرسر (Purser) کے مطابق ان کے دو قبیلے چوہان اور پنور راجپورت ہیں۔ ۱۷۶۰ء میں فیروز پور کی ڈوگر ریاست کو انگریزوں نے

مہاراجہ رنجیت کی سکھ شاہی سے بچانے کے لئے اپنی حفاظت میں لیا تھا۔

گھکڑ:

مسلمان قبیلہ، جہلم، راولپنڈی اور ہزارہ میں ان کی زیادہ آبادی ہے۔ ضلع جہلم میں جنجوعہ سے یہ برتر حیثیت کے مالک ہیں۔ جنرل کورٹ کی تحقیق کے مطابق یہ لوگ یونانی نسل سے ہیں۔ اس قبیلہ کے کئی لوگ اپنے آپ کو سکندر اعظم کی اولاد بتاتے ہیں۔ ایک مقامی روایت کے مطابق یہ لوگ فارس سے کشمیر کے راستے سے آئے۔ محمود غزنوی کے ہمراہ گیارہویں صدی عیسوی میں یہ لوگ پنجاب میں داخل ہوئے۔

غوری:

ایک مغل قبیلہ کاشتکار

گھمن:

ایک جٹ قبیلہ مرکز سیال کوٹ، دہلی کے لونر راجپوت راجہ دلیپ کی دوسری پشت مالکر (Malkir) کی پانچویں نسل سے جودھ کے تین لڑکے ہرپال، رنپال اور سنپال تھے۔ سنپال کے ۲۲ لڑکوں سے بہت سے قبیلے معرض وجود میں آئے جن میں ایک قبیلہ گھمن بھی ہے۔ فیروز شاہ کے دور میں گھمن کیالہ یا ملیانہ سے آئے اور جموں میں ملازمت اختیار کی اور موجود قبیلہ وجود میں آیا۔

گل:

ایک بڑا اور مشہور جٹ قبیلہ۔ ضلع لاہور اور فیروز پور میں یہ آباد تھے لیکن بیاس اور ستلج کے بالائی حصہ اور سیالکوٹ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ضلع فیروز پور میں ان کا جداعلیٰ گل رہتا ہے۔ اس کے لڑکے شیر گل کی یہ اولاد ہیں۔ گل رگھوبنسی راجپوت تھا۔

گوندل:

جٹ کاشتکار قبیلہ، چوہان راجپوت، کہا جاتا ہے کہ ان کے جداعلیٰ پاکپتن کے جنوب میں نوشہرہ سے آئے تھے اور بابا فرید کے ہاتھوں اسلام قبول کیا تھا۔

گجر:

مسکن گجرات جو قدیم شہر اودے نگری کی جگہ پر آباد ہوا ہے۔ مشہور روایت ہے کہ سورج بنسی راجپوت راجہ بچن پال اس کا بانی ہے۔ یہ راجہ گنگا دوآب سے آیا اور ایک گجر علی خاں کو اس کو نئے سرے سے آباد کرنے کا کہا۔ یہ وہی تاریخی الہ خانہ گورجارا کا راجہ ہے جسے سنگکارا ورمانے ۸۸۳ اور ۹۰۱ عیسوی میں شکست دی تھی۔ کیپٹن میکنزی کے مطابق سیالکوٹ کے راجہ رسالو کے لڑکے بدر سین نے اپنی بیوی رانی گوجراں کو اسے نئے سرے سے آباد کرنے کا حکم دیا تھا۔ جس نے ۱۷۵ سمپت (۱۱۸ء) میں اسے تعمیر کیا۔ اکبر اعظم کے دور میں یہ شہر موجودہ صورت میں تعمیر ہوا۔ ۶۰۰ء سے قبل یہاں گجر آباد ہو چکے تھے۔

ہجرا:

ایک جٹ کاشتکار قبیلہ۔

ہرل:

ایک پنور راجپوت قبیلہ' ان کا جداعلیٰ رائے بھوپ تھا جو راجہ کرن کی نسل سے تھا۔ جیسلمیر سے اوچ میں آئے اور پھر کمالیہ منٹگمری میں۔

ہنجرا:

ایک اہم جٹ قبیلہ' گوجرانوالہ بار اس کا مولد و مسکن ہے۔ ابتدائی پیشہ گلہ بانی تھا۔ یہ اپنے آپ کو سروہا راجپوت کہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ان کے جداعلیٰ ہنجراؤں نے حصار کے پڑوس سے ہجرت کر کے پرگنہ حافظ آباد میں آ کر ایک گاؤں اسکھاب (Uskhab) آباد کیا جس کے آثار اب بھی (۱۹۱۹ء) میں موجود ہیں۔ ان کے قریبی جداعلیٰ مل اور ڈھل تھے جن کی اولاد آج حصار میں رہتی ہے۔

جین:

بدھ مت سے قدیم مذہب' یہ سنسکرت لفظ JI سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں فتح کرنا۔ جاندار مخلوق کو مارتے نہیں' امن قائم کرنا ان کا مقصد حیات ہے۔ گوشت اور نشہ آور چیز نہیں کھاتے۔ ان کے دو فرقے ہیں Svietambara اور Digambara۔

ججہ :

ایک جٹ قبیلہ' کاشتکاری ان کا پیشہ ہے۔ سورج بنسی راجپوت' ان کا کہنا ہے کہ ان کے جداعلیٰ جام ملتان سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ اس کے دو لڑکے جج اور جھتول نے تحصیل پسرور میں دو گاؤں آباد کیے۔

جموال :

ہندو راجپوت کاشتکار قبیلہ۔ ننگری اور سیال کوٹ میں قیام پذیر تھا میراسیوں کے مطابق یہ سورج بنسی راجپوت ہیں۔ ان کا جداعلیٰ اگنی کر اجودھیا سے ہجرت کر کے رچنا دوآب میں آیا۔ اس کے لڑکے راجہ چندارہس کو شکست دی اور شہر جموں آباد کیا اور اس سے جموال نام پایا۔ ایک دوسری روایت یہ ہے کہ ہم دت اجودھیا سے ہجرت کر کے کشمیر آیا اور مانکوٹ کے مقام پر آباد ہوا۔ اس کی اولاد میں جموں نے ریاست جموں آباد کی۔ جموں کی نسل سے دیو (Deo) شاہی گھرانہ سیال کوٹ کا معرض وجود میں آیا۔ اس گھرانے سے مشہور سکھ سردار راجہ گلاب سنگھ راجہ دھیان سنگھ اور راجہ سچیت سنگھ ہوئے ہیں۔

جنجوعہ :

راجپوت قبیلہ۔ معاشرہ میں گکھڑوں سے دوسرے نمبر پر اس کی حیثیت ہے اور راجہ کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ ان کی اصل کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ بابر مغل بادشاہ ان کا ذکر کرتا ہے۔ ایک روایت کے مطابق یہ راجہ جے پال (محمد غزنوی کے دور کا) کی اولاد ہیں میراسی ان کو راجہ مل کی اولاد بتاتے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق محمود غزنوی نے جب ہندوستان کو فتح کیا تو جنجوعہ قوم نے اس کی مخالفت کی تھی۔ یہ شکست کھا کر جنگلوں میں بھاگ گئے۔ محمود غزنوی نے ان کا پیچھا کیا اور ان کے راجہ راجہ مل کو گرفتار کر لیا۔ راجہ مل اور اس کی قوم نے اسلام قبول کر کے رہائی پائی۔ راجہ مل کے زیر نگیں راولپنڈی سے جہلم تک کا علاقہ تھا۔

جٹ :

ہندوستان کے مسلمان مورخ جٹ قبیلہ کا ذکر کرتے ہیں۔ آٹھویں' نویں اور دسویں سنہ عیسوی کے دوران مسلمان حملہ آوروں کو اس قوم سے بھی واسطہ رہا ہے۔ بابر بھی اپنی

تزک میں ان کا حوالہ دیتا ہے۔ راجپوتوں کی طرح جٹ بھی بہت قدیم زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

جوئیہ :

راجپوتوں کی ۳۶ شاہی نسلوں میں سے ایک نسل۔ قدیم واقعات میں ان کو ہریانہ' بٹھنڈہ' بھٹنر اور ناگور کے جنگلات کا لارڈ کہا جاتا ہے۔ دریائے سندھ اور ستلج کے ساحل ان کے اثر میں تھے۔ سات صدیاں قبل بھٹی قبیلہ نے ان کو سندھ سے باہر نکال دیا' سولہویں صدی کے وسط میں راٹھوروں نے ضلع بیکانیر سے نکال کر اپنی خود مختاری قائم کی۔ جنرل کننگھم ان کو جودیہ یا یوریہ سے نسبت دیتا ہے جو پینی (Paini) کے دور (۳۵۰ قبل مسیح) میں ایک جنگجو قوم تھی۔ ستلج حسار' منٹگمری اور ملتان کے جوئیہ اپنے آپ کو مختلف علاقوں سے وابستہ کرتے ہیں۔ مگر سب اپنا تعلق بیکانیر سے بتاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جوئیہ کا ایک بھائی مہر تھا جس سے مہر قبیلہ وجود میں آیا۔

کاہلوں :

ایک جٹ کاشتکار قبیلہ جو امرت سر اور دوسرے اضلاع میں خصوصاً" سیالکوٹ میں پایا جاتا ہے۔ یہ دعوی کرتے ہیں کہ ان کے جد اعلیٰ چندر بنسی خاندان کے راجہ بکما جیت کی نسل میں سے راجہ جگدیو تھے۔ اس کی چوتھی پشت سے کاہلوں نے اس قبیلہ کو یہ نام دیا۔ اس کی چوتھی نسل سے سونی یا سوڈی ہوا جس کی سرپرستی میں یہ لوگ اپنا آبائی ملک دارانگر چھوڑ کر بٹالہ اور بعد میں سیالکوٹ میں آباد ہو گئے۔

ککے زئی :

مسلمان تجار' پورے ہندوستان میں یہاں تک کے مغرب میں قندھار تک آباد ہیں۔ افغان کرن کے بیٹے ککہ کی اولاد' ۱۱۲۰ھ میں بجواڑہ' ہوشیار پور پر ککے زئی قابض تھے۔

کلیار :

راجپوت کاشتکار قبیلہ شاہ پور میں آباد تھے۔

کمبوہ :

پنجاب کا ایک نفیس و عمدہ کاشت کرنے والا قبیلہ۔ یہ لوگ اپنے آپ کو راجہ کرن

کی اولاد بتاتے ہیں- ارائیں اور کمبوہ میں بہت قریبی نسبی تعلق ہے- کمبوہ قبیلہ کے اصل سے متعلق اور بھی بہت سی روائتیں ہیں- کمبوہ ہندو اور سکھ ہوتے ہیں کچھ جین مت سے بھی تعلق رکھتے ہیں مگر مسلمان زیادہ ہیں-

کاٹھیہ :

راوی کے بڑے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ Punwar راجپوت- یہ کسی زمانہ میں اپنی لڑکیوں کو قتل کر دیا کرتے تھے- پہلے سے راوی اور ساندل بار کے زیریں حصہ میں رہتے تھے- قیاس ہے یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے سانگلہ قلعہ میں اسکندر کی فتح مند فوج کا بڑی دلیری سے مقابلہ کیا تھا-

کھگہ :

کاشت کرنے والا جٹ قبیلہ' پنجاب کے جنوب مغرب میں آباد ہے- مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ملتان کی فتح کے بعد یہ لوگ ضلع منٹگمری میں آئے- ان کا کہنا ہے کہ یہ قریشی ہیں- محمد عراق کا مرید جلال الدین پہلا کھگہ تھا- جلال الدین نے ایک بار طوفان میں پھنسی ہوئی کشتی کو بچایا تھا- کھگہ ایک مچھلی کا نام ہے- ساون مل سے قبل اگر کوئی مصیبت کا مارا کھگہ کے ہاں پناہ لیتا اور ان کا پیچھا کرنے والا اگر کھگہ کے گھر میں داخل ہوتا تو وہ اندھا ہو جاتا تھا-

خلج :

ایک ترک قبیلہ' خلج کی اولاد' جو حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا تھا-

کھرل :

اصل راجپوت قبیلہ' اگرچہ ایک بڑا حصہ جٹ طرز کا ہے' راجہ کرن کی نسل سے بھوپ اوچ میں آباد ہوا اور مخدوم شاہ جہانیاں کے ہاتھوں مسلمان ہوا- اوچ سے وہ نقل مکانی کر کے راوی' ستلج اور راوی کے علاقوں میں آباد ہوئے- احمد خاں کھرل جو نتھو کالڑ کا اور امیر کا پوتہ تھا- کیپٹن بلیک کے ساتھ جنگ کرتا ہوا ستمبر ۱۸۵۷ء میں کام آیا- عالمگیر کے دور میں کھرل قبیلہ نے بڑی طاقت حاصل کی تھی- مغل شہنشاہ نے سعادت یار خاں کو جاگیر میں کمالیہ عطا کیا تھا-

کھچی:

مسلمان جٹ قبیلہ، ملتان اور منٹگمری اضلاع میں آباد ہے۔ اجمیر کے حکمراں کھچی خاں کی اولاد، منٹگمری کے کھچی لوگوں کا کہنا ہے کہ بہاوالحق کے ہاتھوں مسلمان ہوئے تھے۔

کھوکھر:

جٹ، راجپوت اور آرائیں اس قبیلہ میں شامل ہیں۔ جہلم اور پنجاب کی وادیوں میں بہت زیادہ تعداد میں ہیں۔ جہلم میں پنڈدادن خان کو آباد کرنے والا گڑھ چتوڑ کا ہاڈا راجپوت فتح چند تھا جس نے مسلمان ہو کر دادن خان نام پایا۔ جہاں گیر کے دور میں وہ اس علاقہ کا راجہ تھا لیکن کھوکھر اس سے بہت پہلے یہاں آباد تھے۔ آئین اکبری میں اس کا ذکر ہے۔ پنجاب کے دوسرے قبیلوں کی طرح ان کی اصل بھی مبہم ہے روایت ان کو اعوان سے ملاتی ہے۔ تاج الماثر (۶۰۲ھ بمطابق ۱۲۰۵ء کی تحریر شدہ) میں کھوکھروں کا ذکر ملتا ہے۔ پھر طبقات ناصری (۱۲۵۹ء) میں۔ ۱۳۹۸ء میں امیر تیمور نے جب ہندوستان پر حملہ کیا تھا تو کھوکھر قبیلہ کے سردار نصرت نے اس کا سخت مقابلہ کیا۔ نصرت کھوکھر کا بھائی شیخا کھوکھر ایک تاریخی شخص ہے۔

ملی:

جٹ قبیلہ سیال کوٹ اور جند (Jind) میں آباد تھا۔ سیال کوٹ کے ملی اپنے آپ کو سروہہ راجپوت کہتے ہیں۔ اور ملی نام ایک شخص اپنے سات لڑکوں کے ہمراہ گلہ بان کی حیثیت سے پنجاب میں ہجرت کر کے آیا تھا۔ تین پشتوں تک انہوں نے دیہاتی زندگی بسر کی، امرت سر اور گوجرانوالہ میں ان کی مضبوط کالونیاں ہیں۔ ورسی کا لڑکا نارنگ ہمایوں کے دور میں ضلع گوجرانوالہ میں آباد ہوا اور نارنگ کے لڑکے رام نے ایک ورک خاتون سے شادی کی اور جہیز میں اس کی اراضی پائی۔

مان:

بہت وسیع علاقہ میں پھیلا ہوا بھلر اور اہیر کی طرح اصل جٹ قبیلہ۔ اپنے آپ کو راجپوت نسل سے بتاتے ہیں۔ سکھوں کے سب سے بڑے گھرانے مان قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا آبائی وطن بٹھنڈہ کہلاتا ہے۔

منج:

ایک بڑا راجپوت قبیلہ' ان کا کہنا ہے کہ وہ سیال کوٹ کے بھٹی راجپوت راجہ رسالو کے بیٹے راجہ سالواہن کی نسل سے ہیں۔ تقریباً" سات صدیاں پیشتر دو منج راجپوت شیخ چاچو اور شیخ کلچی لدھیانہ کے جنوب مغرب ہاٹھر میں آباد ہوئے اور ان کی اولاد قریبی علاقوں میں پھیل گئی۔ شیخ چاچو نے اوچ کے مخدوم شاہ جہانیاں کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔

مغل:

مغل یا منگول' یہ لوگ مغل بادشاہ بابر کے ہمراہ ہندوستان میں وارد ہوئے۔

ناگرا:

چیمہ قبیلہ کی ایک شاخ جو دہلی سے براستہ جالندھر ہجرت کر کے پسرور ضلع سیالکوٹ میں آباد ہوئے۔ ناگرا نام کا شخص اس قبیلہ کا جداعلیٰ تھا۔

نکئی:

ضلع لاہور کے جنوب مغرب میں سکھوں کا ایک گھرانہ۔

نارو:

نارو منج کے سوا' پہاڑی راجپوتوں کا بہت زیادہ پھیلا ہوا ایک قبیلہ۔ مرکزی اضلاع جالندھر اور ہوشیار پور ہیں۔ کئی چندر بنسی اور کئی رگھوبنسی راجپوت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

پراچہ:

ایک معمولی مسلمان تاجر قبیلہ ان کی اصل کے متعلق مختلف روائتیں بیان کی جاتی ہیں۔ کئی اپنے آپ کو ماں کی جانب سے فارس کے بادشاہ نوشیراں کی اولاد بتاتے ہیں۔

پنوں:

ایک جٹ قبیلہ سورج بنسی راجپوت اولکھ کے قرابت دار۔ ان کا ایک نسب نامہ ملاحظہ ہو:

رگھو اگ جبسرتھ' رام چندر' لہو' پریشت' تلوچر' شا' اجراج' دھنیو' پنوں۔

راجپوت:

ویدی ادب میں راجپوت کو راجہ کا بیٹا کہا گیا ہے۔ اگرچہ یہ وسیع معنوں میں بولا جاتا ہے بعد کے زمانہ میں زمیندار اور نواب کے لئے استعمال ہونے لگا۔ سورج بنسی اور چندربنسی راجپوت آپس میں شادی کرتے ہیں۔ بعد میں درجہ اول کے ٹھاکروں کو راجپوت کہتے تھے۔

رانا:

ایک بادشاہ' قدیم زمانہ میں مغربی ہمالیہ کے چھوٹے حکمران راجپوتوں کی اعلیٰ جماعت۔

رندھاوا:

جٹ قبیلہ ضلع' امرت سر اور گورداسپور ان کے مرکز تھے۔ اس قبیلہ کا بانی جدو (jadu) یا بھٹی راجپوت رندھاوا سات صدیاں قبل بیکار نیر میں رہائش رکھتا تھا۔ اس کی پانچویں پشت سے کل ہجرت کر کے بٹالہ آیا جسے بھٹی راجپوت رام دیو نے آباد کیا تھا۔

رانجھا:

راجپوت مرتبہ کا ایک قبیلہ' شاہ پور کے بالائی شمالی علاقہ اور گجرات میں جہلم اور چناب کے درمیانی میں پایا جاتا ہے۔ بھٹی راجپوت ہیں۔ (۳۲۳)۔

رتو:

لدھیانہ کا ایک جٹ قبیلہ

ساہی:

جٹ قبیلہ' سندھو کی طرح سورج بنسی راجپوت' جداعلیٰ ساہی تھا۔ سیال کوٹ کے ساہی راجہ رام چند تک اپنا نصب لے جاتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ غزنی سے سلطان محمود کے ہمراہ آئے تھے۔

سلھریہ:

سام بنسی (Sombansi) راجپوت جو اپنا نسب راجہ سیگل تک ملاتے ہیں۔ چندر

گپت کی اولاد' ان کے جداعلیٰ دکن سے سلطان محمود کے کمانڈر کی حیثیت سے شیخا کھوکھر کی بغاوت کو کچلنے کے لئے آئے تھے اور سیالکوٹ میں آباد ہو گئے تھے۔ اس کی اولاد سلطان بہلول لودھی کے دور میں مسلمان ہوئی تھی۔

سید:

حضرت محمدؐ کے داماد حضرت علیؓ کی حضرت فاطمہؓ سے اولاد۔

سیال:

پنور راجپوت' اٹھارہویں صدی کے نصف اول میں نمایاں حیثیت حاصل کی۔ دارانگر کے رائے شنکر پنور راجپوت کی اولاد پاکپتن کے بابا فرید کے ہاتھوں مسلمان ہوئے تھے۔

سندھو:

دوسرا بڑا جٹ قبیلہ' مرکزی اضلاع امرتسر اور لاہور اجودھیا کے سورج بنسی راجپوت رگھوبنسی شاخ سے ان کا تعلق ہے ان کا کہنا ہے کہ ان کے جداعلیٰ محمود غزنوی کے ہمراہ غزنی چلے گئے تھے اور تیرہویں صدی میں فیروز شاہ کے عہد میں افغانستان سے ہندوستان واپس آئے تھے۔ بعد میں وہ مانجھا میں آباد ہو گئے۔ اس کے علاوہ اور بھی مختلف روائتیں ہیں۔

سپرا:

گل قبیلہ کی ایک شاخ' جہلم پنجاب کے نشیب میں اور ضلع جھنگ میں بڑی طاقت کے حامل ہیں۔ ہندو راجپوت ان کی اصل ہے۔

تارڑ:

اصل سورج بنسی راجپوت' ان کا جداعلیٰ تارڑ تھا جو محمود غزنوی کی ملازمت میں تھا۔ تارڑ کے لڑکے لوہی جس کی یہ اولاد ہیں' بھٹنیر سے نقل مکانی کر کے گجرات میں آکر آباد ہوا جہاں اس کی نسل پھیلی۔ ایک دوسری روائت کی روشنی میں وہ ہمایوں کے دور میں آباد ہوا تھا۔ علاوہ ازیں اور بھی کئی روائتیں ہیں۔

وڑائچ:

ایک بہت بڑا جٹ قبیلہ' ان کا کہنا ہے کہ ان کا جداعلیٰ دھوری جٹ تھا جو محمود غزنوی کے ہمراہ ہندوستان آیا اور گجرات میں آباد ہوا۔ ایک روایت کے مطابق وہ سورج بنسی راجپوت ہیں جو غزنی سے گجرات آئے تھے۔ تیسری روایت کی روشنی میں وہ راجہ کرن کی اولاد ہیں۔

واہگہ:

ایک چھوٹا قبیلہ جو سنٹرل بار میں کھرل قبیلہ کے تحت مویشیوں کو گھاس چرایا کرتا تھا۔

واہلہ:

سیال کوٹ کا جٹ قبیلہ

وٹو:

راجپوت قبیلہ' ستلج کے علاقہ میں رہتا تھا۔ سیال کوٹ کے راجہ سالباہن کی اولاد میں سے سدھو کے لڑکے راجپال کی اولاد۔ ایک روایت کے مطابق حویلی۔ منٹگمری کے حکمراں کھیوا کے دور میں بابا فرید کے ہاتھوں اسلام قبول کیا تھا۔ بعد میں مشہور وٹو رہنما لکھی خاں حکمراں ہوا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق حسار کے وٹو راجہ رسالو کے لڑکے ڈاسل کی اولاد ہیں۔ بہاولپور کے وٹو اپنے آپ کو جیسلمر کا بتاتے ہیں۔ یہ پنجاب میں آباد ہوئے اور بٹالہ (وٹالہ) آباد کیا۔ فیروز شاہ تغلق کے دور میں یہ مسلمان ہوئے تھے۔ (۳۹۱)

ورک:

جٹ قبیلہ' ہیڈکوارٹرز گوجرانوالہ اور لاہور کے اضلاع۔

تفصیلات کے لئے دیکھئے

A Gossary of the Tribes and Castes ----- Denzil ------

(iv) آفات ارضی و سماوی

ضلع شیخوپورہ میں ایسی خطرناک آفات ارضی و سماوی نہیں آئیں جو ذکر کے قابل ہوں اور جن کی وجہ سے لوگ دوسرے علاقوں کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوں۔

قحط : بارش خالق حقیقی کی ایک بڑی نعمت ہے اگر کوئی علاقہ بڑی دیر تک اس نعمت سے محروم رہے تو قحط کی صورت پیدا ہوجاتی ہے۔ گزشتہ صدی کے آخری سالوں میں بھی ایک ایسی ہی صورتحالی پیدا ہوگئی تھی۔

۲ اکتوبر ۱۸۹۹ء کی ایک خبر ملاحظہ ہو:

> "علاقہ شیخوپورہ' بارش نہ ہونے سے اس علاقہ کا برا حال ہے' فصل خریف بالکل نہیں ہوئی' فصل ربیع کی کچھ امید نہیں دیہات میں دس دس بیس بیس گھروں کو قفل لگ گئے ہیں۔ غلہ کا نرخ بارہ سیر ہے۔"

اس سے ۴ برس پہلے بھی بارش کے نہ ہونے کی شکایت تھی۔ جہلم کا سراج الاخبار ۱۵ جولائی ۱۸۹۵ء کو خبر دیتا ہے :

> "بارش بالکل نہیں ہوئی' سب تالاب' چھپڑ سوکھ گئے ہیں۔ ڈنگر ڈھور بھوکے مرے جاتے ہیں۔"

طاعون : یہ بڑی مہلک بیماری ہے' بڑی تیزی سے پھیلتی ہے اور آناً" فاناً" سینکڑوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہے۔ شہر شیخوپورہ میں مارچ ۱۹۲۳ء میں یہ مہلک بیماری پھیلی۔ مارچ ۱۹۲۵ء میں اس نے دوبارہ حملہ کیا۔ بلدیہ نے علاج کے لئے ۴ آدمی ملازم رکھے۔ ۱۹۲۹ء میں جب یہ بیماری پھر آئی تو بلدیہ نے ۷۵ چوہے دانوں کی مرمت پر نو روپے چھ آنے خرچ کئے۔ ۱۹۳۰ء تک اس نے پیچھا نہ چھوڑا۔

ضلع بننے سے قبل مئی ۱۹۰۵ء میں پورا ضلع گوجرانوالہ طاعون کی لپیٹ میں تھا' ستمبر اور دسمبر ۱۹۱۰ء میں پورے پنجاب میں یہ متعدی بیماری پھیلی تھی جس سے ۱۷۰ اموات واقع ہوئی تھیں۔

۱۹۲۵ء میں طاعون کی بیماری کی روک تھام کرنے پر سول سرجن نے سینیٹری انسپکٹر کو ایک گھڑی مالیتی ۲۵ روپے انعام میں دینے کی سفارش کی۔

باب ۵

(i) ڈپٹی کمشنر آفس

۱۹۲۰ء میں شیخوپورہ جب ایک ضلع بنا تو ضلعی عدالتیں ابتدا میں قلعہ کی وسیع و عریض عمارت میں لگا کرتی تھی- سرگنگا رام (۱۸۵۱ - ۱۹۲۷) کی نگرانی میں شہر کے مغرب میں ڈی سی آفس اور عدالتوں کے کمرے ۱۹۲۲ء میں تعمیر ہوئے تو ضلعی انتظامیہ اور عدالتیں اس عمارت میں منتقل ہوگئیں-

ضلع بنتے ہی قانون سے وابسطہ لوگ نقل مکانی کرکے یہاں آگئے اور شیخوپورہ کو اپنا مستقل ٹھکانہ بنالیا- یہ وکلاء ہندو' سکھ اور مسلمان تھے- ان میں سے کئی لوگوں نے قیام پاکستان سے پہلے اور بعد میں ملکی و صوبائی سطح پر سیاست میں نام پیدا کیا-

قیام پاکستان سے پہلے کے چند وکلاء:

۱- چوہدری سریا رام' ایڈووکیٹ اس کی ایک لڑکی مس لیلاوتی ڈاکٹر تھی-
۲- لالہ دیوی دیال ولد لالہ گلاب رائے' وفات ۷ ستمبر ۱۹۴۳ء عمر ۷۵ برس-
۳- لالہ رادھاکشن ولد لالہ ٹھاکر داس' وفات ۲۹ جنوری ۱۹۴۳ء عمر ۵۰ برس-
۴- بابو ہوشناک رائے-
۵- شوناتھ رائے' اس نے کوٹھی تعمیر کرنے کے لئے ۲۳ مارچ ۱۹۲۳ء کو درخواست دی تھی-
۶- جگت سنگھ' بلدیہ شیخوپورہ کا ممبر ۱۹۲۳ء' ۱۹۲۷ء' ۱۹۲۸ء میں رہا' حکومت نے دوبار نامزد کیا-
۷- ملک جے رام ۱۹۲۹ء
۸- چوہدری گڈا رام بیرسٹر تھے- ۱۹۲۹ء میں-
۹- لالہ ہری رام' آپ آریا سماج پارٹی کے سیکرٹری بھی تھے-
۱۰- پنڈت ہنس راج ۱۹۲۵ء

مسلمان وکلا میں چوہدری شاہ محمد بیرسٹر، شیخ کرامت علی، ملک محمد انور، علم الدین، غلام باری سلیمی۔

میونسپل کمیٹی شیخوپورہ کے اجلاسوں کی کارروائیوں سے ضلع کے ڈپٹی کمشنروں کی نشاندہی ہوتی ہے کیونکہ شروع شروع میں ڈپٹی کمشنر ہی کمیٹی کے پریذیڈنٹ ہوا کرتے تھے۔

۱۵ جنوری ۱۹۲۰ء	ایم ایم ایل Currie آئی سی ایس تھے۔
۱۴جون ۱۹۲۱ء	خان صاحب ملک زماں مہدی خاں، بی اے۔
۲۲ دسمبر ۱۹۲۳ء	ڈبلیو جی بریڈ فورڈ ICS تھے۔
۲۴ مئی ۱۹۲۴ء	ایچ ایس ملک۔
۲۰ جون ۱۹۲۴ء	خان بہادر ملک زماں مہدی خان۔
۳ نومبر ۱۹۲۵ء	میجر نواب طالب مہدی خان۔
۱۵ جون ۱۹۲۶ء	خان بہادر چوہدری محمد دین PCS۔
۱۶ نومبر ۱۹۲۷ء	ICS CBE H. K. TREVASKIS

۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو امرتسر میں جلیانوالہ باغ میں جنرل ڈائر کے ظالمانہ حکم پر ایک جلسہ میں شریک ہونے والے لوگوں پر اندھادھند گولیاں چلاکر جلسہ گاہ کو خون اور لاشوں سے بھر دیا تو لوگ غم و غصہ سے بے قابو ہوگئے۔ توڑپھوڑ، گھیراؤ، جلاؤ اور انگریزوں کے خلاف ہر بڑے شہر و قصبہ میں نفرت کا اظہار ہونے لگا۔ مارشل لاء لگادیا گیا۔ اس زمانہ میں بارسورتھ اسمتھ شیخوپورہ کے ڈپٹی کمشنر تھے۔ انہوں نے لوگوں پر بہت ظلم کئے۔ جب مارشل لاء کے متعلق کمیشن مقرر ہوا تو شہادتیں اس قسم کی دی گئیں جن سے باسورتھ کا وحشیانہ پن ثابت ہوتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ انڈین سول سروس کی ملازمت سے موقوف کر دیئے گئے۔ باسورتھ اسمتھ کے والد لندن کی ایک یونیورسٹی میں پروفیسر تھے اور ان کی کوششوں سے ہی باسورتھ انڈین سول سروس میں داخل کرلئے گئے ورنہ ذہنی لحاظ سے یہ انتہائی بے وقوف، اجڈ، ظالم اور نیم پاگل شخص تھا۔ جلیانوالہ باغ میں فائرنگ کے موقعہ پر ڈھابان سنگھ اور چوہڑکانہ میں بھی ہنگامے ہوئے تھے۔

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۹۱۹ء میں شیخوپورہ ضلع بن گیا تھا لیکن سرکاری کاغذات سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ اکتوبر ۱۹۱۹ء میں شیخوپورہ کو نوٹیفائیڈ ایریا قرار دیا

جاتا ہے پنجاب گزٹ ۲۱ نومبر ۱۹۱۹ء کے صفحہ ۷۷۰ پر ضلع گوجرانوالہ میں شیخوپورہ کو ایک ٹاؤن تحریر کیا ہے یہی صورت ۲۶ دسمبر ۱۹۱۹ء کے پنجاب گزٹ میں دہرائی گئی ہے۔

پنجاب گزٹ ۴ جون ۱۹۲۰ء کے ص ۵۱۵ پر شیخوپورہ کو ایک ضلع کی حیثیت سے درج کیا ہے اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ۱۹۲۰ء میں شیخوپورہ ایک ضلع بنا تھا۔

ضلع شیخوپورہ کو اس پر فخر ہے کہ اس کے ایک ڈپٹی کمشنر ملک زماں مہدی خاں تھے جنہوں نے تحریک پاکستان میں ایک مثالی کردار ادا کیا۔ مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے رکن تھے۔ ۱۹۳۸ء میں آپ پنجاب مسلم لیگ کے نائب صدر تھے حکومت نے آپ کو خان بہادر کا خطاب یکم جنوری ۱۹۱۶ء کو دیا۔ ان دنوں آپ ایکسٹرا کمشنر تھے۔ تعلیم آپ کی بی۔ اے تھی۔

نومبر ۱۹۳۱ء سے جون ۱۹۳۴ء تک خان صاحب گوجرانوالہ کے ڈپٹی کمشنر رہے تھے۔

ملک مسعود محمد کو لوگ اچھے لفظوں سے یاد کرتے ہیں۔ ۱۹۸۶ء میں ملک صاحب شیخوپورہ میں بطور مجسٹریٹ آئے۔ ساڑھے چار برس یہاں رہے۔ جون ۱۹۹۲ء میں آپ دوبارہ تبدیل ہوکر آئے۔ ننکانہ صاحب میں کچھ عرصہ اسسٹنٹ کمشنر کی حیثیت سے خدمات انجام دینے کے بعد شیخوپورہ میں بطور اے سی اکتوبر ۱۹۹۸ء کو تبدیلی ہوکر آئے ہیں۔

ضلع شیخوپورہ کے ڈپٹی کمشنر صاحبان

1.	H.K. Traveskis	11-1925	06-1928
2.	Kh. Abdul Majid	07-1928	12-1928
3.	W.G. Breadford	01-1929	03-1929
4.	Nawabzada Saidullah Khan	04-1929	03-1932
5.	Pandit Janki Nath Atal	04-1932	09-1935
6.	Sh. Noor Muhammad	10-1935	09-1938
7.	S. S. Bawa Nanak Singh	10-1938	12-1940
8.	C. N. T. Henry	01-1941	10-1941
9.	Pir Ahsin-ud-Din	11-1941	25-11-43
10.	R.S. Dewan Sukhnand	26-11-43	10-10-46
11.	Ghulam Sarwar Khan	11-10-46	24-10-46
12.	R.S. Dewan Sukhnand	25-10-46	19-03-47

13.	C.H. Disney	14-08-47	07-03-49
14.	K.B. Ch. Ghulam Ahmad	30-10-47	07-02-49
15.	K.B. S. Ijaz Hussain	08-03-51	26-09-51
16.	S. G. H. Shah Bukhari	05-10-51	06-06-52
17.	G.M. D. Gillani	14-07-53	14-06-56
18.	A. K. Baig	22-06-56	10-01-57
19.	S.B. Awan	11-01-57	10-03-57
20.	Muhammad A. K. Baig	11-03-57	14-07-57
21.	Muhammad A. Soofi	15-07-57	30-06-58
22.	Izhar-ul-Haq	01-07-58	08-10-60
23.	S. Ghulam Farid Khan	09-10-60	02-09-62
24.	Muhammad Mohsin	06-09-62	13-05-64
25.	A. Sami Qureshi	14-05-64	04-11-64
26.	Muhammad Sher Lali	05-11-64	15-03-67
27.	Muhammad Lutafullah	16-03-67	17-06-69
28.	Muhammad Tariq Khan	18-06-69	30-06-70
29.	Sultan Maqsood	30-06-70	26-04-72
30.	Mahmood Akhtar Wasir	30-04-72	31-05-72
31.	Muhammad Afzal Kohut	31-05-72	24-03-74
32.	Amin Ullah Chaudhary	25-03-74	05-06-75
33.	C. M. Hanif	06-06-75	04-11-75
34.	Malik Abdul Majid	05-11-75	02-08-77
35.	Faiz Karim	27-08-77	09-03-80
36.	Javed Sadiq Malik	10-03-80	19-04-81
37.	Kamran Zafar	20-04-81	------
38.	S. Ansar Hussain Shamsi	01-09-81	16-04-84
39.	Naveed Ahsan	17-04-84	22-09-84
40.	Raja Muhammad Aqilullah	19-03-84	01-12-84

41.	Naveed Ahsan	01-01-85	13-04-85
42.	Usama Maud	13-04-85	29-03-88
43.	Muhammad Mumtaz Joya	31-03-88	06-08-90
44.	Haji Bashir Hussain	06-08-90	26-11-90
45.	Hasan Wasim Afzal	26-11-90	18-07-92
46.	Kh. Muhammad Sadiq	18-07-92	27-04-93
47.	Mazhar Ali Khan	05-05-93	01-08-93
48.	Mian Muhammad Iqbal	01-08-93	19-04-94
49.	Shafqat Hussain Naghmi	19-04-94	16-01-96
50.	Saeed Iftakhar	16-01-96	24-11-96
51.	Iqbal Ahmad Bosan	24-11-96	23-08-97
52.	Waheed Ullah Goraya	23-08-97	10-10-97
53.	Tajul Malook	10-10-97	-----

(ii) پولیس

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور سے پہلے قلعہ شیخوپورہ دو تھانیداروں کے قبضہ میں تھا۔ مہاراجہ نے شہزادہ کھڑک سنگھ کی نگرانی میں جب فوج قلعہ شیخوپورہ کو فتح کرنے کے لئے بھیجی تو تھانے داران قلعہ شیخوپورہ امیر سنگھ اور شمہیر سنگھ نے۔

"معتبر قاصدوں کے ذریعہ اطاعت و فرماں برداری کا پیغام بھیجا کہ یہ فدوی زمانہ قدیم سے اطاعت گزاروں کے زمرے میں شامل ہے۔ اس لئے فدوی کی جانت سے نذرانہ وصولی فرماکر قلعہ مذکور پر حملہ نہ کیا جائے۔"

جواب میں مہاراجہ نے فرمایا:

"شیخوپورہ کا تھانے دار اپنے گزارے کے لئے سرکار دولت مدار سے چند دیہات حاصل کرنے پر اکتفاء کرے اور قلعہ کو چھوڑ کر مہاراجہ کی ملازمت کے شرف سے دونوں جہانوں کی سعادت اور عزت حاصل کرے۔"

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوج نے قلعہ شیخوپورہ کو فتح کرلیا اور امیر سنگھ اور شمہیر سنگھ گرفتار ہوئے۔ مہاراجہ نے گورو بخش سنگھ کو شیخوپورہ کا تھانیدار مقرر کیا۔

۱۹۲۰ء میں ضلع بنتے ہی یہاں پولیس کا ضلعی ہیڈکوارٹر معرض وجود میں آگیا تھا۔ آزادی وطن کے موقعہ پر مرزا محمد باقر ضلع کے ایس پی تھے۔ آپ ۲۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء تک رہے تھے۔ ۳۰ جولائی ۱۹۹۱ء کو شعبہ پولیس میں عہدہ کے لحاظ سے اسٹاف کی تعداد اس طرح ہے: ایس پی ۱' ڈی ایس پی ۳' انسپکٹر ۶' سب انسپکٹر ۳۶' اسسٹنٹ سب انسپکٹر ۸۲' حوالدار ۱۷' سپاہی ۵۸۵۔

ضلع پانچ سرکلز میں منقسم ہے جو ۳ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے تحت ہیں۔

۱۔ سٹی سرکل' اس میں ۳ پولیس سٹیشن ہیں۔

۲۔ صدر سرکل' اس میں ۵ پولیس سٹیشن ہیں۔ فاروق آباد' خان قاہ ڈوگراں' اجنیانوالہ' ڈھاباں سنگھ اور بھکی۔

۳۔ سانگلہ ہل سرکل: ۴ پولیس سٹیشن اس میں شامل ہیں۔ سانگلہ ہل شاہ کوٹ' مانانوالہ' مڑھ بلوچاں۔

۴۔ ننکانہ صاحب سرکل: اس میں ۷ پولیس سٹیشن ہیں' ننکانہ صاحب' واربرٹن' بڑا

گھر' مانگٹانوالہ' سیدوالا' فیض آباد اور بچیکی۔
مانگٹانوالہ تھانہ میں ۱۸۵۱ء میں سرگنگارام کا باپ دولت رام حوالدار تھا۔

۵۔ فیروزوالا - اس میں یہ پولیس سٹیشن شامل ہیں۔ فیروزوالا' مریدکے' نارنگ' فیکٹری ایریا' شرق پور' لبان والہ اور فتووالہ۔

ایس پی صاحبان کے نام و ادوار

۱۔ مرزا نعیم الدین	۲۹-۱۰-۱۹۴۷	۱۵-۶-۱۹۴۸
۲۔ عطا محمد نون	۱۶-۶-۱۹۸۴	۲۸-۱۰-۱۹۴۸
۳۔ رانا جہاں داد خان	۲۲-۱۱-۱۹۴۸	۳-۱۰-۱۹۵۰
۴۔ مسعود عزیز	۲۸-۵-۱۹۵۱	۱۵-۷-۱۹۵۲
۵۔ قائم حسن	۱۶-۷-۱۹۵۲	۵-۱۰-۱۹۵۲
۶۔ نذیر احمد	۱۶-۱۰-۱۹۵۲	۱۳-۱۰-۱۹۵۳
۷۔ شیخ محمد زاہد	۱۴-۱۰-۱۹۵۳	۱۷-۲-۱۹۵۵
۸۔ اعظم قاضی	۱۹-۲-۱۹۵۵	۶-۶-۱۹۵۵
۹۔ صاحبزادہ رؤف علی	۶-۶-۱۹۵۵	۷-۱۱ ۱۹۵۶
۱۰۔ سید آفتاب علی	۸-۱۱-۱۹۵۵	۱-۷-۱۹۵۸
۱۱۔ خان عبداللہ خاں	۱-۷-۱۹۵۸	۱۱-۳-۱۹۶۱
۱۲۔ ملک سعد اللہ خاں	۱۳-۳-۱۹۶۱	۹-۶-۱۹۶۳
۱۳۔ سرفراز ایس خاں	۷-۶-۱۹۶۳	۲۷-۶-۱۹۶۴
۱۴۔ چوہدری سکندر حیات	۲۸-۶-۱۹۶۴	۱۹-۸-۱۹۶۵
۱۵۔ ایم انور برلاس	۸-۹-۱۹۶۵	۶-۱۲-۱۹۶۵
۱۶۔ آئی آر ملی	۷-۱۲-۱۹۶۵	۱۶-۸-۱۹۶۷
۱۷۔ حسن مصطفیٰ	۱۶-۸-۱۹۶۷	۹-۶-۱۹۶۹
۱۸۔ فضل محمود	۹-۶-۱۹۶۹	۵-۹-۱۹۷۰
۱۹۔ محمد عاشق	۱۰-۱۰-۱۹۷۰	۷-۷-۱۹۷۲

۲۰- چوہدری نثار احمد	۷-۷-۱۹۷۲	۲۳-۳-۱۹۷۴
۲۱- محمد امین	۱۹-۴-۱۹۷۴	۱۷-۲-۱۹۷۵
۲۲- چوہدری افتخار احمد	۱۸-۲-۱۹۷۵	۳۱-۸-۱۹۷۵
۲۳- اسد جہاں گیر خاں	۱۰-۲-۱۹۷۵	۱۰-۵-۱۹۷۶
۲۴- عبدالخالق	۱۰-۵-۱۹۷۶	۲۰-۱-۱۹۷۷
۲۵- قاضی صفدر حسین	۲۱-۱-۱۹۷۷	۱۶-۸-۱۹۷۷
۲۶- ایم شریف بٹ	۱۲-۱۰-۱۹۷۷	۹-۵-۱۹۷۸
۲۷- ملک فلک شیر	۱۶-۷-۱۹۷۸	۱۲-۹-۱۹۷۹
۲۸- شاہد شریف	۱۲-۹-۱۹۷۹	۱۵-۳-۱۹۸۰
۲۹- صلاح الدین احمد خاں نیازی	۱۵-۳-۱۹۸۰	۱-۸-۱۹۸۲
۳۰- علی اصغر	۱۱-۸-۱۹۸۲	۱۳-۱۱-۱۹۸۳
۳۱- محمد سرفراز خاں	۱۳-۱۱-۱۹۸۳	۱۸-۸-۱۹۸۶
۳۲- چوہدری بشیر احمد	۱۹-۸-۱۹۸۶	۲۸-۶-۱۹۸۸
۳۳- اقبال احمد	۲۸-۶-۱۹۸۸	۱۱-۷-۱۹۸۹
۳۴- چوہدری عبدالحامد خاں	۱۱-۷-۱۹۸۹	
۳۵- خان امان اللہ خاں	۱۲-۶-۱۹۹۰	۲-۲-۱۹۹۱
۳۶- طارق سلیم ڈوگر	۳-۲-۱۹۹۱	۳۰-۷-۱۹۹۲

۳۷- محمد اشرف مارتھ ۹۲-۷-۳۱ تا ۹۳-۵-۵ گوجرانوالہ میں دہشت گردوں نے شہید کر دیا۔

۳۸-ناصر خاں درانی ۱۹۹۳-۵-۶ ۱۹۹۳-۷-۳۰

۳۹-ظفر احمد قریشی	۳۱-۷-۱۹۹۳	۵-۱-۱۹۹۴
۴۰-رانا اللہ ف مجید	۲۰-۴-۱۹۹۴	۱۴-۸-۱۹۹۵
۴۱-شوکت علی شاہ	۱۵-۸-۱۹۹۵	۲۳-۱۱-۱۹۹۶
۴۲-چوہدری تصدیق حسین	۲۳-۱۱-۱۹۹۶	۷-۷-۱۹۹۷
۴۳-سید عابد علی قادری	۱۶-۷-۱۹۹۷	۱۷-۸ ۱۹۹۸
۴۴-غلام محمد کلیار	۱۸-۸-۹۸	

باب ۶

مواصلات

(i) ڈاک خانہ

مرزا غالب (۱۸۶۹ء - ۱۷۹۷ء) کے خطوط سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ انگریزوں کی عملداری شروع ہوتے ہی انہوں نے ہندوستان میں باقاعدہ ڈاک خانہ کا نظام قائم کردیا تھا۔

انگریزوں نے ۱۸۴۹ء میں پنجاب پر قبضہ کیا۔ ان دنوں شیخوپورہ ایک معمولی سا قصبہ تھا۔ چند ہزار نفوس پر مشتمل یہاں کی آبادی تھی۔ ۹۰ - ۱۸۸۹ء کے قریب یہاں ایک غیر سرکاری ڈاک خانہ برانچ پوسٹ آفس کے نام سے کھلا تھا۔ ہیڈپوسٹ آفس قلعہ شیخوپورہ میں خوش قسمتی سے ابتدا سے لے کر موجودہ دور تک کی انسپکشن رپورٹس موجود ہیں۔ پہلی رپورٹ ۲۴ اکتوبر ۱۸۹۰ء کی لکھی ہوئی ہے۔ انسپکٹر آف سکولز کے ہاتھ کی اردو میں خوش خط رپورٹ ہے۔ ابتدا میں انسپکٹر آف سکولز ڈاک خانہ کی انسپکشن کیا کرتے تھے۔ قریبی دیہاتوں میں خطوط کی تقسیم کے لئے ایک دیہاتی پوسٹ مین فضل نام کا تھا۔ فضل بہت کم پڑھا لکھا تھا' جولائی ۱۹۰۳ء میں برانچ پوسٹ آفس کو سرکاری سطح پر سب پوسٹ آفس کا درجہ دے دیا گیا۔ ۱۴ دسمبر ۱۸۹۸ء تک ہری چرن داس دتہ انسپکٹر آف سکولز نے یہاں کی انسپکشن کی تھی۔ ۱۱ دسمبر ۱۸۹۳ء کی انسپکشن کے دوران ناقص کارکردگی کی بناء پر دو دیہاتی چھٹی رسانوں سراج الدین اور احمد بیگ کو ایک ایک روپیہ جرمانہ عائد کیا گیا۔ انگریزی میں لکھے ہوئے ایڈریسوں کا اردو میں ترجمہ نہ ہونے کی شکایت عام تھی۔

۲۲ اکتوبر ۱۹۰۱ء کو پہلی بار انسپکٹر آف پوسٹ آفسز J. ISAAC نے سب پوسٹ آفس کا معائنہ کیا۔ لائل پور' گوجرانوالہ اور گجرات کے انسپکٹر صاحبان بھی معائنہ پر یہاں آئے۔ جون ۱۹۰۴ء میں یہ برانچ سانگلہ ہل سب ڈویژن کے تحت تھی۔ ۳۱ مارچ ۱۹۴۷ء کو یہاں کے پوسٹ ماسٹر فضل احمد ۱۷۰ روپے ماہوار تنخواہ پاتے تھے۔ قیام پاکستان کے وقت

بھی آپ ہی پوسٹ ماسٹر تھے۔ پہلی بار انگریزی میں ٹائپ شدہ انسپکشن رپورٹ ۲۳ جون ۱۹۲۳ء کو رپورٹ بک میں چسپاں کی گئی۔ پہلی رپورٹ بک ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا سائز ۱۹ x ۱۶ سم ہے۔ سیالکوٹی خاکی کاغذ ہے۔

یکم اکتوبر ۱۹۲۷ء کو ہیڈ پوسٹ آفس (L.S.G.) بنادیا۔ چنن رام پوسٹ ماسٹر تھے۔ ۱۹ فروری ۱۹۷۳ء کو ہیڈ پوسٹ آفس (H.S.G.) کا درجہ ملا۔ یکم جون ۱۹۸۷ء کو اسے جنرل پوسٹ آفس کا درجہ دے دیا گیا۔

ہیڈ پوسٹ ماسٹر صاحبان کے نام و ادوار

۱۔	چنن رام	۱۹۲۷–۲۹
۲۔	رام لال	۱۹۳۰–۳۶
۳۔	رام دتہ مل	۱۹۳۶–۳۹
۴۔	کرم چند	۱۹۳۹–۴۲
۵۔	محمد طفیل	۱۹۴۲–۴۶
۶۔	فضل احمد	۱۹۴۶–۴۸
۷۔	سید امجد علی شاہ	۱۹۴۸–۵۰
۸۔	آصف خاں	۱۹۵۰–۵۲
۹۔	نذیر حسین	۱۹۵۲
۱۰۔	شیخ محمد حسین	۱۹۵۲–۵۶
۱۱۔	خیر محمد	۱۹۵۶–۵۹
۱۲۔	سید مظہر علی	۱۹۵۹
۱۳	احمد دین	۱۹۵۹–۶۰
۱۴۔	غلام مرتضیٰ	۱۹۶۰–۶۱
۱۵۔	غلام قادر	۱۹۶۱–۶۶
۱۶۔	شیخ عبدالطیف	۱۹۶۶–۶۸
۱۷۔	سراج دین کھوکھر	۱۹۶۸–۶۹

۱۸۔	عطا محمد	۱۹۶۹-۷۰
۱۹۔	عبدالغفار	۱۹۷۰-۷۱
۲۰۔	عبدالواحد	۱۹۷۱-۷۳
۲۱۔	ارشاد علی شاہ	۱۹۷۳
۲۲۔	عبدالرشید	۱۹۷۳-۷۴
۲۳۔	عبدالمجید بٹ	۱۹۷۴-۷۴
۲۴۔	محمد صادق	۱۹۷۴
۲۵۔	عطا محمد	۱۹۷۵-۷۹
۲۶۔	رحمت علی	۱۹۸۰
۲۷۔	محمد ابراہیم خاں	۱۹۸۰
۲۸۔	سید بشیر حسین	۱۹۸۰
۲۹۔	عبدالرحمن	۱۹۸۰-۸۱
۳۰۔	پیراں دتہ	۱۹۸۱
۳۱۔	مسعود اختر	۱۹۸۲-۸۲
۳۲۔	ریاض احمد	۱۹۸۲-۸۶
۳۳۔	محمد شمیم اقبال بخاری	۱۹۸۶-۸۷
۳۴۔	محمد صفدر	۱۹۸۷-۹۱
۳۵۔	محمد منیر قریشی	۱۹۹۱
۳۶۔	محمد صفدر	۱۹۹۱-۹۳
۳۷۔	محمد منیر	۱۹۹۳
۳۸۔	انوارالحق	۱۹۹۳-۹۷
۳۹۔	شیر محمد گیلانی	۱۹۹۷
۴۰۔	علی احمد اولکھ	۱-۱-۹۸ تا حال۔

۱۹۹۸ء میں ملازمین کی تعداد ۶۴ ہے۔ سینئر پوسٹ ماسٹر گریڈ سولہ کے آفیسر ہیں۔
۱۹۳۰ء سے قبل ڈاک خانہ ریلوے روڈ کی جامع مسجد کے سامنے کرایہ کی عمارت میں ہوا کرتا

تھا۔ موجودہ پختہ اور دیدہ زیب عمارت ۱۹۹۴ء میں تعمیر ہوئی۔ ۱۹۶۳ء میں ڈاک خانہ یہاں منتقل ہوا تھا۔ اس ڈاک خانہ کے تحت شہر میں تین سب آفس' ایک نائٹ پوسٹ آفس ضلع میں ۷۲ سب آفس اور ۳۰۲ برانچ پوسٹ آفس ہیں۔ برانچ پوسٹ ماسٹر کو ۱۹۰ روپے ماہوار ادائیگی کی جاتی ہے۔

ریلوے روڈ حبیب بینک والی جگہ پر ڈاک خانہ نائٹ پوسٹ آفس کے طور پر کام کرتا رہا۔ ایک سال کے بعد یہ ڈاک خانہ شہر میں گرجاگراؤنڈ کے پاس منتقل ہوگیا۔ وہاں کچھ عرصہ تک یہ نائٹ پوسٹ آفس ہی رہا۔ یہاں تک کہ دن کے وقت ۱۳ اپریل ۱۹۶۴ء کو اس جگہ سٹی پوسٹ کھل گیا اور اسی جگہ پر پچھلے وقت نائٹ پوسٹ اپنا کام کرتا رہا' عرصہ ۸ سال سے یہ اپنی مستقل عمارت میں منتقل ہوگیا ہے۔

مسلم گنج میں طارق روڈ پر ۲۸ مئی ۱۹۸۰ کو ڈاک خانہ کی ایک شاخ نے کام شروع کیا۔ انجمن و اصلاح مسلم گنج نے ابتدا میں چھ ماہ کے لئے فری عمارت دی تھی۔ آج کل کرایہ کی عمارت میں یہ ڈاک خانہ ہے' کام کر رہا ہے۔

(ii) ریلوے

دنیا میں کوئلہ سے چلنے والا انجن ۱۸۷۶ء میں اوٹو نے ایجاد کیا تھا۔ ہندوستان میں انگریزوں نے ۱۸۵۳ء میں بمبئی اور تھانہ (۲۰ میل فاصلہ) کے درمیان ریل گاڑی چلادی۔ کراچی اور کوٹری کے درمیان (فاصلہ ۱۰۴.۹۰ میل) ۱۳ مئی ۱۸۶۱ء کو ریل گاڑی چلنی شروع ہوئی۔

شاہدرہ اور سانگلہ ہل (فاصلہ ۵۶/۲۷ میل) کے درمیان ۱۰ اپریل ۱۹۰۷ء کو ریل گاڑی چلنی شروع ہوئی۔ سانگلہ ہل سے فیصل آباد (فاصلہ ۲۷.۳۳ میل) ۱۵ فروری ۱۸۹۶ء کو گاڑی چلی۔ قلعہ شیخوپورہ ۱۸ نومبر ۱۹۳۶ء کو جنکشن قرار پایا۔ اس سے پہلے چیچو کی ملیاں جنکشن تھا۔ چیچوکی ملیاں اور شورکوٹ کے درمیان ۱۹۰۳ء اور ۱۹۱۱ء کے درمیان گاڑی چلی۔

ریلوے سٹیشن شیخوپورہ پر ۳۸ ریلوے کے ملازمین کام کر رہے ہیں۔ ۱۹۷۲ء میں

یہاں AEN کا دفتر قائم ہوا تھا۔ PWI اور IOW کے دفاتر بھی یہاں ہیں۔ ۱۹۳۹ء میں شیخوپورہ ٹریفک انسپکٹر کا ہیڈکوارٹر ہوا کرتا تھا۔ ان دنوں جڑانوالہ ہیڈکوارٹر ہے۔

شیخوپورہ سے جڑانوالہ تک براستہ ننکانہ صاحب ۱۸ نومبر ۱۹۰۹ء کو ریل گاڑی چلی' فاصلہ ۴۹ میل ہے۔

شیخوپورہ کی ریلوے لائن سے متعلق ایک اردو اخبار سراج الاخبار جہلم مورخہ کیم مئی ۱۹۰۶ء کی ایک خبر ملاحظہ ہو:

> "ریلوے سٹیشن نوکر (؟) کا نہری پل تیار ہوگیا ہے اور اب شتریونکی جڑائی غازی منارہ تک پہنچ گئی ہے۔ اغلباً" دو تین روز تک شیخوپورہ کے سٹیشن تک جڑائی ہوجائے گی۔ اس لائن پر بابو اناتھ داس اورسیر بنگالی قریباً" چھ ماہ سے مامور ہیں۔ آپ کے بھائی بابو سرندر ناتھ داس گپتا ایم اے مشن کالج لاہور کے پروفیسر ہیں۔"

قیام پاکستان سے قبل دی لاہور سکھے کی ٹرانسپورٹ کا شیخوپورہ میں دفتر موجود تھا۔ یہ کمپنی سکھے کی اور لاہور کے درمیان بس سروس چلاتی تھی۔

۱۹۶۱ء میں اللہ دتہ اس کمپنی کا پریذیڈنٹ تھا۔ ۱۹۶۵ء میں یہ کمپنی بند ہوگئی۔ اس کے اڈہ کی جگہ ستمبر ۱۹۶۲ء میں ڈاکٹر محمد یوسف قریشی نے ہسپتال کی تعمیر کے لئے ۲۰ سال کے پٹہ پر ۵۳ روپیہ ماہوار پر نیلامی میں خرید لی۔

(iii) ہائی وے

۱۹۶۷ء سے قبل گوجرانوالہ کے تحت شیخوپورہ میں سب ڈویژن Maintenance ہوا کرتا تھا اور ایس ڈی او انچارج تھا۔ ۱۹۶۷ء میں پی ڈبلیو ڈی کو دو حصوں میں تقسیم کردیا' بلڈنگز اور ہائی وے ۔ ۱۹۶۸ء میں شیخوپورہ میں ا یکسن میاں محمد تنویر کی سربراہی میں سڑکوں کا محکمہ ہائی وے قائم ہوا۔ ۱۹۷۴ء تک یہ مختلف کرایہ کی عمارتوں میں رہا۔ ۱۹۷۴ء میں اپنی مستقل عمارت میں منتقل ہوا۔ ہائی وے کی اپنی کالونی ہے جس میں ا یکسن کی رہائش گاہ کے علاوہ ۳۹ ملازمین کو رہائش کی سہولت موجود ہے۔ ضلع میں پکی سڑکوں کی لمبائی ۶۵۲ کلومیٹر ہے۔ فارم سے مارکیٹ تک ۱۰۷ کلومیٹر اور شوگر ملز کی حدود میں واقع سڑکوں کی لمبائی ۱۱۱

کلو میٹر ہے۔

لاہور' گوجرانوالہ جی ٹی روڈ کا حصہ شاہدرہ سے مریدکے سے ذرا آگے ۲۱ کلومیٹر لمبی سڑک جو ضلع شیخوپورہ کی حدود میں ہے۔ ۹۲ - ۱۹۹۱ء میں یہ نیشنل ہائی وے کی نگرانی میں چلی گئی۔ ۷۷ - ۱۹۷۶ء میں یہ سڑک دو رویہ بنی تھی۔

اس کے علاوہ شیخوپورہ سے مختلف اطراف میں جانے والی پکی سڑکوں کی تفصیل:

۱۔ سرگودھا روڈ' بیگم کوٹ سے خانقاہ ڈوگراں سے ذرا آگے تک۔ طویل ۸۷ کلومیٹر۔ قیام پاکستان سے قبل یہ سڑک پکی موجود تھی۔ ۷۲ - ۱۸۷۱ء میں لاہور تا شیخوپورہ کچی سڑک تیار ہوگئی تھی۔

۲۔ شیخوپورہ سے گوجرانوالہ' بیگ پور تک کا حصہ ۱۴ کلومیٹر ضلع میں ہے۔ جولائی ۹۰ - ۱۹۸۸ء میں ۲۴ فٹ چوڑی تھی۔

۳۔ فیصل آباد روڈ' شاہ کوٹ کے سیم نالہ تک' ۵۹ کلومیٹر لمبی قیام پاکستان کے بعد پختہ بنی۔

۴۔ شیخوپورہ سے شرقپور تک' ۳۰ کلومیٹر ۱۸۸۳ء میں یہ کچی سڑک تھی۔ ۱۹۷۰ء کے بعد پکی سڑک بنی۔

۵۔ شیخوپورہ سے مریدکے تک ۵۴' ۲۳ کلومیٹر' ۱۹۷۶ء میں ۱۲ فٹ چوڑی اور ۱۹۹۸ء میں اسے ۳۴ فٹ چوڑا کردیا۔

۶۔ شیخوپورہ جنڈیالہ شیر خان روڈ' اجنیانوالہ سے آگے پٹرول پمپ تک ۳۵ کلومیٹر پہلے ضلع کونسل کے پاس تھی۔ ۱۹۸۴ء میں محکمہ ہائی وے کے پاس آئی - ۱۹۹۳ء میں جھبراں تک اسے ۲۴ فٹ چوڑا بنا دیا ہے۔

۷۔ شاہدرہ سے نارنگ منڈی تک ۴۳.۴۶ کلومیٹر لمبی' ۱۹۶۵ء کے بعد پاک بھارت جنگ کے بعد تعمیر ہوئی ہے۔ اسی سڑک پر میرا ننھالی گاؤں گوریاں واقع ہے۔موجودہ ایکسئن ای این رانا فاروق اعظم ہیں

لاہور' اسلام آباد موٹروے کا افتتاح وزیراعظم پاکستان نواز شریف نے ۲۶ اکتوبر ۱۹۹۷ء کو کیا۔ چھ رویہ یہ سڑک کوریا کی DAEWOO کمپنی نے تعمیر کی ہے۔ شہر سے پانچ کلومیٹر دور یہ سڑک ہے۔ اب تو ہرن مینار کو بھی موٹروے سے ملادیا گیا ہے۔

باب ۷

(i) زراعت

یہ ضلع ایک زراعتی ضلع بھی ہے یہاں صنعتیں تو ۱۹۶۵ء کے بعد قائم ہوئی تھیں۔ بہترین چاول باسمتی کی پیداوار کے لئے یہ علاقہ ملک بھر میں مشہور ہے۔ قیام پاکستان سے قبل چاول چھڑنے کے کارخانے اور کپاس کے کارخانے یہاں موجود تھے۔

بڑی فصلیں گندم، چاول، گنا، مکئی، کپاس، باجرہ، چنا اور دالیں ہیں۔

شیخوپورہ اور فاروق آباد میں محکمہ زراعت کے تحقیقی مراکز ہیں۔

اجناس کے نرخ آئے روز بدلتے رہتے ہیں۔ ان میں مستقل استحکام نہیں ہے صرف ان اجناس کے نرخوں میں معمولی رد و بدل ہوتا رہتا ہے جن کے نرخ حکومت مقرر کرتی ہے مثلاً گندم اور چاول جو انسانی خوراک کی ایک اہم اجناس ہیں۔

ایک سو برس پہلے کی ایک خبر ملاحظہ فرمائیں :

"علاقہ شیخوپورہ، بارش نہ ہونے سے اس علاقہ کا برا حال ہے۔ فصل خریف بالکل نہیں ہوئی۔ فصل ربیع کی کچھ امید نہیں۔ دیہات میں : ۱۰ ۱۰ اور ۲۰ ۲۰ گھروں کو قفل لگ گئے ہیں۔ غلہ کا نرخ بارہ سیر ہے۔"

(وکیل امرتسر نمبر ۲۷ جلد ۵، ۲ اکتوبر ۱۸۹۹ء)

بارہ سیر سے مراد ایک روپے کی بارہ سیر گندم۔ اس کے مقابلہ میں آج کے نرخ دیکھیں تو بڑی حیرانی ہوتی ہے۔ ذیل ایک خاکہ نرخوں کا پیش کیا جاتا ہے۔ ۱۸۹۳ء سے ۱۹۵۲ء تک کے دیسی گھی، بناسپتی گوشت کا نرخ فی سیر کے حساب سے ہے اور ۱۹۶۰ء سے ۱۹۸۹ء تک کے نرخ کلوگرام کے حساب سے، دودھ کا نرخ بھی شروع میں سیر سے اور بعد میں لیٹر کے حساب سے، چاول پہلے من کا نرخ اور بعد میں ۴۰ کلوگرام کے نرخ۔

مغل دور حکومت میں اور سکھ عہد میں سرکاری سکے چلتے تھے۔ اس کے علاوہ غیر دھاتی کرنسی کوڑی بھی بطور سکہ بازار میں رائج تھی۔ کوڑی سے لین دین موجودہ صدی کے ربع اول تک رہا ہوگا۔ کوڑی دنیا کی قدیم ترین کرنسی ہے۔ ۱۴۹۲ء تک ایشیا، یورپ

افریقہ اور دیگر جگہوں پر اشیا کی خرید و فروخت کے لئے کوڑی کا استعمال قابل قبول تھا۔ مغل حکمرانوں کے عہد میں فی کوڑی کی قیمت ۰.۰۰۰۳۹ روپیہ تھی۔ امریکہ میں یورپی اثریت سے قبل کوڑیوں کے آثار پائے گئے ہیں۔

انگریزی عہد میں ایک روپیہ کا سکہ جاری ہوا۔ جس میں ۶۴ پیسے ہوتے تھے۔ ایک روپیہ میں ۱۶ آنے یعنی ایک آنے میں ۴ پیسے ایک پیسہ میں ۳ پائیاں ہوتی تھیں۔ ایک پیسہ میں دو دھیلے بھی ہوتے تھے۔ دو آنے کی ایک دونی چار آنے کی ایک چونی اور آٹھ آنے کی ایک اٹھنی ہوتی تھی۔

یکم جنوری ۱۹۶۱ء کو بڑی تبدیلی ہوئی۔ ایک روپیہ کو ۱۰۰ پیسوں میں تقسیم کردیا ایک پیسہ' پانچ پیسہ' دس پیسہ کے سکے جاری ہوئے بعد میں ۲۵ پیسوں کی ایک چونی اور ۵۰ پیسوں پر مشتمل ایک اٹھنی کا سکہ بھی جاری ہوا۔

بازار کے نرخ ملاحظہ ہوں۔

	دیسی گھی	بناسپتی گھی	دودھ	گوشت بکرا	گوشت بڑا	گندم ۴۰ کلوگرام	چاول ۴۰ کلوگرام
۱۸۹۳	۱۳آنے						
۱۹۳۲	۱۵آنے		۵ آنے	۸ آنے	۴ آنے		
۱۹۴۰	ایک روپیہ		۵ آنے	۸ آنے	ایک روپیہ		
۱۹۵۲	سواچارروپے		ایک روپیہ	۷ آنے	۳.۵۰ر	ایک روپیہ	
۱۹۶۰	۴روپیہ	۳.۵۰روپے	۸ آنے	۴روپے	۱.۵۰روپیہ		
۱۹۶۵	ساڑھے پانچ روپے		۴روپے	۸ آنے	۳.۵۰ آنے	۲.۵۰ آنے	۶۰روپے
۱۹۷۱	چھ روپے	پونے پانچ روپے	ایک روپیہ	۵روپے	۲.۵۰روپے	۱۶روپے	
۱۹۷۵	بیس روپے	۹ روپے	۲ روپے	۱۲روپے	چھ روپے	۳۶روپے	۱۰۰روپے
۱۹۸۷		۱۶روپے		۲۰ روپے	۱۲ روپے		
۱۹۹۹	۱۵۰ روپے	۶۵روپے	۱۵ روپے	۱۰۰روپے	۵۰روپے	۲۴۰روپے	۹۰روپے

ہر سال آبادی بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے اس لئے قیمتوں میں بھی اضافہ ہو رہا ہے چھوٹے اور بڑے گوشت کے لئے جانوروں کی شدید کمی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کی کمی

بڑی حد تک پولٹری کی صنعت نے پوری کردی ہے' ولایتی مرغیوں نے انڈوں کی کمی نہیں ہونے دی۔

شیخوپورہ میں انگریزی عہد میں نہروں کی تعمیر نے یہاں کی زراعت پر اچھا خاصا اثر ڈالا ہے۔

۱۔ اپرباری دوآب کا افتتاح ۶۱ - ۱۸۶۰ء میں ہوا تھا۔

۲۔ ۱۸۹۶ء سے قبل لوئرچناب اپر مین کینال مکمل ہوچکی تھی۔

۳۔ ۱۹۱۲ء میں اپرچناب کینال مکمل ہوئی۔

۴۔ ۱۹۵۰ء کے لگ بھگ ایک بڑی نہر نکالی گئی جو سرحد کے ساتھ ساتھ کالاخطائی' سدھانوالی' گوریاں کے شمال میں دریائے راوی میں جاگرتی ہے۔ اس کے مشرق میں تھوڑے فاصلہ پر اپرباری دوآب نہر تھی۔

۵۔ ۱۹۶۳ء میں شیخوپورہ اور فاروق آباد کے درمیان قادر آباد بلوکی' لنک کینال کی کھدائی کا کام شروع ہوا۔ دو سال میں یہ نہر مکمل ہوگئی۔ اس کام کے چیف ایڈوائزر ایک امریکی تھے۔ فاروق آباد میں اس نہر سے منسلک ایک خوبصورت کالونی تعمیر کی گئی۔ اس کالونی میں ایک ہائی سکول بھی ہے۔

چاول کا تحقیقی ادارہ

ہمارے ملک میں گندم کے بعد چاول دوسری بڑی جنس ہے جو خوراک میں استعمال ہوتی ہے۔ چاول کی بہترین اقسام پیدا کرنے کے لئے ۱۹۲۶ء میں کالاشاہ کاکو کے مقام پر ایک رائس فارم قائم کیا گیا۔ ۱۹۶۵ء میں اسے رائس ریسرچ سٹیشن کا درجہ دیا گیا بعد میں ۱۹۷۰ء میں اسے رائس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے درجہ پر ترقی دی اور اس میں نو مختلف اقسام کی تحقیقات کا آغاز ہوا۔ یہ تحقیقی ادارہ ۲۵۳ ہیکٹرز اراضی پر مشتمل ہے' اس میں ۴۸ ہیکٹرز تحقیقی کام کے لئے ۱۸۰ ہیکٹرز پر کاشت اور ۲۵ ہیکٹرز پر سڑکیں' عمارات اور ورکشاپ ہے۔ مرکز کے سربراہ سکیل ۱۹ کے ڈائریکٹر ہیں۔ دوسرے ملازمین کی تعداد ۴۱ ہے۔ باسمتی ۳۸۵' ۱۹۸۵ء میں اور سپرباسمتی ۱۹۹۶ء میں مارکیٹ میں آئی۔ باسمتی پاک ۱۹۶۸ء سے باسمتی ۱۹۸' ۱۹۷۲ء سے کاشت ہورہی ہے جھونا' مشکن' ستھرا اور پلمن سفید پر پابندی ہے۔

اس تحقیقی انسٹی ٹیوٹ کے ایک قابل ذکر ڈائریکٹر ڈاکٹر عبدالمجید گزرے ہیں' جو باسمتی ۳۸۵ اور سپر باسمتی کے خالق ہیں۔ ۳۱ سال آپ نے چاول پر تحقیق کی ہے۔ فلپائن سے آپ نے ڈاکٹریٹ حاصل کی۔ ۱۹۹۱ء میں آپ یہاں سے ریٹائر ہوئے۔ ۲۸ جون ۱۹۹۹ء کو آپ اس فانی دنیا سے کوچ کر گئے۔

موجودہ ڈائریکٹر محمد غیور خان ۱۹۹۶ء سے اس انسٹی ٹیوٹ سے وابسطہ ہیں۔

(اس تحقیقی مرکز سے متعلق معلومات کے لئے اپنے دوست سید گلزار حسین کا ممنون ہوں) سید صاحب گورنمنٹ کالج شاہدرہ میں اردو کے پروفیسر ہیں آپ نے میری نگرانی میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے اردو میں ایم فل کیا ہے۔

(ii) صنعت و حرفت

گزشتہ صدی کی آخری دہائی میں شیخوپورہ میں شورے کا ایک کارخانہ موجود تھا۔ جہلم کا اخبار سراج الاخبار ۲۹ جولائی ۱۸۹۵ء کو خبر دیتا ہے۔

"شیخوپورہ میں شورے کا کارخانہ خوب ترقی پر ہے۔ چونکہ کارخانہ برسات میں بند ہوجاتا ہے۔ مگر اب بارش کی قلت سے کارخانہ والوں کی چاندی ہورہی ہے۔"

۱۹۳۵ء میں یہ کارخانہ پیر بہار شاہ کے متصل واقع تھا۔

ستمبر ۱۹۳۰ء میں پوکھر داس اینڈ سنز الیکٹریکل اینڈ مکینیکل انجینئرز' ۵۶ بیڈن روڈ لاہور نے میونسپل کمیٹی شیخوپورہ سے آئس فیکٹری لگانے کے لئے ۲۵۰ اور ۳۵۰ فٹ رقبہ کا ایک قطعہ اراضی دس روپے ماہوار کرایہ پر مانگا۔

۱۹۳۱ء میں یہاں پریما ملز موجود تھی۔ تفصیل معلوم نہیں ہو سکی۔

مئی ۱۹۳۶ء میں سردار گوپال سنگھ نے تعمیر کارخانہ کے لئے درخواست دی۔ یہ کارخانہ کپاس کا تھا۔ ریلوے سٹیشن سے پرے شمال میں ۱۹۴۷ء تک یہ موجود تھا۔

۱۹۳۷ء میں شہر میں درج ذیل کارخانے موجود تھے :

☆ حبیب رائس اینڈ فلور ملز۔

☆ مہتہ تیرتھ رام کارخانہ چاول۔

☆ میسرز دریاچند کپور سنگھ کارخانہ چاول
☆ گوروبخش سنگھ کا کارخانہ چاول۔
☆ میسرز بھگت رام سنت رام' چاول۔
☆ کرشنا رائس اینڈ فلور ملز۔
☆ گنیش رائس اینڈ فلور ملز۔
☆ بھگوان داس رام سرنداس' چاول۔
☆ لالہ رام لعل گوبند رام کا کارخانہ برف کا تھا۔

مئی ۱۹۲۲ء میں گنیش کاٹن فیکٹری کی نشاندہی ہوتی ہے جو جنڈیالہ شیرخان روڈ پر واقع تھی۔ جنوری ۱۹۴۶ء میں یہاں کرشنا سوڈا واٹر فیکٹری موجود تھی۔

ان حوالہ سے پتہ چلتا ہے کہ قیام پاکستان سے قبل یہاں رائس' کاٹن' فلور اور برف کے کارخانے موجود تھے اور ان سب کے مالک ہندو اور سکھ تھے جس سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ غیرمسلم امیر لوگ تھے اور مسلمان مالی لحاظ سے ان سے کمتر تھے۔

نیشنل فلور اینڈ جنرل ملز

۱۹۶۸ء میں یہ قائم ہوئی۔ حاجی محمد بشیر اور محمد شفیق کی اولاد نے اسے قائم کیا۔ ۱۳ کینال کے رقبہ پر یہ پھیلی ہے۔ اس میں گندم کی پسائی کرکے خالص آٹا ضلع اور ضلع سے باہر سپلائی کیا جاتا ہے۔ پیداواری حد سوا تین سو ٹن یومیہ ہے۔

اسی سے منسلک ایک یونٹ نیشنل فیڈز ہے۔ جو ۱۵ ایکڑ کے رقبہ پر پھیلا ہوا ہے ۸۶ ۔ ۱۹۸۵ء میں شیخوپورہ سے ۲۰ کلومیٹر دور فیصل آباد روڈ پر واقع ہے۔

کسانہ فلور اینڈ جنرل ملز کے مالک چوہدری جمیل ہیں موجودہ نام ڈیرہ فلور اینڈ جنرل ملز ہے' یہ نبی پورہ میں واقع ہے۔

میاں فلور اینڈ جنرل ملز' ۱۹۹۰ء میں میاں محمد لطیف نے اسے جاری کیا۔ میاں محمد لطیف کے صاحبزادے میاں جاوید لطیف پنجاب اسمبلی کے رکن ہیں۔

شہر شیخوپورہ میں طارق روڈ اور خالد روڈ پر بہت سی کھڈیاں ہیں جہاں پلنگ کے لئے سوتی اور ریشمی نوار بنی جاتی ہے۔

طارق روڈ پر ورق کُٹاں' ایک محلہ بھی ہے' جہاں چاندی کے ورق تیار کئے جاتے ہیں خالد روڈ اور طارق روڈ مسلم گنج میں واقع ہیں مسلم گنج ۵۷ - ۱۹۵۶ء میں آباد ہونا شروع ہوا تھا۔

صدر ایوب کے دور حکومت میں پاکستان نے زندگی کے ہر میدان میں ترقی کی صنعت' تعلیم' زراعت' مواصلات' بینکاری غرضیکہ ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہوا۔

ضلع شیخوپورہ کا علاقہ ملک کا ایک بڑا صنعتی علاقہ ہے۔ اس کی حدود میں ان صنعتوں کے بڑے بڑے کارخانے اور ملیں ملک کی صنعت میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔

1. ACIDS ________ ALKALIES SALTS.
2. AGRICULTURE MACHINERY.
3. COTTON GINNING AND PRESSING.
4. CLOTH_DYING AND FINISHING.
5. CYCLES AND RICKSHAWS.
6. DISINFECTANTS AND INSECTICIDES.
7. DYES,COLOURS, PAINTS AND VARNISHES.
8. ELECTRIC FANS.
9. FERTILIZERS
10. EDIBLE OILS.
11. GLASS.
12. GRAIN MILLINGS
13. HEATING, PLUNBINGS AND LIGHT EQUIPMENTS
14. IRON AND STEEL.
15. MATCH MANUFACTURING.
16. METAL PRODUCTS.
17. MILK.
18. PAPER_PULP AND PAPER BOARD.

19. RUBBER PRODUTS.

20. SILK AND ART SILK.

21. STRUCTURAL.

22. TANNING AND LEATHER FINISHING.

23. TRACTORES.

(iii) سرکاری محکمے

بلڈنگز

شہر کے مشرق میں بائی وے کے ساتھ ہی ایکسئن ای این بلڈنگز کا دفتر ہے۔ P.W.D. سے بلڈنگز اور روڈز ڈیپارٹمنٹ ۱۹۶۸ء میں الگ ہوا۔ شیخوپورہ میں اس کا دفتر ۱۹۷۴ء میں قائم ہوا۔ ۷۶ - ۱۹۷۵ء میں اس کی مستقل عمارت تعمیر ہوئی تھی۔

ڈائریکٹوریٹ جنرل آف رجسٹریشن

حکومت پاکستان کی وزارت داخلہ کا یہ دفتر ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۳ء کو قائم ہوا۔ ابتدا میں چند روز جی پی او میں کام کیا اور بعد میں کرایہ کی عمارتوں میں منتقل ہوگیا۔ پہلے ڈسٹرکٹ رجسٹرار سرور حسن خان نے ۳۰ دسمبر ۱۹۷۵ء تک فرائض انجام دیئے۔ آج کل چوہدری سلیم احمد انجم ۱۲ فروری ۱۹۹۸ء سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ یہاں ضلع کے لوگوں کے قومی شناختی کارڈ تیار ہوتے ہیں۔

ڈسٹرکٹ اکاؤنٹس آفس

اگست ۱۹۷۴ء میں شیخوپورہ میں یہ دفتر قائم ہوا۔ اس سے قبل حکومت پنجاب کے مختلف محکموں کے ملازموں کے تنخواہوں کے بل ٹریژری آفیسر شیخوپورہ پاس کرتا تھا۔ شروع شروع میں لوکل گورنمنٹ ڈسٹرکٹ کونسل کی عمارت میں ۴ کمروں میں یہ دفتر قائم ہوا تھا۔ ایک اکاؤنٹس آفیسر تھا۔ ۱۹۸۲ء میں ان کی تعداد ۲ ہوگئی۔ ۱۹۸۱ء میں موجودہ عمارت تعمیر ہوئی تو دفتر یہاں منتقل ہوگیا۔

DAO - I کے نام و قیام:

۱۔ فضل الرحمان ۱۹-۸-۷۴ ۲۱-۱۱-۷۵

۲- امتیاز حسین شیخ	۲۲-۱۱-۷۵	۸-۸-۷۸
۳- رحمت اللہ چغتائی	۹-۸-۷۸	۴-۱۰-۷۹
۴- عاشق علی چوہدری	۵-۱۰-۷۹	۲۸-۲-۸۱
۵- بشیر احمد شیخ	۱-۳-۸۱	۲۹-۱-۸۴
۶- محمد صدیق انور	۳۰-۱-۸۴	۳۱-۳-۸۷
۷- محمد اشرف بھٹی	۱-۴-۸۷	۱۸-۱۲-۸۹
۸- محمد ایوب رانجھا	۱۹-۱۲-۸۹	۴-۴-۹۱
۹- محمد اشرف بھٹی	۵-۴-۹۱	۱۶-۶-۹۵
۱۰- مختار احمد	۱۶-۶-۹۵	۳-۷-۹۷
۱۱- عبد المجید	۴-۷-۹۷	------

ADAPTIVE ریسرچ فارم

محکمہ زراعت حکومت پنجاب کا یہ ادارہ ۸۰ - ۱۹۷۹ میں شہر کے جنوب مغرب میں قائم ہوا تھا- ضلع کی بڑی فصلوں گندم اور چاول پر تحقیق کرنا اس ادارہ کا کام ہے- خوردنی تیل کی اجناس اور دالوں پر بھی تحقیق کرتا ہے- یہ سینٹر ۶۰ ایکڑ کے رقبہ میں پھیلا ہوا ہے-

چند سال سے یہاں پھلوں کی نرسری اور پھولوں پر بھی تحقیق شروع ہے- اس ادارہ کے انچارج سینئر سبجیکٹ میٹر اسمنٹ (گرانومی) مقبول احمد رندھاوا ہیں-

محکمہ انکم ٹیکس

۱۹۴۷ء میں یہ محکمہ شیخوپورہ میں قائم ہوا- ۳۱ اگست ۱۹۹۴ء کو تحصیل ہیڈکوارٹر کی سطح پر اس کے دفاتر قائم ہوئے- اسی تاریخ کو شہر شیخوپورہ میں ایڈیشنل کمشنر انکم ٹیکس کا دفتر قائم ہوا- ریونیو بجٹ تقریباً ۲۳ - ۲۴ کروڑ روپیہ ہے جس میں بڑی بڑی فیکٹریاں' کارخانے اور ملیں ہیں- ضلع میں آٹھ آفیسر خدمات انجام دے رہے ہیں- یہاں خدمات انجام دینے والے کمشنر صاحبان :

شاہد نسیم	۱۹-۳-۱۹۹۴	۱۴-۸-۹۴
رفعت شرین قاضی	۱۵-۸-۹۴	۵-۲-۹۶
شاہد ظہیر	۶-۲-۹۶	۱-۴-۹۶
نجم الدین خان	۲-۴-۹۶	

نجم الدین مانانوالہ ضلع شیخوپورہ کے رہنے والے ہیں۔ آپ کے برادر عزیز جنڈیالہ شیرخان کے کالج میں پرنسپل ہیں۔

محکمہ اوقاف

ملکی سطح پر یہ محکمہ ۱۹۶۰ء میں قائم ہوا۔ ضلع شیخوپورہ میں اس کے دو سرکل ہیں۔ شیخوپورہ سرکل اور شاہ کوٹ سرکل۔

شیخوپورہ سرکل میں ۶۸ وقف جائیدادیں ہیں۔ ان میں بزرگوں کے مزارات' خانقاہیں اور بڑی بڑی مساجد ہیں۔ اس سرکل سے آمدنی ۸۴۸۲۰۰ روپے اور اخراجات' ۵۱۷۴۰ روپے سالانہ ہے۔

شاہ کوٹ سرکل میں ۴۰ وقف جائیدادیں ہیں۔ خانقاہ میاں غلام رسول اور نولکھ ہزاروی' نولکھ ہزاروی کے سالانہ عرس پر ۲۵ ہزار روپیہ خرچ ہوتا ہے جبکہ کیش بکس سے چھ لاکھ روپے سالانہ نکلتا ہے۔ اس مزار پر پاپوش کا ٹھیکہ ۹۱ - ۱۹۹۰ء میں ۴۰ ہزار روپیہ میں دیا گیا تھا۔

مقامی حکومت و دیہی ترقی

اس ادارہ کی ابتدا صدر محمد ایوب خاں کے دور حکومت میں ہوئی۔ ۱۹۶۱ء میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر بنیادی جمہوریت کا عہدہ قائم ہوا۔ ۱۹۷۹ء میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر لوکل گورنمنٹ اینڈ رورل ڈویلپمنٹ قائم ہوا۔ ۸۲ - ۱۹۸۱ء میں اس کی پختہ عمارت تعمیر ہوئی۔

(iv) بینکاری

بینکاری کا سلسلہ یورپ میں قدیم ہے۔ انگلستان میں بینک آف انگلینڈ ۱۶۹۴ء میں قائم ہوا۔ امریکہ میں بینک آف یونائیٹڈ سٹیٹس ۱۸۱۱ء - ۱۷۹۱ء کے درمیان۔ انگریزوں نے ۱۸۵۷ء میں جب تخت دہلی پر قبضہ کیا تو زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح یہاں بینک کاری کا نظام شروع کیا۔ ڈاک خانہ میں بھی بینکاری کی سہولت موجود تھی۔ شیخوپورہ شہر میں ۱۹۰۳ء میں اور ضلع کچہری کے ڈاک خانہ ۱۹۱۹ء میں یہ سہولت موجود تھی۔ چوہڑکانہ ضلع کی ایک بڑی غلہ منڈی تھی۔ یہاں سے اجناس ملک کے دوسرے بڑے شہروں میں جاتی تھیں۔ اس لئے بمبئی سنٹرل بینک آف انڈیا لیمٹڈ کی شاخ جون ۱۹۳۸ء میں چوہڑکانہ میں تھی۔ شیخوپورہ میں اس کی کوئی برانچ نہ تھی۔ ضلع گوجرانوالہ میں کوآپریٹو تحریک ۱۹۰۷ء میں شروع ہوئی۔ ابتدا تلونڈی موسیٰ خان سے ہوئی۔ ۱۹۰۸ء میں بھٹی بھنگو میں اور ۱۹۰۹ء میں احمد نگر میں - ۱۹۲۸ء میں گوجرانوالہ میں اسسٹنٹ رجسٹرار کا عہدہ قائم ہوا جو گوجرانوالہ اور ضلع شیخوپورہ کے ضلع کو کنٹرول کرتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۳۸ء سے قبل شہر شیخوپورہ میں کوآپریٹو بینک قائم ہوچکا تھا۔ بینک کی پختہ اور مستقل عمارت کا سنگ بنیاد پنجاب کے فائینشل کمشنر H.CALVERT نے ۶ اپریل ۱۹۳۰ء کو رکھا۔ کل ورث کو امداد باہمی کا باپ کہا جاتا ہے۔ قیام پاکستان سے قبل سنٹرل کوآپریٹو بینک کے نام سے یہ شہر میں موجود تھا اور کاروباری طبقہ کو جنس رہن رکھ کر قرضے بھی دیتا تھا۔ آزادی ملک کے بعد بڑے عرصہ تک اسی بینک نے سرکاری بینک کی حیثیت سے خدمات انجام دی تھیں۔ نیشنل بینک وغیرہ بعد میں قائم ہوئے تھے۔

ضلع کے تحت اس بینک کی ۱۱ شاخیں ہیں' شیخوپورہ کے بینک میں ۲۱۵ رجسٹرڈ کوآپریٹو سوسائٹیز ہیں جن کو یہ زرعی قرضے دیتا ہے۔ اس کے مارک اپ کی شرح دوسرے مالیاتی اداروں سے کم ہے۔ اکتوبر ۱۹۷۶ء میں اس کا نام سنٹرل کوآپریٹو بینک سے تبدیل کرکے پنجاب پروونشل کوآپریٹو بینک رکھ دیا۔ بینک کے موجودہ مینجر توقیراحمد خان پسر بشیراحمد جنڈیالہ شیر خاں کے ہیں اور ۱۹۸۹ء سے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

قیام پاکستان سے قبل شہر شیخوپورہ میں آسٹریلشیا بینک کی ایک برانچ موجود تھی۔ ۱۴ اگست سے پہلے اور بعد میں یہ بینک لوٹ کا شکار ہوا۔ ۲۸ جولائی ۱۹۵۹ء کو الائیڈ بینک کا یہاں افتتاح ہوا۔ نیشنل بینک آف پاکستان کی پہلی برانچ ۲۸ ستمبر ۱۹۵۹ء کو قائم ہوئی۔

حبیب بینک لمیٹڈ	۱۴ مئی ۱۹۶۴ء
مسلم کمرشل بینک لمیٹڈ	۱۴ نومبر ۱۹۶۶ء
یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ	۳۰ نومبر ۱۹۶۶ء
پنجاب بینک لمیٹڈ	۳۰ جون ۱۹۹۰ء



باب ۸

جماعتیں، تنظیمیں اور رفاہی ادارے

قیام پاکستان سے قبل شہر میں ہندو مسلمان اور سکھ مل جل کر رہا کرتے تھے۔ ۱۹۲۰ء میں جب اسے ایک ضلع کا درجہ حاصل ہوا اور اسے نوٹیفائیڈ ایریا کمیٹی قرار دیا تو باہر سے لوگ نقل مکانی کرکے یہاں مستقل طور پر آباد ہوگئے۔ ان لوگوں نے اپنی اپنی قوم کے مفادات کے لئے سیاسی و مذہبی جماعتیں بنائیں، علمی و ادبی تنظیموں کا وجود آزادی وطن کے بعد ملتا ہے۔ تعلیمی درسگاہیں اور عبادت گاہیں بھی ان تنظیموں نے تعمیر کیں۔ ان سب جماعتوں اور تنظیموں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ کانگرس

برصغیر میں تو یہ سیاسی جماعت ۱۸۸۵ء میں قائم ہوگئی تھی۔ شیخوپورہ ضلع بننے پر جب پڑھے لکھے لوگ دوسرے دیہاتوں اور قصبوں سے نقل مکانی کرکے یہاں آئے تو وہ ملکی سیاست میں بھی دلچسپی لینے لگے تھے۔ ۱۹۲۵ء کے لگ بھگ ہندوؤں کی یہ جماعت یہاں قائم ہوگئی تھی۔ سردار آتما سنگھ، سردار سنتوکھ سنگھ اور سوامی نند سنگھ سرکردہ رہنما تھے۔ آتما سنگھ اور سنتوکھ سنگھ دونوں بھائی تھے۔ ان کا باپ گوہر سنگھ ریٹائرڈ ایس پی تھا۔ کھنڈپوری قوم کے تھے۔

۲۔ ہندوستان دھرم سبھا

۱۹۳۱ء کے قریب یہ تنظیم قائم ہوئی۔ ہندوؤں کی مذہبی تنظیم تھی۔ لالہ گنگا بشن اس کے ۱۹۳۲ء میں سیکریٹری تھے۔ لالہ صاحب نے اپریل ۱۹۳۲ء میں ایک درخواست برائے تعمیر مندر سول کوارٹرز کے لئے بلدیہ کو دی تھی۔

۳- آریہ سماج

۱۹۲۵ء میں اس کے صدر لالہ ہرچرن داس تھے۔ نومبر ۱۹۲۵ء میں لالہ صاحب نے منڈی میں ایک مندر کی تعمیر کے لئے بلدیہ کو درخواست دی تھی۔ ۱۹۳۲ء میں اس کے سیکرٹری لالہ ہری رام تھے جو شیخوپورہ میں وکالت کرتے تھے۔

۴- سناتن دھرم

۱۹۳۲ء میں یہ انجمن یہاں موجود تھی۔ اس وقت اس کے سیکرٹری لالہ گنگا بشن تھے' اس دھرم سبھا نے سول کوارٹرز (جناح پارک) کا مندر تعمیر کرایا تھا۔ ۱۹۳۵ء میں اس کے صدر پنڈت ہنس راج تھے۔

۵- گورونانک سبھا

۱۹۲۵ء کے قریب سکھوں نے اس جماعت کو قائم کیا' اس کے تحت ایک لائبریری بھی قائم کی۔ مئی ۱۹۳۷ء میں اس سبھا نے ٹاؤن کمیٹی سے لائبریری کے لئے کتب کی خریداری کے لئے مالی مدد کی درخواست کی۔ اس سبھا نے شہر میں پرائمری سکول بھی کھولے۔

۶- انجمن اسلامیہ

یہ اسلامی انجمن کب قائم ہوئی ؟ اس کو قائم کرنے والے کون تھے؟ کچھ معلوم نہیں۔ نومبر ۱۹۲۹ء میں یہ رجسٹرڈ ہوئی تھی۔ اس وقت اس کے سیکرٹری چوہدری غلام سردار ایم اے ایل ایل بی تھے' انجمن کے دوسرے اراکین یہ تھے : مولوی غلام حیدر ایڈووکیٹ' شیخ عبدالواحد کلرک ڈسٹرکٹ بورڈ محلہ اسلام آباد' مولوی امین الحق خطیب جامع مسجد' ڈاکٹر چوہدری عنایت اللہ سلیمی' محمد شفیع کلرک اور چوہدری محمد عبداللہ پنچایت آفیسر شیخوپورہ۔
بلدیہ شیخوپورہ کے اجلاس کی کارروائیوں سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۹۲۴ء میں مذکورہ انجمن

کے سیکرٹری مولوی غلام حیدر وکیل تھے' جنوری ۱۹۲۴ء میں مولوی صاحب نے کچہری کے قریب ایک مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں بلدیہ کو ایک درخواست دی تھی۔ اسی سال انجمن نے مسلم پرائمری سکول کے قیام کے لئے بھی استدعا کی۔

انجمن کے مقاصد تبلیغ اسلام' یتیم اور غریب مسلمان بچوں کی تعلیم' مساجد کی تعمیر اور ان کی دیکھ بھال' مسلمانوں کے جائز حقوق کی حفاظت۔

اس انجمن کے تحت چلنے والے ادارے

جامعہ اسلامیہ ریلوے روڈ' ابتدا ۱۹۷۹ء' جامعہ اسلامیہ کچہری' ابتدا ۱۹۸۷ء' مدرسہ تعلیم القرآن محلہ دارالسلام ابتدا ۱۹۸۳ء' جامعہ اسلامیہ زنانہ' اقبال پارک ۱۹۷۶ء

انجمن کے اخراجات عطیات سے پورے کئے جاتے ہیں۔ ۱۹۹۰ء میں انجمن کے صدر چوہدری محمد عبداللہ ولد سلطان علی۔ دوسرے اراکین میاں اختر حسین' مقبول الرحمٰن' غلام محمد بھٹی' محمد علی' چوہدری محمد اشرف اور عبداللطیف۔

۷۔ مسلم لیگ

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد برصغیر کے لوگ انگریزوں کی حکمرانی تلے زندگی بسر کرنے لگے تھے۔ سرسید احمد خان (۱۸۹۸ء - ۱۸۱۷ء) کو پہلی بار احساس ہوا کہ مسلمان اور ہندو اکٹھے نہیں رہ سکتے' مسلمانوں کی غلامی کی وجہ تعلیم کی کمی قرار دے کر آپ ہمہ تن تعلیم پھیلانے میں سرگرم ہوگئے۔ ایک مخلص انگریز مدبر A.O. Hume نے ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد رکھی۔ اس کا پہلا اجلاس ۲۸ دسمبر ۱۸۸۵ کو بمبئی میں منعقد ہوا۔ سرسید نے ۱۸۸۶ء میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل قائم کی۔ اس کا مقصد مسلمانوں کی تعلیمی ترقی تھا۔ انڈین کانگرس ہندوؤں کے مفادات کا خاص خیال رکھتی تھی۔ مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کو اس جماعت نے کوئی اہمیت نہ دی۔ مسلمانوں نے اپنے مفادات کی حفاظت کے لئے دسمبر ۱۹۰۶ء میں نواب وقارالملک (۱۹۱۷ - ۱۸۳۹) کی زیر صدارت آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کا اعلان کیا۔ سر آغاخاں (۱۹۵۷ء - ۱۸۷۷ء) مستقل صدر مقرر ہوئے۔ اس کا پہلا اجلاس ۲۹ دسمبر ۱۹۰۷ء کو کراچی میں ہوا۔

برصغیر کے بڑے بڑے شہروں اور قصبوں میں مسلم لیگ نے اپنی شاخیں قائم کیں۔ شیخوپورہ میں بھی ۱۹۳۰ء کے قریب مسلم لیگ قائم ہوئی۔ ہندوؤں اور سکھوں کی جماعتیں پہلے ہی یہاں سرگرم عمل تھیں۔ مسلم لیگ کا ۲۷ واں اجلاس جو لاہور میں ۲۱مارچ ۱۹۴۰ء جمعرات کو شروع ہوا۔ اس میں ضلع شیخوپورہ سے مسلم لیگ کے درج ذیل اراکین نے شرکت کی:

۱۔ مولوی محمد امین الحق خطیب جامع مسجد قلعہ شیخوپورہ۔
۲۔ مولوی محمد عبداللہ خطیب جامع مسجد قلعہ شیخوپورہ۔
۳۔ شیخ محمد حسین، اقبال بوٹ ہاؤس، شیخوپورہ۔
۴۔ ملک مراد خاں بلوچ شیخوپورہ۔
۵۔ شیخ تجمل واحد، شیخوپورہ مسلم لیگ کے جائنٹ سیکرٹری۔
۶۔ ڈاکٹر عنایت اللہ سلیمی۔
۷۔ چوہدری غلام باری سلیمی، بی اے ایل ایل بی علیگ پلیڈر
۸۔ حکیم سید ریاض الحسن گیلانی سیکرٹری مسلم لیگ شاہ کوٹ۔

درج بالا اصحاب کے علاوہ ضلع شیخوپورہ سے سینکڑوں کی تعداد میں مسلم لیگ سے وابستہ مسلمان، ریل گاڑیوں، بسوں، ٹرکوں کے ذریعہ اجلاس میں شریک ہوئے۔ مذکورہ اجلاس میں قرارداد پاکستان کی متفقہ منظوری کے ساتھ ساتھ یہ بھی طے پایا کہ ملک بھر میں طلباء گروپوں کی صورت میں دیہاتوں کا دورہ کریں اور مسلم لیگ کی افادیت کی تبلیغ کریں۔ ضلع شیخوپورہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس کا آغاز شیخوپورہ ہی سے ہوا۔

محمد اشرف ایجنٹ رورل سب کمیٹی پنجاب مسلم لیگ نے قائداعظم محمد علی جناح کو ۲۵ جولائی ۱۹۴۱ء کو خط لکھا کہ لاہور سے ۲۶ میل دور قلعہ شیخوپورہ سے اس کا آغاز کیا گیا ہے۔ ضلعی لیگ نوجوان ورکرز کی بڑی مدد کر رہی ہے۔ ۲۲ جولائی ۱۹۴۱ء کے خط میں جناح صاحب کو تحریر کیا کہ ضلع شیخوپورہ کا دورہ مکمل ہوچکا ہے۔ اب راولپنڈی کے دورہ کی تیاری ہے۔ دہلی میں لیاقت علی خاں کو محمد اشرف نے ۲۸ جون ۱۹۴۱ء کو خط لکھ کر ہدایات طلب کی تھیں۔ ۸ جولائی کی رپورٹ میں بتایا گیا کہ تحصیل شیخوپورہ کے دورہ میں ۳۰ جون کو کھاریانوالہ اور اس سے اگلے روز خان قاہ ڈوگراں گئے اور ان دو مقامات پر مسلم لیگ کی

شاخیں قائم کردیں۔ ۲۳ جولائی کی رپورٹ میں مسلم سٹوڈنٹ فیڈریشن کے سیکرٹری محمد صادق اطلاع دیتے ہیں کہ وفد میں شامل ارکان چوہدری محمد صادق' زیڈ کے ملک' چوہدری نصراللہ خاں' ظہورالحسن ڈار اور محمد الیاس بیس دن کا دورہ کر کے حال ہی میں لوٹے ہیں۔ ان لوگوں نے ضلع شیخوپورہ کے دورہ کے دوران ۵۰ میل پیدل بھی چلا ہے۔ سانگلہ ہل' دھیر' مڑھ بلوچاں' ٹبی طاہر اور مومن جاکر لیگ کی برانچیں قائم کیں۔

۱۹۴۴ء کی ابتدا میں شیخوپورہ میں مسلم لیگ کا ایک اجلاس ہوا مذکورہ اجلاس میں سر شوکت حیات خاں پسر سکندر حیات خاں نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔ اس جرم میں پنجاب کے گورنر نے انہیں اپنی کابینہ سے نکال دیا۔

مریدکے میں مسلم لیگ بڑی فعال جماعت تھی۔ لاہور کے ایک اخبار خالہ کی ایک خبر ۲۶ دسمبر ۱۹۳۸ء کی ملاحظہ ہو۔

"پیر سید انور علی شاہ کا عزم پٹنہ صدر مسلم لیگ مرید کے ضلع شیخوپورہ کی طرف سے راجہ محمود آباد کو ایڈریس دیا۔ ۲۵ دسمبر کو آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ جلسہ میں شمولیت کے لئے پٹنہ جارہے ہیں۔"

پیر سید انور علی کے حالات زندگی باب ۱۱ شخصیات میں درج کردیئے ہیں۔

۱۹۶۲ء سے ۱۹۷۶ء تک میاں عبداللطیف ضلعی مسلم لیگ کے صدر رہے۔ آپ کے والد میاں عالمگیر ولد میاں سید محمد ریاست نابھ کے ارائیں گھرانہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ہجرت کے بعد ۱۹۴۹ء میں شیخوپورہ میں آباد ہوگئے۔ ۱۹۵۱ء میں مسلم لیگ کی جانب سے MLA منتخب ہوئے۔ ۱۹۵۵ء اور ۱۹۶۲ء میں بھی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔

اولاد میاں عبدالقیوم اور میاں عبدالرؤف۔

محمد حسین چٹھہ کے گھرانہ کو بھی مسلم سے گہرا لگاؤ رہا۔ آپ کے لڑکے نعیم حسین چٹھہ بھی اسی جماعت سے وابستہ ہیں اور قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے ہیں۔ آپ وزارت کے عہدہ پر بھی فائز رہے ہیں۔

۸۔ انجمن احمدیہ

۱۹۳۵ء میں اس انجمن کی موجودگی کی نشاندہی ہوتی ہے۔ ۳۰ جولائی ۱۹۳۵ء نے بدیہ

کے اجلاس میں انجمن احمدیہ کے پریذیڈنٹ محمد عبدالجلیل احمدپورہ میں ایک مسجد کی تعمیر کی اجازت طلب کرنے کے سلسلہ میں درخواست پیش کرتے ہیں۔ بھٹودور حکومت میں قومی اسمبلی نے ایک قانون کے ذریعہ احمدیوں یا مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا ہے۔

۹۔ مجلس احرار

برصغیر میں ۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت کمیٹی قائم ہوئی۔ اس کے چند سال بعد مجلس احرار قائم ہوئی۔ آزادی وطن سے قبل سیدعطا اللہ شاہ بخاری نے شہر کے لوگوں سے خطاب کیا تھا۔ آپ کے ہمراہ قاضی حسام الدین ہوا کرتے تھے۔ شہر شیخوپورہ میں اس جماعت کے ایک رکن اکبر کھوکھرنے تو ایک جلسہ میں گولی بھی کھائی تھی۔ انگریز کیپٹن جیمز فورڈ کو بیلچہ مارا تھا۔ یہاں کے غازی سلطان محمود مشہور احراری لیڈر تھے۔ انہوں نے ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں حصہ لیا اور قید کی سزا بھی کاٹی۔

۱۰۔ انجمن اہل سنت و الجماعت

۱۹۳۶ء میں یہ انجمن موجود تھی۔ ۵ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو مذکورہ انجمن نے ٹاؤن کمیٹی کو سرکاری قطعہ اراضی پر ایک مسجد کی تعمیر کے لئے درخواست دی تھی۔

۱۱۔ ینگ مسلم فیڈریشن

۱۹۴۴ - ۴۵ء میں شہر کے چند مسلم نوجوانوں نے اسے قائم کیا۔ چوہدری عبدالغنی پسر فضل احمد نے پہلے سال اس میں شمولیت اختیار کی۔ قیام پاکستان کے موقعہ پر اس جماعت نے مہاجرین کی آبادکاری میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ پیر بہار شاہ کے میدان میں مہاجرین کے لئے کیمپ لگائے اور ان کے خورد و نوش کا انتظام کیا۔

۱۲۔ جماعت اسلامی

شہر شیخوپورہ میں ۱۹۵۰ء میں یہ جماعت قائم ہوئی۔ ابتدائی بانی اراکین ڈاکٹر نذر محمد

(ہومیو)' مولوی حکیم ڈھابان والے' حکیم محمد اجمل نارنگ منڈی اور حکیم عبدالواحد داربرٹنی تھے۔ اس جماعت سے قدیم وابستگی رکھنے والے نذیر احمد ورک نے صوبائی و ملکی سطح پر بڑا نام پایا۔ ان کے حالات زندگی ملاحظہ ہوں :

نذیر احمد ورک

ورک گھرانے کے سرکردہ شخص ہیں۔ پڑھے لکھے اور اچھی سیاسی سوجھ بوجھ کے مالک ہیں۔ نسب نامہ' نذیر احمد ولد چوہدری غلام محمد ولد امام دین ولد مولا داد ولد چوہدری منگا ولد چوہدری بہادر۔

نذیر احمد ۱۸ جنوری ۱۹۳۵ء کو محلہ کھنڈ پوریاں پرانا شہر شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ ہائی سکول شیخوپورہ سے ۱۹۵۱ء میں میٹرک' اسلامیہ کالج لاہور سے ۱۹۵۷ء میں بی اے' یونیورسٹی لاء کالج سے ۱۹۵۹ء میں ایل ایل بی کیا۔ ۱۹۶۰ء سے شیخوپورہ کی ضلعی عدالتوں میں پریکٹس کر رہے ہیں۔ دوران تعلیم سیاست میں حصہ لینے لگے تھے۔ ۱۹۵۱ء میں جماعت اسلامی میں شرکت کی۔ ۱۹۶۹ء سے بارہ برس تک ضلع شیخوپورہ کے امیر جماعت اسلامی رہے۔ مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن ہیں۔

۱۹۷۳ء میں پرانا شہر سے نقل مکانی کر کے گھنگ روڈ پر مستقل طور پر رہائش پذیر ہیں۔

۱۳۔ سٹڈی سرکل

ڈپٹی کمشنر شیخ اظہار الحق نے اپنے دور میں اسے قائم کیا' مقصد تعلیم کے خواہش مند طلبا کی مالی معاونت کرنا۔ کالج کے پروفیسر منظور حسین سیال اس کے سیکرٹری تھے۔ ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۲ء تک یہ سرکل قائم رہا۔

۱۴۔ ایجوکیشنل سوسائٹی

شہریوں کو تعلیمی سہولتیں مہیا کرنے کے لئے یہ سوسائٹی ۱۹۵۳ء میں قائم ہوئی۔ اس

کے روح رواں چوہدری عبدالغنی ایڈووکیٹ تھے۔ اس کے دوسرے اراکین یہ تھے۔ میاں غلام حسین بھٹی' چوہدری شبیراحمد مانگٹ' چوہدری لال خان' چوہدری بشیراحمد چیمہ' چوہدری عبدالعزیز ایڈووکیٹ اور چوہدری شبیر حسین۔

اس سوسائٹی نے ۱۹۵۳ء میں لیاقت میموریل سکول اور ۱۹۶۶ء میں خواتین کے لئے فاطمہ جناح ڈگری کالج کا آغاز کیا۔

۱۵۔ انجمن فلاح و بہبود انسانیت

۲۹ مارچ ۱۹۹۸ء کو قائم ہوئی' اس تنظیم نے بچوں' بوڑھوں اور غریب مستحق افراد کے لئے علاج کی سہولت مہیا کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ اس کے ۵۰ ممبران ہیں جو اس کی کفالت کر رہے ہیں۔ نور فاؤنڈیشن انگلینڈ اس تنظیم کے ساتھ منسلک ہے۔ ڈسٹرکٹ ہسپتال میں کڈنی سنٹر اسی کی وساطت سے قائم ہوا ہے۔ علاوہ ازیں مفت تعلیم مہیا کرنے کا بھی پروگرام ہے۔ ڈاکٹر محمد ظریف کا گھرانہ اس فلاحی تنظیم کا بانی ہے۔

۱۶۔ انجمن جامعہ توحید

سول کوارٹرز روڈ پر مغرب کی جانب ایک مسجد ہے۔ اس مسجد اور اس سے ملحقہ طلباء کے ہوسٹل کے انتظام و انصرام کے لئے یہ انجمن قائم ہوئی۔ اس کے پہلے سرپرست سید محمد غوث شاہ صاحب (وفات ۲۹ اگست ۱۹۸۷ء) تھے۔ انجمن کے صدر شیخ مسعود جیلانی' نائب صدر راؤ مظفرعلی خاں' جنرل سیکرٹری رانا محمد اکرم خاں' ناظم قاری محمد ضیاء الدین۔

۱۷۔ پاکستان پیپلزپارٹی

ذوالفقارعلی بھٹو اس کے بانی ہیں۔ شیخوپورہ میں یہ پارٹی ۱۹۶۹ء کے لگ بھگ قائم ہوگئی تھی۔ پہلے ضلعی صدر چوہدری محمد اسلام ایڈووکیٹ تھے۔ آپ کی زوجہ صغیرہ بنت محمد بشیراحمد (ریٹائرڈ ڈی ایس پی) دو بار صوبائی اسمبلی کی رکن منتخب ہوئی ہیں۔ بانی اراکین میں غلام محمد خاں (کھاریانوالہ) چوہدری ممتازاحمد ارائیں' چوہدری محمد رفیع' ملک صلاح الدین

ڈوگر' اللہ دتہ' محمد اسماعیل' لالی پہلوان' وزیر حسین' محمد صدیق' عبدالرشید اور شیخ محمد ریاض' پارٹی کی چیئرپرسن محترمہ بے نظیر بھٹو کئی بار شیخوپورہ آئی ہیں۔ موجودہ دور میں شہر کے ملک مشتاق احمد اعوان نے پنجاب اسمبلی میں سینئر وزیر کی حیثیت سے بڑی شہرت حاصل کی ہے۔ ۱۹۸۸ء کے الیکشن میں اس پارٹی نے پانچوں سیٹیں جیت لی تھیں۔

۱۸۔ انجمن صلاح الدین ایوبی

نذرالحسن بھٹی نے اس رفاحی تنظیم کا آغاز ۱۹۹۵ء کے آخر میں شہر شیخوپورہ میں کیا۔ خدمت خلق کی اس تنظیم کی بنیاد میاں جاوید اقبال ولد چوہدری محمد حسین کی قیام گاہ واقع حبیب کالونی شیخوپورہ میں مورخہ نومبر ۱۹۹۵ء کو رکھی گئی۔ انتظامی امور کی انجام دہی کے لئے ۱۸ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے سربراہ میاں جاوید اقبال منتخب ہوئے۔ اس کا مقصد صرف اللہ کی رضا کے لئے انسانیت کی بے لوث اور بلاتفریق خدمت ہے۔ مذکورہ تنظیم کے ۵ اراکین نے ایک ایبولینس خرید کر ڈسٹرکٹ ہسپتال شیخوپورہ کی تحویل میں دے دی ہے جن میں فاروق میڈیسن کمپنی کے عمر فاروق بھی شامل ہیں۔ آپ اس تنظیم کے جنرل سیکرٹری ہیں۔

علمی و ادبی تنظیمیں

شہر میں ۱۹۷۰ء کے بعد ان تنظیموں کا آغاز ہوا۔ ۱۹۷۶ء کے قریب مقصود ناصر نے مجلس وارث شاہ قائم کی۔ اس مجلس نے رسالہ پنج دریا کے دو نمبروں کے اخراجات برداشت کئے تھے۔

۱۹۸۱ء میں شاہین ادب قائم ہوئی۔ ۱۹۸۲ء میں سوسائٹی آف رائٹرز۔

۱۹۸۶ء میں کاروان فکر بنی۔ آج یہ انجمن موجود ہے تقریبات باقاعدگی سے ہوتی ہیں۔ صدر محمد ارشد نعیم ہیں۔ ۱۹۸۵ء میں حلقہ یاران نظم صدر حسن جاوید۔ ساغر صدیقی کی وفات کے بعد صابر نوید نے بزم ساغری قائم کی۔ پنجابی مشاعرہ کراتی تھی' بزم پیر فضل گجراتی' لوک سنبھالا' نقوش ادب وغیرہ نے بھی شہر کی شعری فضا کو قائم رکھا ہے۔ ظفر بک

سٹال اور فکر جدید پبلی کیشنز نے یہاں کے مصنفین و شعراء کے کلام کو شائع کیا۔

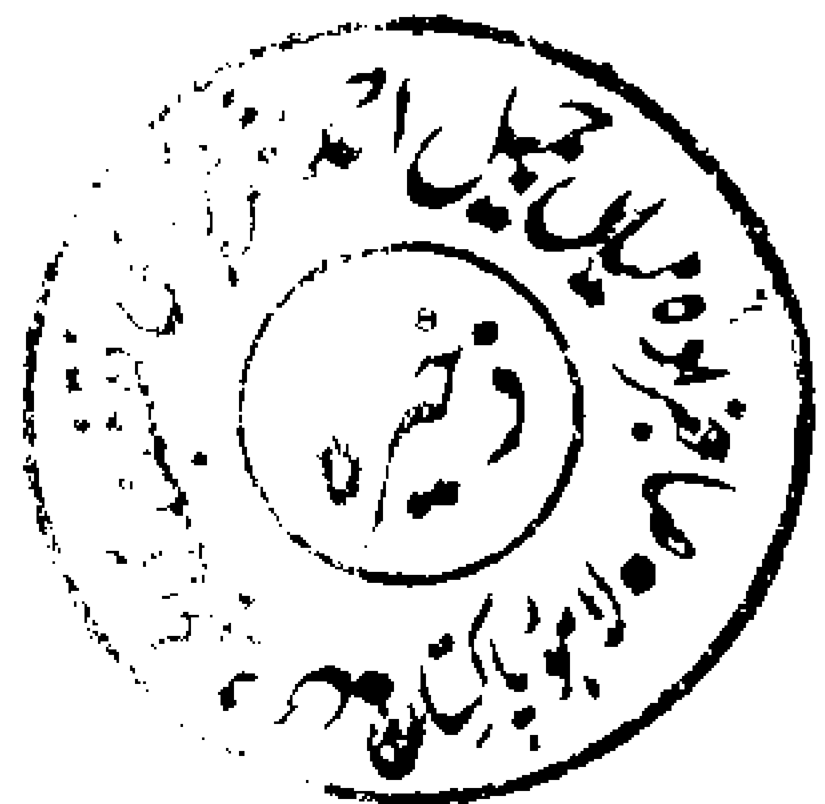
انجمن حسینیہ

جناح پارک میں یہ انجمن موجود ہے۔ سید جرار حسین زیدی ایڈووکیٹ اس کے مدتوں صدر رہے۔ نامعلوم دہشت گردوں کے ہاتھوں آپ ۲۲ فروری ۱۹۹۶ء کو قتل ہوگئے۔ ان کے بعد حسن عباس زیدی صدر ہوئے۔ سید جرار حسین کے والد کا نام سید کرار حسین زیدی تھا اور کرنال کے رہنے والے تھے۔ انجمن حسینیہ جناح پارک میں موجود امام بارگاہ دربار حسین سے وابسطہ ہے۔ یہ بارگاہ ابتدا میں گورونانک پورہ کا ایک جنج گھر تھا۔ تقسیم ملک کے بعد جب اس محلہ میں مسلمان شیعہ مہاجرین آباد ہوئے تو حکومت نے ان کو امام بارگاہ کے طور پر یہ جنج گھر الاٹ کردیا۔

اس کے ایک حصہ کو گرا کر نئے سرے سے تعمیر کیا جارہا ہے۔ انڈر گراؤنڈ حصہ کی تعمیر کے لئے جب کھدائی کی گئی تو پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۹ - ۱۹۱۴ کا تانبہ کا ایک میڈل ملا ہے۔ میڈل کی سائیڈ پر جیون سنگھ کا نام کندہ ہے۔ یہ سکھ فوجی جواں ڈلو سنگھ کا لڑکا تھا اور رکھ برانچ چک نمبر ۱۷۸ خانقاں ڈوگراں کا رہنے والا تھا۔ آرٹیلری ۲۳ کا جوان تھا۔

انجمن جعفریہ

یہ انجمن قیام پاکستان سے پہلے کی ہے۔ شہر میں امام بارگاہ کلاں سے منسلک ہے۔ اس کے صدر امام علی کاظمی ایڈووکیٹ تھے۔ آج کل اصغر علی شاہ اس کے صدر ہیں۔ صدر تھانہ کے قریب شمالی جانب شاہ حسین مرکز اور ذرا سا آگے امام بارگاہ مائی حاجن ہے۔



باب ۹

(الف) عبادت گاہیں' قبرستان' مزارات اور تاریخی آثار

عبادت گاہیں

انسان جہاں رہتا ہے' اپنے خالق کے آگے سجدہ ریز ہونے کے لئے عبادت گاہ تعمیر کرلیتا ہے۔

شیخوپورہ شہر میں قدیم ترین عبادت گاہ کون سی ہے؟ حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ مسلمانوں کا وجود تو مغل بادشاہ ہمایوں (۱۵۳۰ء سے ۱۵۵۶ء تک) کے دور میں ملتا ہے۔ کہ اس کے بعد اکبر اور جہانگیر کے دور حکومت میں۔ قلعہ میں ایک مسجد کے آثار آج بھی موجود ہیں۔ لیکن نماز کے لئے وہ زیر استعمال نہیں۔ قلعہ کے قریب ہی شاہ جمال کے مزار سے ملحقہ ایک مسجد ہے یہ بھی قدامت کے لحاظ سے ایک اہم مسجد ہے۔

پرانا شہر میں ایک مسجد ہے جو محلہ کھنڈپوریاں میں واقع ہے یہ بھی پرانی مسجد ہے۔ شہر میں موجود کچھ عبادت گاہوں کا ایک خاکہ سا پیش کیا جارہا ہے۔

۱۔ مرکزی جامع مسجد اہلحدیث

پرانا شہر کے محلہ ورکاں میں یہ مسجد موجود ہے۔ ایک سو سال پرانی مسجد ہے' ابتدا میں کچی تھی۔ ورک گھرانہ کے چوہدری فیض بخش ورک ولد جھنڈ ولد بہادر نے اسے پختہ تعمیر کیا۔ مولوی نور حسین نے دوسرے لوگوں سے مل کر اس کی توسیع کی۔ تقسیم ملک کے بعد شہید کرکے نئے سرے سے تعمیر کی گئی۔ ۱۹۹۰ء میں اسے پھر شہید کرکے مضبوط بنیادوں پر تعمیر کیا گیا۔

پرانا شہر کی انجمن جامع اہلحدیث کے ۴۴ اراکین اس کا انتظام کرتے ہیں' انجمن کے صدر چوہدری محمد عباس ورک' سیکرٹری چوہدری افتخار احمد اور خزانچی محمد شفیق رندھاوا ہیں۔

چوہدری شاہ محمد ولد کرم داد نے ۳ کینال اراضی دو لاکھ میں فروخت کر کے دو لاکھ روپیہ مسجد پر صرف کیا ہے۔ حاجی اللہ دتہ ولد کرم داد ورک نے ساٹھ ہزار کے قریب روپیہ دیا ہے۔ باقی ڈیڑھ لاکھ روپیہ عطیات کی صورت میں لوگوں نے دیا۔ ۲۴ مرلہ قطعہ اراضی ورک خاندان نے مسجد اور مدرسہ کے لئے وقف کیا ہے۔ مولانا عبدالحمید یہاں کے خطیب ہیں۔

۲۔ مسجد توحید

۱۹۲۰ء میں ضلع بننے پر حاجی محمد حیات نے اس عبادت گاہ کی ابتدا کی۔ ان کی وفات کے بعد ان کے لڑکے صوفی عزیزاحمد ریٹائرڈ کلرک محکمہ ایکسائز اس کے منتظم رہے۔ سید محمد غوث شاہ مدتوں اس مسجد کے خطیب رہے۔ مسجد سے ملحق ایک دینی مدرسہ ہے جس کی تعمیر ۱۹۸۶ء میں ہوئی۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۸۷ء کو صدر مملکت محمد ضیاء الحق یہاں تشریف لائے تھے اور مسجد کا افتتاح کیا تھا۔ مسجد کی تعمیر کے لئے حکومت پنجاب نے دو لاکھ روپے اور حکومت پاکستان نے پانچ لاکھ روپے کی مالی مدد دی۔ مدرسہ میں دو سو کے قریب طلباء دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ننکانہ صاحب کے خان سردار خان' دینا پور کے چوہدری رکن الدین' راؤ مظفرعلی نے مالی تعاون کیا۔ سید محمد غوث شاہ نے ۸۵ ہزار کی خطیر رقم مسجد کے برآمدہ کی تعمیر پر خرچ کی۔

سید محمد غوث

والد کا نام سید محمد شاہ ہے ۱۹۴۳ء میں شیخوپورہ آئے اور پولیس لائن کی مسجد میں امامت کرنے لگے۔ شدھی تحریک کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اسی جرم میں صوبہ بدر ہو کر شیخوپورہ آئے تھے۔ بجنور کے رہنے والے تھے اور ڈھابیل کے فاضل تھے۔ پولیس لائن کی مسجد میں تھوڑا عرصہ خدمات انجام دینے کے بعد مسجد توحید میں آگئے۔ آپ کا ایک بیٹا جو جرمنی میں رہتا ہے۔

۳- جامع اسلامیہ

شہر کے مغرب میں ضلع کچہری کے شمال میں مسجد واقع ہے۔ انجمن اسلامیہ شیخوپورہ کے سیکرٹری مولوی غلام حیدر (وکیل) نے ٹاؤن کمیٹی کو جنوری ۱۹۲۴ء میں کچہری روڈ کے شمال میں ایک مسجد کی تعمیر کے لئے درخواست دی تھی۔ ۱۹۲۴ ہی میں یہ مسجد تعمیر ہوگئی ہوگی۔ ۱۹۷۵ء سے اس کا نام دارالعلوم جامعہ عثمانیہ ہے۔ جامع اسلامیہ اب صرف ایک اسلامی درسگاہ ہے مولانا شبیراحمد عثمانی سے منسوب ہے' ایک سو بچوں کو درس نظامی کے تحت تعلیم دی جاتی ہے۔ اس درس گاہ کا سنگ بنیاد شہید صدر محمد ضیاء الحق کے فرزند ڈاکٹر انوارالحق وزیر سماجی بہبود حکومت پنجاب نے ۱۰ جولائی ۱۹۹۱ء کو رکھا۔

۴- جامع مسجد مرکزی

ریلوے روڈ پر مغربی جانب ہے۔ اس کی تعمیر میں شیخوپورہ کی انجمن اسلامیہ کو بڑا دخل حاصل ہے۔ ۱۹۲۴ء میں ایک ہندو ایشورداس نے اس مسجد کے قطعہ اراضی پر ناجائز ایک کمرہ تعمیر کرلیا۔ ان دنوں میونسپل کمیٹی کے پریذیڈنٹ ضلع شیخوپورہ کے ڈپٹی کمشنر ملک زماں مہدی خاں تھے۔ آپ نے ۲ جولائی کو اس کمرہ کو گرانے کا حکم دیا۔ بلدیہ نے اپنے فنڈ سے چار روپے خرچ کرکے اسے گرادیا۔

انجمن اسلامیہ نے شہری مسلمانوں کی مدد سے اس مسجد کو تعمیر کیا۔ ۶۰ - ۱۹۵۵ء کے درمیان مسجد کی دیواروں پر پلستر اور کتابت کا کام ہوا۔ نگران چوہدری محمد یوسف تھے۔ ۱۹۶۰ء میں محکمہ اوقاف نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا۔ مسجد سے ملحقہ جائیداد بھی قبضہ میں کرلی۔ ۸۷ - ۱۹۸۳ء کے درمیان یہاں سنگ مرمر کا کام ہوا۔ مدرسہ اور صحن کی تعمیر ہوئی۔ اندازا سات لاکھ روپیہ صرف ہوچکا ہے۔

۱۹۳۰ء سے ۱۹۷۸ء تک مروان کے مولانا امین الحق یہاں امامت کے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔ ان کے دور میں مقبول الرحمٰن پسر قاضی حسین یہاں ان کے نائب کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ آج کل محکمہ اوقاف کی جانب سے مقبول الرحمٰن ہی یہاں کے امام و خطیب ہیں۔ عیدین کی نماز بھی بلدیہ کے وسیع و عریض میدان میں پڑھاتے ہیں۔

مدرسہ کی ابتدا ۱۹۷۹ء میں ہوئی۔ ابتدا میں صرف ۵ حفاظ طالب علم تھے اور ایک

استاد قاضی عبدالعزیز۔ آج کل تقریباً ۱۵۰ حفاظ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ شعبہ تجوید میں دس اور درس نظامی میں ۱۲ طلباء ہیں۔ شعبہ ناظرہ میں تین سو کے قریب لڑکے ہیں۔ مقبول صاحب کے پاس اسلامی علوم و فنون پر مشتمل ایک ذخیرہ کتب بھی ہے۔

۵۔ مسجد غوثیہ

اس جگہ کبھی پرانا لاری اڈہ ہوا کرتا تھا۔ ۱۹۶۰ء کے قریب یہاں مسلمان بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دی جانے لگی۔ مولوی فضل احمد تعلیم دیتے تھے۔ مدرسہ کے ساتھ ہی مسجد کی بنیاد بھی رکھ دی۔ فضل احمد کے بعد ان کے صاحبزادے مولوی نذیر احمد امامت کرنے لگے۔ خان قاہ ڈوگراں سے محمد یعقوب کو بلوا کر مولانا عبدالکریم کو امامت و خطابت کا فرض سونپا۔ یکم جنوری ۱۹۷۰ء کو پہلی بار نماز جمعہ یہاں پڑھائی گئی۔ درس نظامی کی تعلیم کا سلسلہ بھی یہاں شروع کیا گیا۔

مولانا عبدالکریم نے ۲۳ دسمبر ۱۹۷۳ء کو مسجد کی بنیادوں کا سنگ بنیاد رکھا۔ ۱۹۷۴ء میں پہلی منزل اور ۱۹۷۷ء میں دوسری منزل کی تعمیر مکمل ہوئی۔ مئی ۱۹۸۷ء میں مسجد اور مدرسہ کے لئے باقاعدہ ۳۰ مرلے قطعہ اراضی الاٹ ہوا اور ۱۴ ہزار روپے فی مرلہ کے حساب سے قیمت ادا کرنے کے لئے کہا گیا۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۸۷ء کو صدر مملکت محمد ضیاء الحق شیخوپورہ آئے۔ محمد یعقوب اور مولانا غلام رسول دوسرے چند علماء کے ہمراہ صدر مملکت سے ملے اور بغیر قیمت کے یا تخفیف کے لئے استدعا کی۔ آپ نے انتہائی شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بغیر کسی معاوضہ کے قطعہ اراضی مسجد اور مدرسہ کو دینے کا حکم جاری کردیا۔ تعمیر پر اندازاً" بارہ لاکھ روپیہ صرف ہوچکا ہے۔

مسجد مدرسہ کی دیکھ بھال کے لئے انجمن غوثیہ موجود ہے جس کے صدر حاجی محمد بشیر ممتاز سوپ فیکٹری والے ہیں۔ سیکرٹری جنرل ڈاکٹر عبداللطیف پنجاب میڈیکل سٹور والے۔ ۱۹۶۹ء کے بعد یہ انجمن قائم ہوئی تھی۔

۶۔ جامعہ نظامیہ رضویہ

شہر کے انتہائی مغرب میں نبی پورہ میں یہ اسلامی درسگاہ ۱۹۸۵ء میں قائم ہوئی۔ رقبہ

۴۵ کینال ہے۔ اس نام کا ایک ادارہ لوہاری دروازہ لاہور میں ہزارہ کے علمی و ادبی گھرانہ کے مفتی عبدالقیوم پسر مولانا حمیداللہ نے ۱۹۶۵ء کے قریب قائم کیا تھا۔ لاہور میں جگہ کی قلت کی وجہ سے شیخوپورہ میں اس کا آغاز کیا۔

اس درسگاہ میں حفظ' قرات تجوید اور درس نظامی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس وقت ۴۵۰ طلباء تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ یہ طلبا ملک کے چاروں صوبوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کو ہوسٹل کی سہولت بھی میسر ہے۔ سالانہ اخراجات ۱۳ لاکھ روپے ہیں جو لوگوں کے تعاون سے پورے کئے جاتے ہیں۔ مدرسہ کی عمارت سہ منزلہ ہے۔ نیچے کی منزل میں لڑکوں کو تعلیم دی جاتی ہے۔ اوپر کی دو منزلوں میں لڑکے رہائش رکھتے ہیں۔ یہ عمارت ۶۳ کمروں پر مشتمل ہے۔ تعداد اساتذہ ۲۰ ہے۔ ان کی رہائش کے لئے بھی ایک کالونی ہے' مسجد زیر تعمیر ہے۔

لڑکیوں کے لئے الگ درسگاہ ہے جہاں صرف مقامی لڑکیوں کو تعلیم دی جاتی ہے۔ اس درسگاہ کے انچارج مفتی عبدالقیوم کے برادر عزیز مولانا عبدالرحیم ہیں۔

۷۔ جامعہ رضویہ

پیربہار شاہ کے قریب' مین روڈ پر یہ مسجد موجود ہے۔ آزادی وطن سے قبل بھی یہ مسجد موجود تھی۔ ۱۹۷۲ء میں اسے پختہ بنیادوں پر اسے تعمیر کیا گیا۔ آٹھ ارکان پر ایک جماعت اس مسجد کا انتظام کرتی ہے۔ جماعت کے سربراہ نذیراحمد علوی ڈیڑھ لاکھ روپیہ صرف کرچکے ہیں۔ نیشنل فلور ملز کے حاجی محمد شفیق اور حاجی محمد فضل خاں کا مالی تعاون بھی حاصل ہے۔

۸۔ جامع مسجد حنفیہ رضویہ

طارق روڈ پر یہ مسجد ۱۹۷۶ء کے قریب تعمیر ہوئی۔ انجمن غلامان مصطفٰی کی نگرانی میں ہے۔ انجمن کے صدر حاجی محمد عاشق تھے۔ مسجد کا رقبہ ۱۴ مرلہ ہے۔ بدر ہاؤس کے حاجی محمد علی آف کلہ نے ۱۳ مرلہ قطعہ اراضی وقف کیا تھا۔ صرف ایک مرلہ کی قیمت وصول کی۔

امام مسجد مولانا محمد یوسف ولد مولانا عبدالحلیم تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے لڑکے صاحبزادہ محمد ادریس اس خدمت پر مامور ہوئے۔

۹۔ مسلم مسجد

خالد روڈ پر یہ مسجد ہے۔ قاری محمد صدیق ولد شمس الدین ۱۹۷۸ء سے یہاں امامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اعزازانہ ایک ہزار روپیہ ۱۹۹۱ء میں ملتا تھا۔ رہائش فری ہے۔ انجمن فلاح المسلمین کی نگرانی میں یہ عبادت گاہ ہے۔

۱۰۔ گول مسجد

خالد روڈ کے شروع میں یہ مسجد ہے۔ ابتدا میں کچی تھی۔ ۱۹۵۸ء میں اس کی ابتدا ہوئی۔ شروع شروع میں یہ مسجد ایک دائرہ کی شکل میں تھی۔ خالد روڈ پر جب لوگوں نے اپنے رہائشی مکانات تعمیر کر لئے تو سڑک کی تعمیر کے وقت مسجد کی گولائی کو ختم کر کے اسے موجودہ چوکور شکل دی گئی۔ شروع میں گجرات کے ایک سید امامت کرتے تھے۔ ان کے بعد مولوی عمر پھر بشیر احمد اور ان کے بعد مولانا ذوالفقار ۱۸ برس سے امام و خطیب ہیں۔ ان کو ۲۵۰۰ روپے اعزازانہ دیا جاتا ہے۔ رہائش اور بجلی وغیرہ فری ہے۔ دو سال کا عرصہ ہوا سنگ مرمر وغیرہ سے مکمل ہوئی ہے۔ چوہدری احمد خان ورک سابق کونسلر نے مسجد کے فرش پر زر کثیر صرف کر کے قالین بچھوا دیئے ہیں۔

۱۱۔ جامع مسجد فاروقیہ

شرق پور روڈ کے شروع میں یہ عبادت گاہ واقع ہے۔ اس سے ملحق ایک دینی درس گاہ بھی ہے۔ ۱۹۷۴ء میں مولانا محمد عالم، مولانا محمد عبداللہ اور دوسرے اصحاب نے اس کی بنیاد رکھی۔ ۱۴ کینال کے رقبہ پر یہ ادارہ قائم ہے۔ یہاں طلباء کو قرآن و سنت نبویؐ کی روشنی میں دین اسلام کی تعلیم دی جاتی ہے۔ طلباء کے لئے ہوسٹل کی سہولت بھی موجود ہے۔

ہاؤسنگ کالونی میں چار کینال ۹ مرلہ قطعہ اراضی خرید کر ایک عظیم الشان جامع مسجد طوبیٰ تعمیر کی ہے۔ کالونی میں لڑکیوں کی دینی تعلیم کے لئے المدرستہ البنات الاسلام بھی قائم کیا ہے۔ ۲۰ اساتذہ تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

۱۲۔ جامع مسجد ربانی اہلحدیث

بتی چوک نمبر مارکیٹ کے عقب میں یہ مسجد واقع ہے۔ حافظ محمد عبداللہ شیخوپوری ۲۰ سال سے زیادہ عرصے سے امامت و خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

۱۳۔ جامع مسجد قدس اہلحدیث

مدتوں مولانا محمد حسین شیخوپوری یہاں امام و خطیب رہے۔ آج کل آپ کے صاحبزادے حاجی عطاء الرحمٰن امام و خطیب ہیں۔ مسلم گنج میں ۱۹۷۰ء کے قریب اسے پختہ بنیادوں پر تعمیر کیا گیا۔

۱۴۔ جامع مسجد مدینہ اہلحدیث

شہر کے شمال مغرب میں گھنگ روڈ کے آخری کنارے پر کھالہ پر واقع ہے۔ ۱۹۹۷ء میں ایک کینال قطعہ اراضی پر اس کی بنیاد رکھی گئی۔ سات ممبران پر مشتمل ایک انجمن ہے جو اس کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ انجمن کے صدر پروفیسر حافظ ثناء اللہ ہیں۔ سعید سالک سول لائنز شیخوپورہ اور میاں نعیم الرحمان ملتان روڈ لاہور نے پچاس پچاس ہزار روپے مسجد کی تعمیر کے لئے دیئے ہیں۔

پرانا شہر کے اندر ایک خوبصورت مسجد ہے جو اندر اور باہر چمکدار ٹائلز سے سجی ہوئی ہے۔ یہ مسجد قدیم ہے۔ حافظ محمد میاں کے امام مسجد ہیں۔

۱۵۔ مسجد جعفریہ

شہر میں محکمہ اوقاف کے تحت فقہ جعفریہ سے منسلک اصحاب کے لئے ایک مسجد ہے۔

۱۹۴۷ء سے پہلے کی یہ مسجد ہے۔ اس کے ساتھ ہی امام بارگاہ کلاں ہے۔ امام مسجد کو محکمہ اوقاف کی جانب سے باقاعدہ اعزازانہ ملتا ہے۔

مساجد اور دینی تعلیم کے لحاظ سے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چند ایسے علماء و فضلاء کا ذکر کردیا جائے جو صوبائی و ملکی سطح پر شہرت کے حامل ہیں۔

۱۔ مولانا محمد حسین شیخوپورہ

آپ کے والد ماجد چوہدری بلند خاں ولد چنن خاں تحصیل اجنالہ ضلع امرتسر کے راجپوت گھرانہ سے تعلق رکھتے تھے۔ محمد حسین ۱۹۱۸ء میں پیدا ہوئے۔ امرتسر کے دینی مدرسہ سے درس نظامی کی تعلیم حاصل کی۔ قیام پاکستان کے موقعہ پر ہجرت کرکے ضلع شیخوپورہ میں حویلیاں والا میں آباد ہوئے۔ ابتدا میں مسجد ورکاں پرانا شہر میں امامت و خطابت کی خدمات انجام دیں اس کے بعد جنڈیالہ روڈ کی ایک مسجد میں۔ مسلم گنج کی مسجد اہلحدیث میں ۲۶ برس تک امام و خطیب رہے۔ آج کل مسجد اقصیٰ ریلوے گیٹ کے نزدیک جنڈیالہ روڈ سے وابستہ ہیں۔

اولاد فضل الرحمٰن' عطاء الرحمان' حافظ محمد خالد' حافظ عبدالرحمان اور عزیزالرحمان۔ ایک صاحبزادے حبیب الرحمان ۱۹۷۴ء میں ایک حادثہ میں جاں بحق ہوگئے تھے۔

۲۔ حافظ محمد عبداللہ شیخوپوری

محمد عبداللہ کے والد مولانا محمد اسماعیل ولد مولانا خدابخش موضع مہمند ضلع امرتسر کے رہنے والے تھے۔ جٹ واہلہ گھرانہ سے تعلق ہے۔

محمد عبداللہ ۱۹۴۰ء میں پیدا ہوئے۔ ہجرت کرکے ضلع شیخوپورہ میں رنیکے میں آباد ہوئے۔ اس گاؤں میں زرعی اراضی الاٹ ہوئی۔ پرائیویٹ میٹرک پاس کیا۔ مسجد چینیاں والی لاہور سے درس نظامی سے فراغت حاصل کرکے جنڈیالہ روڈ کی مسجد میں ۳ برس تک امام و خطیب رہے۔ اس کے بعد محلہ ہنجرانوالہ میں مسجد ربانی تعمیر کرکے دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اولاد = عبدالقیوم' عبدالباسط' فاضل مدینہ یونیورسٹی اور حافظ عبدالرحمان۔

غیر مسلموں کی عبادت گاہیں

۱۹۳۵ء میں شہر میں قادیانیوں کی ایک تنظیم انجمن احمدیہ موجود تھی' اس کے صدر محمد عبدالجلیل تھے' انہوں نے احمد پورہ محلہ میں ایک مسجد کی تعمیر کے لئے جولائی ۱۹۳۵ء میں ٹاؤن کمیٹی کو درخواست دی تھی۔

سول کوارٹرز اور ہسپتال کے درمیان نتھومل ولد سردا رام نے ذاتی اراضی پر ایک مندر کی تعمیر کے لئے ۲۲ دسمبر ۱۹۲۳ء کو کمیٹی کو درخواست دی تھی۔

سول کوارٹرز میں ایک مندر کی تعمیر کے لئے لالہ گنگا کشن' سیکرٹری ہندوستان دھرم سبھا نے شیخوپورہ کمیٹی کو ۲۳ اپریل ۱۹۳۲ء کو ایک درخواست دی تھی۔

پرانا شہر میں ۱۹۲۵ء میں "منگل پوری مندر" موجود تھا یہاں کے پنڈت نے مندر کے پاس ایک غسل خانہ تعمیر کرنے کے لئے بلدیہ کو درخواست دی تھی۔

قبرستان

شہر میں تقریباً ۲۰ قبرستان موجود ہیں قدیم ترین قبرستان' پیر فتح دین کا ہے جو طارق روڈ کے شروع میں مشرق میں واقع ہے۔

مزارات

داتا شاہ جمال' پیر بہار شاہ اور پیر فتح دین کے مزارات قابل ذکر ہیں۔ پہلے دو مزاروں پر سالانہ عرس ہوتے ہیں۔

تاریخی آثار

ضلع بھر میں تاریخی آثار کا ذکر باب ا عہد قدیم میں کردیا ہے۔ اس کے علاوہ قابل ذکر

مقامات کے باب میں بھی اس کا ذکر ہے۔ یہاں صرف ان مقامات کا ذکر کیا جاتا ہے جو تاریخ کے لحاظ سے بڑے اہم ہیں۔

(i) ہرن مینار

شہر کے شمال مغرب میں دس کلومیٹر دور عہد مغلیہ کی یہ تاریخی یادگار موجود ہے۔ نورالدین جہانگیر مغل بادشاہ اپنی خود نوشت کتاب تزک جہاں گیری میں ذی الحجہ ۱۰۱۵ھ کے واقعات میں ذکر کرتا ہے:

"منگل کے روز میں نے جہانگیر پورہ میں قیام کیا۔ یہ جگہ میری شکار گاہ ہے یہاں میرے حکم سے ایک مینار اور میرے ہرن منس راج کی قبر تعمیر کی گئی۔ یہ ہرنوں کی لڑائی اور جنگلی ہرنوں کے شکار میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا اس مینارے پر ملا محمد حسن کشمیری نے جو خوش نویسوں کا استاد تھا یہ لکھ دیا کہ اس میدان میں ایک ہرن حضرت جہانگیر بادشاہ نے پکڑا تھا۔ ایک مہینہ میں جب اس کی وحشت دور ہوئی تو وہ سب ہرنوں کا سردار بنا اس ہرن کی محبت میں میں نے حکم دیا کہ اس جنگلی کے ہرنوں کو کوئی نہ مارے۔"

جہانگیر نے حکم دیا کہ جس طرح ہندوؤں میں گائے کا گوشت حرام ہے۔ اس طرح ہرنوں کا گوشت Unlawful ہے۔ مسلمانوں کے لئے یہاں کے ہرنوں کا گوشت ان کے لئے سور کی طرح ہے۔ جہانگیر کا یہ چہیتا ہرن جب مرگیا تو اس کا یہاں مزار تعمیر کیا گیا' ہرن کا نام منس راج تھا۔

شاہی سیرگاہ ہونے کی وجہ سے یہاں شاہی عمارات بھی تعمیر ہوئیں۔ جہانگیر نے یہاں ایک تالاب بنوایا۔ تالاب میں ایک بارہ دری تعمیر کی گئی۔ شاہ جہاں بادشاہ اپریل ۱۶۳۴ء میں یہاں آیا تھا۔ سیرو تفریح کے سلسلہ میں اس نے یہاں ۳ دن گزارے۔ تالاب کی بارہ دری کو مسمار کراکے از سرنو تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ اس پر ۸۰ ہزار روپیہ خرچ ہوا۔

دریائے چناب سے ایک چھوٹے نالے کے ذریعہ چھوٹے تالاب میں پانی آتا پھر پھر بڑے تالاب میں پانی بھرا جاتا۔ یہاں کے جانور سے پانی پیتے تھے۔ تالاب کے چاروں کونوں پر گنبد واقع ہیں۔ ابتداء میں ہرن مینار کی پانچ منزلیں تھیں اب صرف تین رہ گئیں ہیں۔

بڑے تالاب ۷۵۰ x ۸۹۲ فٹ کے محیط میں گھرا ہوا ہے۔

چند سالوں سے حکومت نے اس تالاب کو ماہی پروری کے لئے استعمال کرنا شروع کردیا ہے۔ سال میں ایک بار مچھلیاں پکڑنے کا مقابلہ بھی ہوتا ہے۔ ملکی و غیرملکی سیاح مغلیہ دور کی اس یادگار کو دیکھنے ضرور آتے ہیں۔ سکھ عہد میں بھی شیخوپورہ کے قرب و جوار میں شکار کھیلنے کے سکھ سردار یہاں آیا کرتے تھے۔

مہاراجہ رنجیت بھی مغل حکمرانوں کی طرح علاقہ شیخوپورہ میں شکار کھیلنے کے لئے آیا کرتا تھا۔ اس کے درباری مورخ لالہ سوہن لال سوری کے روزنامچہ سے کچھ واقعات درج کئے جاتے ہیں۔

۲۶ جنوری ۱۸۳۱ء	مہاراجہ رنجیت سنگھ باکوال گیا۔ پھر باہمن والا اور پھر شاہ کاکو کے جنگل میں شکار کے لئے۔ ۴ فروری ۱۸۳۱ء کو مہاراجہ سیدوالا گیا۔
۲۱ ـ ۲۵ مارچ ۱۸۳۱ء	تک مہاراجہ نے راوی پار کرکے شکار کیا۔ کوٹ پنڈی داس میں شکار کو ختم کیا۔
۱۲ فروری ۱۸۳۲ء	مہاراجہ رنجیت سنگھ شہزاد آباد پہنچا اور چند دنوں بعد شرقپور پہنچا۔ وہاں زمینداروں نے ۵ سو روپے اور ایک گھوڑا مہاراجہ کو پیش کیا۔ مہاراجہ نے چھ روز تک وہاں شکار کیا۔
۲۵ فروری ۱۸۳۲ء	شرقپور کے ناظم اور پنچوں نے مہاراجہ سے شکایت کی کہ اس کی فوجوں نے ان کے علاقہ کو تباہ و برباد کردیا ہے۔ راجہ کلاں (دھیان سنگھ) سے ناراضگی کا اظہار کیا گیا کہ ایسا کیوں ہوا ہے؟
۵ مارچ ۱۸۳۴ء	ڈاکٹر مرے (MURRAY) کے استقبال کے لئے سردار فتح سنگھ مان کی تقرری۔
۱۲ جنوری ۱۸۳۵ء	یکم ماگھ کھڑک سنگھ شہزادہ کو مکتوب تحریر کیا کہ وہ شیخوپورہ سے چل پڑے اور لاہور آکر مہاراجہ کو اپنا دیدار کرائے۔
۱۴ مارچ ۱۸۳۶ء	مہاراجہ نے برنالہ میں دربار لگایا جو شیو سنگھ کمانڈنٹ کی جاگیر میں تھا۔ دن کے تیسرے پہر وہ سخواں گاؤں میں تھا۔

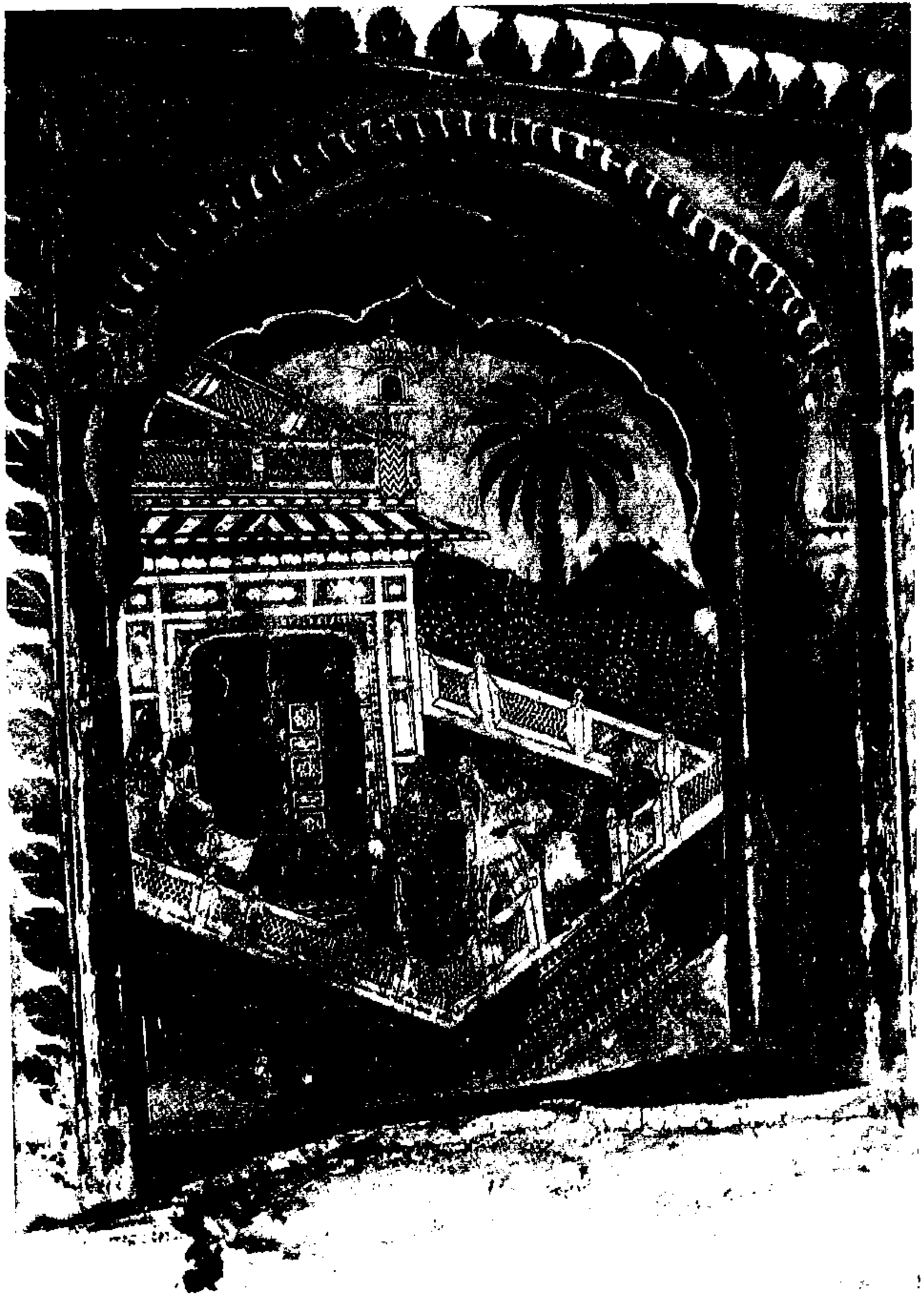
۱۵ مارچ ۱۸۳۶ء	مہاراجہ ملیاں پہنچا۔ اگلے روز وہ جنڈیالہ شیرخاں پہنچا جہاں زور آور سنگھ آف تبت نے چند خوبصورت گھوڑے اور ۴۰ HARZARJO پیش کئے۔
۱۷ مارچ ۱۸۳۶ء	رانی نیکائن نے اپنے گاؤں جھمبر میں مہاراجہ کو ضیافت کے لئے نقد پانچ ہزار روپے پیش کئے۔
۴ اپریل ۱۸۳۷ء	(۲۵ چیت) مہاراجہ موضع عوان پہنچا اور ۲۷ (چیت) کو نورتہ کے روز ۱۸۹۴ سمت کو شیخوپورہ میں داخل ہوا۔ راجہ دھیان سنگھ نے کہا کہ شہر شیخوپورہ میں کئی یرغمالی موجود ہیں۔ نورتہ کے مبارک دن پر ان قیدیوں کو آزاد کرنا بڑا متبرک ہے۔ مہاراجہ نے کہا کہ قیدیوں کو رہا کرنے کا مطلب جموں سے یرغمالیوں کو آزاد کرنا ہے۔ یرغمالی رہا نہیں کئے گئے۔
۳ دسمبر ۱۸۳۷ء	مہاراجہ کلوترا (KOLOTRA) پہنچا۔
۴ دسمبر	کسو کے۔ ۵ دسمبر کو امبوکی آیا۔ ۶ دسمبر کو مہاراجہ کوٹ پنڈی داس پہنچا اگلے روز وہ قلعہ لاہور میں داخل ہوا۔
۲۳ فروری ۱۸۳۸ء	مہاراجہ شرقپور پہنچا جہاں سلطان محمد خاں کا مکتوب وصول ہوا کہ وہ بہت نفیس گھوڑے لے کر حاضر ہوا ہے۔ مہاراجہ نے جواب دیا کہ وہ ایک بڑا اور پھرتیلا گھوڑا لے کر حاضر ہو۔
۱۶ مئی ۱۸۳۸ء	مہاراجہ رنجیت سنگھ چونڈہ پہنچا اور ۱۷ مئی کو یہاں سے چلا اور مانگا گاؤں میں پہنچا جو موہن لال سوری کا گاؤں تھا۔

(ii) قلعہ شیخوپورہ

پرانے شہر کے جنوب مشرق میں یہ قلعہ موجود ہے۔ قلعہ کا بڑا دروازہ مشرق کی جانب ہے۔ قلعہ کے اندر کی عمارت پانچ منزلہ ہے۔ مغرب کی جانب ایک بہت بڑا کنواں ہے۔ اسی جانب شاہ شرف قلندر کا مزار ہے جس پر سالانہ میلہ لگتا ہے۔ قلعہ کا ایک تہہ خانہ بھی ہے جس میں جنوب کی جانب سے راستہ جاتا ہے۔ مشرق کی جانب بھی ایک کنواں ہے جو خشک ہوچکا ہے۔ قلعہ کے باہر مشرقی جانب کا کنواں بھی خشک ہے۔ سورج کی روشنی کے



قلعہ شیخوپورہ ۔ اندرونی حصہ



قلعہ شیخوپورہ ۔ اندرونی حصہ

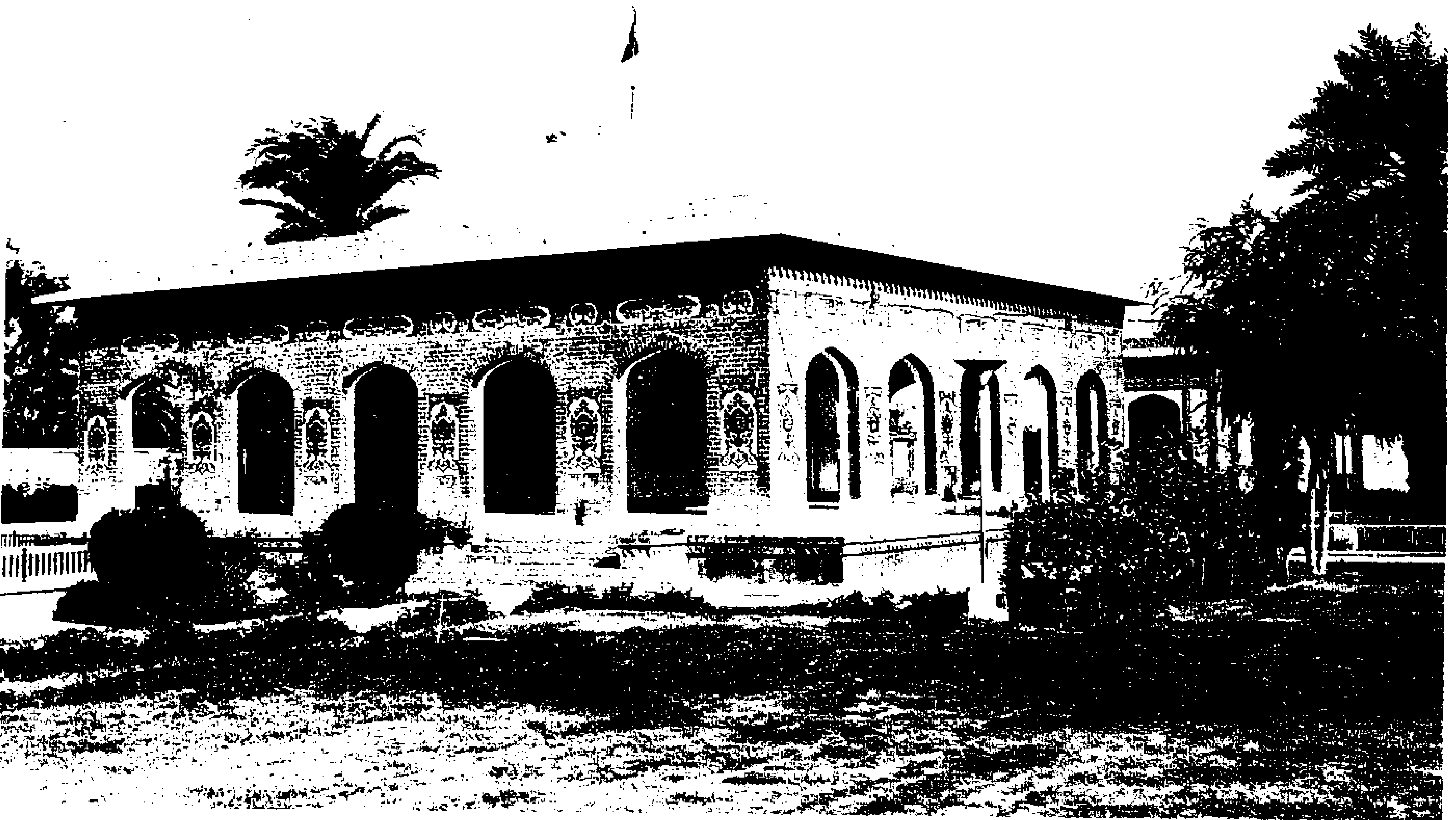
قلعہ شیخوپورہ ۔ اندرونی حصہ



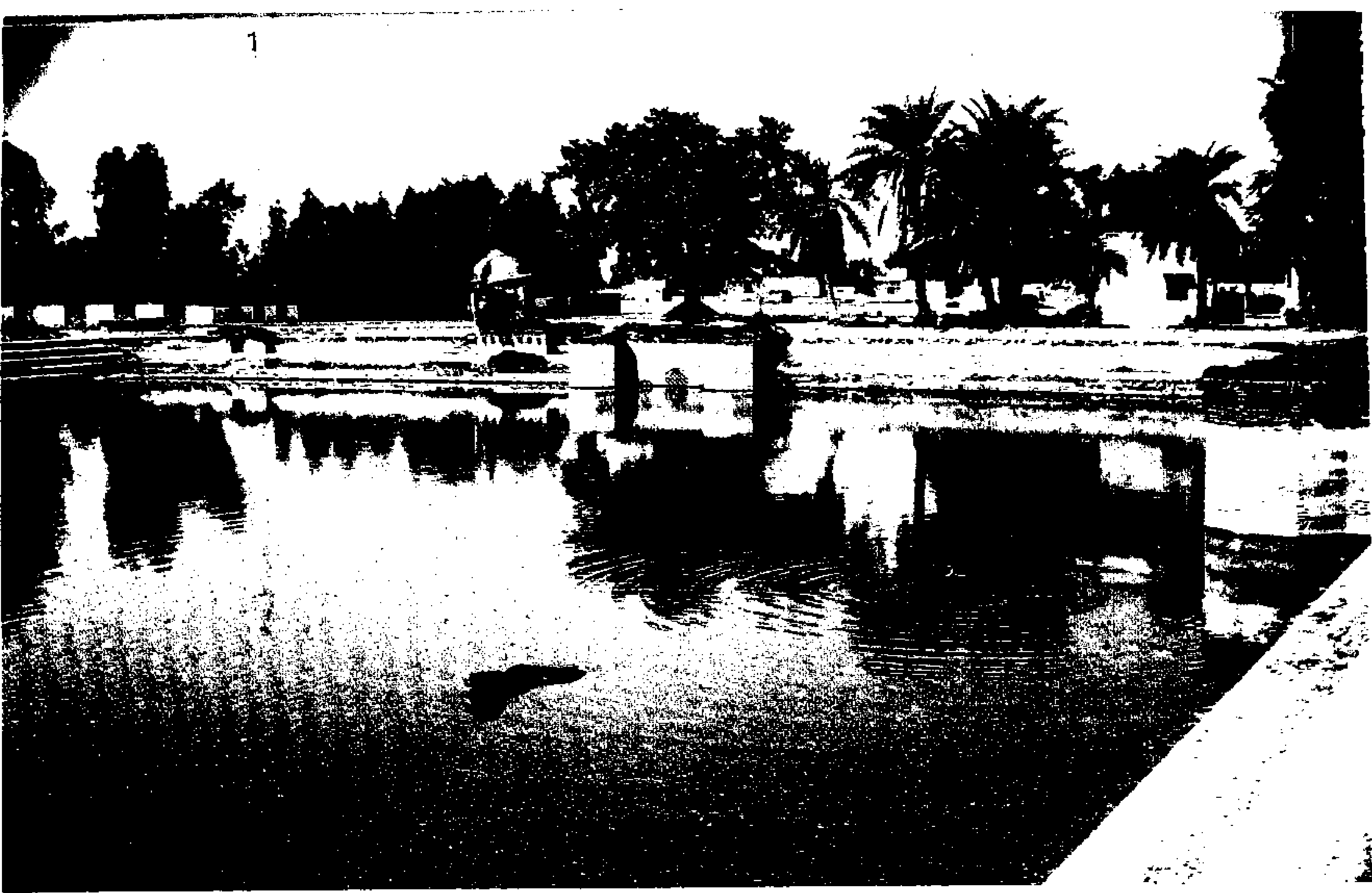
قلعہ شیخوپورہ



ہرن مینار ۔ تالاب و بارہ دری



مزار وارث شاہ کا بیرونی منظر



تالاب۔ جنڈیالہ شیر خان کے مشرق میں



باؤلی۔ جنڈیالہ شیر خان

لئے دیواروں میں سوراخ ہیں جالیاں بھی ہیں چراغ داں بھی موجود ہیں۔ قلعہ کا جھکاؤ شمال کی طرف ہے۔ رنجیت سنگھ کے دور حکومت میں قلعہ کی اندرونی تزئین و آرائش نئے سرے سے کی گئی تھی۔ آج بھی دیواروں پر مرد' عورت اور گھوڑسوار فوج کی رنگین تصویریں نظر آتی ہیں۔ سکھ حکومت کے خاتمہ کے بعد انگریز حکام نے رنجیت سنگھ کی رانی جنداں کو اس قلعہ میں اگست ۱۸۴۷ء میں نظربند رکھا تھا۔ کچھ عرصہ بعد اسے فیروزپور منتقل کردیا۔

یہ قلعہ مغل بادشاہ جہانگیر (۱۶۲۷ء - ۱۶۰۵ء) نے تعمیر کرایا تھا۔ قلعہ کے ساتھ یہاں ایک سرائے بھی تعمیر کی گئی تھی۔ ۱۶۲۰ء (۱۰۳۰ھ) میں کشمیر سے واپسی پر نورالدین جہانگیر نے شاہی شکار گاہ ہرن مینار میں شکار کھیلا۔ تخت نشینی کے بعد یہ گاؤں سکندر میق کو بطور جاگیر دیا اور حکم دیا کہ یہاں ایک تالاب مینار اور دولت خانہ یعنی قلعہ تعمیر کرائے اس کی وفات کے بعد ارادت خاں جاگیردار نے ان عمارات کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے خرچ سے یہ عمارات مکمل ہوئیں۔ تعمیر میں چنائی کے لئے چونا استعمال کیا ہے۔ قلعہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی رانی نکائن کی جاگیر میں تھا اور وہی اس میں رہائش رکھتی تھی۔ روایت ہے کہ قلعہ کی اوپر کی منزل رانی نکائن نے تعمیر کرائی تھی اور اسی کے دور میں مصوری کا کام ہوا تھا۔

۱۸۴۷ء میں یہاں کا ایک "اخبار شیخوپورہ" ہوا کرتا تھا۔ ۲۷ جنوری ۱۸۴۷ء کو شیخوپورہ اخبار نے خبر دی کہ میجر نیپئر (NAPIER) کا متعدی شیخوپورہ میں پہنچ گیا ہے وہ قلعہ کی مرمت کی نگرانی کے فرائض انجام دے گا۔

(ب) سرزمین شیخوپورہ ـــــ حالت جنگ و جدل اور اثرات

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات ۱۷۰۷ء کے بعد مغل دور حکومت روبہ زوال ہوگیا۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا دور دورہ آگیا۔ قانون کی حکمرانی ختم ہوگئی۔ افغانی حملہ آور دولت کی ہوس میں آئے دن حملے کرتے رہتے۔ یہ افغانی فوجی شیخوپورہ کے علاقہ سے گزر کر ہی لاہور کی طرف جاتے تھے۔ ان حملوں میں لوگوں کی حالت کیسی تھی؟ اس علاقہ کی زمین پر کیا بیتتی تھی؟ وارث شاہ کے قصہ ہیر سے ان کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے۔

نادر شاہ تھوں بند پنجاب تھڑکے میرے باپ دا اندھ بھونچال کیتو

لاہور کے صوبے دار ادینہ بیگ کے عہد میں :

دینا بیگ نوں مگر جینوں پٹے غازی ڈیرہ لٹ کے چاء کنگال کیتو

سکھوں کے دور حکومت میں ہوس زر نے انسانی وجود کو مولی گاجر کی طرح کاٹ کر رکھ دیا تھا وہ لوگ خوش قسمت ہیں جن کے آباؤاجداد ایسے دور میں زندہ رہے ہیں۔ انگریزوں کی آمد سے قانون کی حکمرانی کا دور شروع ہوا۔ لوگوں کی عزت و آبرو اور مال و اسباب محفوظ ہوا۔ لوگوں نے شکرانہ کے نفل ادا کیے۔

جنگ عظیم اول (۱۹۱۸ ـ ۱۹۱۴) کے موقعہ پر شیخوپورہ کے لوگ ملک کی خاطر چندہ دینے میں پیش پیش تھے۔ سر گنگارام نے پچاس ہزار روپے اور ان کے لڑکے لالہ سیوک رام نے ایک لاکھ روپیہ کی ایک خطیر رقم چندہ میں دی۔ یہ ان دنوں گنگاپور میں رہائش پذیر تھے۔

۱۹۱۷ء میں لوگوں نے چندہ دیا ۱۱۲۱۸۱۵ روپے

۱۹۱۸ء میں چندہ دیا ۹۸۰۴۰۲ روپے

یکم جنوری ۱۹۱۷ء کو شیخوپورہ تحصیل سے ۲۸۱۰ جواں اس جنگ میں بھرتی ہوئے۔ مذہب کے لحاظ سے ان میں سکھ ۱۹۸۳ مسلمان ۶۸۷ ہندو ۳۰ اور عیسائی ہندوستانی ۱۱۰ تھے۔

۳۰ نومبر ۱۹۱۸ء کو جب بھرتی کا کام مکمل ہوا تو شیخوپورہ کے جوانوں کی کل تعداد ۱۳۲۰۰ تھی۔

جنگی خدمات کے صلے میں حکومت نے سانگلہ ہل کے دوران خاں بھٹی کو خان بہادر، ممبر آف دی برٹش امپائر اور لالہ سیوک رام کو رائے بہادر کا خطاب دیا۔ سانگلہ ہل کے ایک اور شخص تیجا سنگھ کو M.B.E. کے علاوہ پانچ سو روپے کی جاگیر بھی ملی۔ مریدکے کے واجد علی کو بھی خطاب سے نوازا گیا۔

جناح پارک (گورونانک پورہ) میں امام بارگاہ حسین (جنج گھر) کی انڈرگراؤنڈ کھدائی کے دوران ایک ڈیڑھ انچ گول تانبہ کا میڈل ملا ہے جس کے ایک طرف یہ تحریر ہے :

THE GREAT WAR FOR CIVILISATION ۱۹۱۴ ـ ۱۹۱۹

سائیڈ پر NK ـ JIWAN SINGH کندہ ہے۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان تقسیم ہوگیا اور مسلمانوں کے لئے ایک الگ مملکت

پاکستان معرض وجود میں آئی۔ مشرقی پنجاب سے دریائے راوی پار کر کے ان گنت مسلمان ہجرت کر کے یہاں آئے۔ بھارت میں ان مہاجرین کے ساتھ کس قسم کا سلوک کیا گیا؟ ناقابل بیان ہے۔ ایسے لرزہ خیز واقعات میں سے ایک واقعہ کا ذکر ممتاز مفتی نے اپنی مشہور خودنوشت علی پور کا ایلی میں کیا ہے کہ ایک سکھ جواں نے ایک مسلمان جواں اور خوبصورت لڑکی کو حاصل کرنے کے لئے گاؤں کے سب افراد کو تہ تیغ کر دیا تھا۔ مسلمان شیرخوار معصوم بچوں کو ہوا میں اچھال کر قتل کیا گیا۔ ان گنت مسلمان لڑکیوں اور عورتوں کی بے حرمتی کی گئی۔ یہاں تک کہ مسلمان خوبرو لڑکیوں کو اپنے ہاں چھپالیا اور بعد میں ان سے شادیاں کر لیں۔ ان سے اولاد پیدا ہوئی۔ سکھ یا ہندو۔ مسلمان لڑکی زینب بی بی کا واقعہ بھول نہیں سکتا۔ ایک سکھ بوٹا سنگھ نے اس سے شادی کر لی۔ ایک دختر پیدا ہوئی ۱۹۵۷ء میں وہ اپنے والدین کو ملنے پاکستان آئی۔ بھارت واپس جانے سے اس نے انکار کر دیا۔ بوٹا سنگھ یہاں پاکستان آیا۔ زینب اور اپنی دختر کے حصول کے لئے اس نے اسلام قبول کر لیا لیکن اپنے مقصد میں ناکام رہا۔ آخرکار لاہور بادامی باغ کے درمیان ریل گاڑی کے نیچے آکر اس نے خودکشی کر لی۔ زینب اور اس کے ماں باپ نے بچی کو بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ عدالت نے وہ بچی ایک مسلمان خاتون وکیل کی تحویل میں دے دی۔

بھارتی علاقوں میں مسلمانوں کے قتل عام کے بدلے میں شیخوپورہ میں قتل و غارت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس قتل عام کی بازگشت ملک بھر میں سنائی دی۔ بھارت کے رہنما چیخ اٹھے اس کے ردعمل میں ضلع امرتسر میں بڑی تعداد میں مسلمان شہید کئے گئے۔ ملک محمد منیر ولد شاہ محمد سابق چیئرمین بلدیہ شیخوپورہ کا کہنا ہے کہ وہ ۱۹۴۷ء میں پانچویں یا چھٹی جماعت کے طالب علم تھے اور جی ٹی ایس اڈہ کے پاس سڑک پر کھڑے تھے کہ پنڈت جواہر لعل نہرو اور لیاقت علی خاں مرہٹہ فوجی دستہ کے ہمراہ ان کے سامنے سے گزرے تھے ہر طرف آگ لگی تھی۔ گھر جل رہے تھے مگر ان رہنماؤں کو شہر میں کسی ہندو یا سکھ کی لاش نہ ملی۔

۱۴ اگست سے پہلے ہی کانگرس اور سکھ زیادہ مسلم آبادی والے اضلاع چاہتے تھے۔ یکم اگست کو پچاس ہزار فوجی آفیسر اور جوانوں پر مشتمل پنجاب بونڈری فورس قائم کر دی تھی۔ لاہور، سیالکوٹ، گوجرانوالہ، شیخوپورہ منٹگمری، لائل پور اور ننکانہ صاحب کو وہ مشرقی پنجاب

میں شامل کرانا چاہتے تھے۔ ۳۰ جون ۱۹۴۷ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے سکھوں کے نمائندہ گیانی کرتار سنگھ سے ملاقات کی۔ کرتار سنگھ نے ایک تحریری یادداشت پیش کی تھی کہ باؤنڈری اس انداز سے کھینچی جائے کہ سکھوں کی اسی فیصد آبادی مشرقی پنجاب میں آجائے۔ اس کے لئے ننکانہ صاحب اور ملحقہ لائل پور، شیخوپورہ اور گوجرانوالہ کے اضلاع کی ہندو سکھ اکثریتی پٹی بھی مشرقی پنجاب میں شامل کریں لیکن ان کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔ سردار بلدیو سنگھ نے ۱۷ تغلق روڈ دہلی سے ۲۰ جولائی ۱۹۴۷ء کو پنڈت نہرو کے نام ایک خط میں اس تشویش کا اظہار کیا تھا کہ شیخوپورہ ضلع کے علاوہ لاہور اور گورداسپور کے اضلاع پاکستان میں شامل کئے جارہے ہیں۔

آزادی وطن کے بعد بھی یہاں کے لوگ وطن کو نہیں بھولے۔ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے انتقال کے بعد بلدیہ نے قائداعظم میموریل فنڈ میں ایک ہزار روپیہ چندہ ۲۳ جولائی ۱۹۴۹ء کو دیا۔ ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو رات کے اندھیرے میں بھارت نے پاکستان پر اچانک حملہ کردیا۔ اس موقعہ پر دفاعی فنڈ صدر مملکت میں ۲۱۰۰۰ روپیہ دیا۔ بلدیہ نے اس خواہش کا اظہار بھی کیا کہ وہ اپنا محفوظ فنڈ پچاس ہزار روپیہ بھی دینا چاہتی ہے۔ ۱۹ ستمبر ۱۹۶۵ء کے اجلاس میں یہ چندہ دینا منظور کیا گیا۔ دشمن اس حملہ میں شیخوپورہ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکا کوئی بم نہ گرا اور نہ ہی جہازوں سے شیلنگ ہوئی۔

۳ دسمبر ۱۹۷۱ء کو بھارت نے دوبارہ حملہ کردیا۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۷۱ء کو جنگ ہوئی۔ نتیجہ میں مشرقی پاکستان ہم سے الگ ہوگیا اور ایک نئے ملک بنگلہ دیش کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس جنگ میں بھارتی جہازوں نے شیخوپورہ شہر کے مغرب اور جنوب میں بم گرائے تھے۔ ایک آدمی جاں بحق ہوا۔ زمین میں بہت بڑا گڑھا پڑ گیا تھا۔ نیچے سے پانی نکل آیا تھا۔ اب اس محلّہ کا نام ہی بمبانوالہ پڑ گیا ہے۔ ریلوے سٹیشن کے شمال میں بھی ایک بم گرا تھا لیکن نقصان نہیں ہوا۔ صبح کے وقت ریلوے ٹرین ڈاچی شیخوپورہ سے لاہور جارہی تھی۔ قلعہ ستار شاہ کے قریب گاڑی پر شیلنگ ہوئی۔ ۷ آدمی جاں بحق ہوئے تھے۔

باب ۱۰

قابل ذکر مقامات

۱۔ جنڈیالہ شیر خاں
۲۔ جھبر
۳۔ خانقاہ ڈوگراں
۴۔ سانگلہ ہل
۵۔ سیدوالا
۶۔ شاہ کوٹ
۷۔ شرق پور
۸۔ فاروق آباد (چوہڑکانہ)
۹۔ مانانوالہ
۱۰۔ مریدکے
۱۱۔ نارنگ
۱۲۔ ننکانہ صاحب
۱۳۔ ینگسن آباد

وار برٹن' مارٹن پور' مریم آباد' گوریاں

۱۔ جنڈیالہ شیرخاں

مشہور قصہ پنجابی کے مشہور شاعر وارث شاہ کا مولد و مسکن و مدفن۔
اس کی قدامت کا کچھ علم نہیں۔ مغل دورِ حکومت میں شہنشاہ اکبرِ اعظم (۱۶۰۵-۱۵۵۶) کی فوج کا ایک بڑا عہدیدار شیرخاں پٹھان یہاں رہائش رکھتا تھا۔ اس کی نشاندہی جنڈیالہ شیرخاں میں ایک باولی کے کتبہ سے ہوتی ہے جو جنوب مغرب میں ایک کھنڈر کی صورت میں موجود ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں بہت سے جنڈ کے درخت تھے۔ شیرخاں کو یہ علاقہ غالباً جاگیر میں ملا ہوگا اس باولی کے کتبہ کی تحریر ملاحظہ فرمائیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

در عہد سعادت بہ حضرت اورنگ زیب پادشاہ
عالمگیر ۲۲ دو از دہ جلوس والا مطابق ۱۰۸۰ء ہجری
بندہ درگاہ معین شمشیر خان ترین لغائیت الٰہی و
اقبال شاہنشاہی ملک مندرا تصرف اولیا دولت قاصرہ
در آورد این قطعہ و عمارت و چاہ رابہ ساخت

بعہد شہنشاہ اکبر لقب ہمایون ِنسب خسرو کامیاب
بفرمودہ سید غزنوی رفیع الرکان خان عالیخاب
محیط سخا و کرم شیر خاں کہ ابرار کف ھتش بردہ آدب
بنا کر دو بے زعین کرم کہ شدرہ رشک بر چشمہ آفتاب
زدکوش بود دلو کمرووں خجل زچرخش لود حرخ دریچ و تاب
ونخشب از شرم نادید برون اگر یکشب ابن والی پند بخواب
زتاریخ آن کربرید خرد بہ از چاہ نخشب بگودر جولب

اردو ترجمہ:

۱۔ شہنشاہ اکبر کے عہد میں جو مبارک نسب والا اور کامیاب بادشاہ تھا۔

۲۔ سید غزنوی کی فرمائش پر بلند مرتبہ خاں عالی جناب (یعنی)

۳۔ کرم اور سخاوت کے سمندر، شیرخاں نے جس کی سخاوت کے ہاتھ سے بادلوں نے آب و تاب حاصل کی۔

۴۔ اپنی سخاوت کے سرچشمے سے ایک باولی تیار کروائی جو چشمہ آفتاب کے لئے بھی باعث رشک ثابت ہوئی۔

۵۔ اس باولی کے ڈول کو دیکھ کر آسمان کا ڈول (سورج) بھی شرمسار ہے اور اس کی چرخی کو دیکھ کر آسمان بھی پیچ و تاب میں ہے۔

۶۔ اگر کبھی رات کو مہ نخشب اس باولی پر نگاہ ڈالے تو مارے شرم کے باہر نہیں نکلے گا۔

۷۔ اگر عقل اس کی تاریخ (بنا) دریافت کرے تو جواب میں کہہ دو "بہ از چاہ نخشب"

(چاہ نخشب سے بھی بہتر ہے)

۹۷۶ھ

یہ کتبہ لاہور عجائب گھر میں محفوظ ہے اس کا سائز ۲۸ x ۳۴.۲ انچ ہے اور موٹائی ۳.۹ انچ ہے۔ باولی ۹۷۶ھ بمطابق ۱۵۶۸ء میں تعمیر ہوئی تھی۔ سید غزنوی فرمائش کرنے والے بزرگ کا علم نہیں ہوسکا۔ ہوسکتا ہے کہ جنڈیالہ شیرخان میں موجود ایک مزار اس بزرگ کا ہو۔ باولی میں پانی موجود ہے۔ سیڑھیاں موجود ہیں۔ ان کی چوڑائی ۷۸ سینٹی میٹر ہے۔ باولی پر گنبد نما عمارت ہے۔ باولی کے چار در ۱۰۸ سم چوڑے ہیں۔

باولی سے تھوڑے فاصلہ پر ایک اور قدیم عمارت کے نشانات ہیں۔ اینٹوں کا سائز ۱۸.۵ x ۲۳.۵ سم ہے۔ ہوسکتا ہے کی یہ شیرخاں کی رہائش گاہ ہو۔ ایک بڑا کنواں بھی ہے۔ ون کے پرانے درخت ہیں۔ چند قبور بھی موجود ہیں۔ گاؤں کے جنوب میں ایک بڑا پختہ تالاب ہے۔ ۲۱۰ مربع فٹ چھوٹی اینٹ کا تالاب پانی سے بھرا رہتا ہے اس لئے اس کی گہرائی کا علم نہیں۔ مشرق کی جانب سے تالاب میں پانی بھرا جاتا تھا۔ اینٹ کا سائز ۱۷ x ۲۲ سم ہے۔ موٹائی ۴ سم۔ تالاب کے مغرب میں چھوٹی اینٹ کی ایک برجی ہے۔

اکبر اعظم کے بعد جہانگیر کے دور حکومت میں ایک شیرخاں افغان کا ذکر کرتا ہے۔

تزک جہانگیری میں ہے کہ ۱۰۱۶ھ میں یکم محرم کو جہانگیر دریائے بھٹ کے کنارے سے روانہ ہوکر قلعہ رہتاس میں جسے شیرخاں افغان نے بنایا تھا۔ قیام کیا گکھڑ قوم کے لوگ اس علاقہ پر لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ اس لئے ان کی روک تھام کے لئے یہاں ایک مضبوط قلعہ بنوانا شروع کیا لیکن اس دوران میں شیرخاں مرگیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹے سلیم خاں نے اسے سولہ کروڑ دس لاکھ دام کی لاگت سے مکمل کیا۔

"جمعرات ۲۵ محرم کو میں نے دولت آباد کی سرائے میں قیام کیا' یہاں پشاور کا جاگیردار احمد سلیم میری خدمت میں حاضر ہوا۔ چونکہ مجھے اس کی خدمات پسند نہ آئیں اس لئے پشاور کی جاگیر اس سے لے کر شیرخاں افغان کو عنایت کی۔"

انہی ایام میں جہانگیر نے گجرات اور پنجاب کے صوبے شیرخاں افغان کو تفویض کئے۔

"شیرخاں افغان جسے میں نے درہ خیبر کی حفاظت کے لئے پشاور میں مقرر کیا تھا بمقام دھکہ میں مجھ سے آکر ملا۔ اس نے اس کام کو بخوبی سرانجام دیا تھا"۔

(۱۰۱۶ھ) "۲۹ ماہ شعبان کو شیرخاں افغان جو میرے پرانے ملازموں میں سے تھا فوت ہوگیا۔ وہ کثرت سے شراب پیتا تھا۔ اس وجہ سے گزشتہ سال کے روزے بھی نہ رکھے تھے۔ اس نے عہد کیا تھا کہ اس سال وہ گزشتہ ماہ رمضان کے بھی روزے رکھے گا چنانچہ دو ماہ کے روزے رکھنے میں ہر چیز اس کی چھوٹ گئی اور بھوک بھی ختم ہوگئی جس کی وجہ سے وہ بہت کمزور ہوگیا۔ حتیٰ کہ ستاون سال کی عمر میں فوت ہوگیا۔ میں نے اس کی اولاد کی پرورش کی اور اس کی جاگیر کا کچھ حصہ اس کے بیٹوں کو دے دیا۔"

اس کے بعد تاریخ میں کوئی حوالہ نہیں ملتا۔

کیا جنڈیالہ شیرخاں کی باولی تعمیر کرنے والا شیرخاں یہی تھا؟ اس کی تصدیق نہیں ہوسکی۔ سکھوں کی شورش کے دوران ایک سکھ سردار جے سنگھ اس پر قابض ہوگیا۔ اس سکھ سے سردار مہاں سنگھ نے چھین لیا اور ارد سنگھ سردار کریالہ کو عطا کردیا۔ سکھ عہد کے خاتمہ پر قصبہ افغان سرداروں کی ملکیت قرار پایا۔

اٹھارہویں صدی میں یہاں وارث شاہ ہوا ہے' محکمہ اطلاعات و ثقافت و سیاحت حکومت پنجاب نے ۴ فروری ۱۹۸۳ء کو وارث شاہ کا مزار تعمیر کیا۔ ۲۰ ایکڑ رقبہ پر عمارت ۱۹۹۲ء میں مکمل ہوئی تھی۔ مزار پر ساون کی ۸' ۹' ۱۰' کو ہر سال سرکاری سطح پر عرس منایا جاتا ہے۔

۱۸۴۱ء بکرمی میں مہاں سنگھ نے جنڈیالہ شیرخاں پر قبضہ کرکے اروڑہ سنگھ کریالہ کی جاگیر میں دیا تھا مجاسنگھ بھی اس پر قابض رہا تھا۔

گاؤں کا پہلا بندوبست ۳۰ اکتوبر ۱۸۹۳ء کو ہوا تھا۔ مہتمم بندوبست ضلع گوجرانوالہ' ایم ایف اوڈوائر تھے۔ گاؤں کا نمبردار حاکم سنگھ' سرپنچ امیر خاں تھا۔ برائے اشتہار نمبر ۶۲۴ مورخہ ۲۲ اگست ۱۸۹۳ء یہ گاؤں تحصیل حافظ آباد سے خارج ہوکر یکم اکتوبر ۱۸۹۳ء کو شامل تحصیل خانقاہ ڈوگراں ہوا ضلع گوجرانوالہ محبت خاں' امیر خاں' پسران شمس خاں قوم پٹھان برنچ۔

لال خاں ولد اکبر خاں' فتح بی بی بیوہ شیر خاں قوم پٹھان برنچ۔ شیر خاں' غلام محمد خاں' رحمت خاں پسران فتح خاں۔

مولوی غلام رسول قلعہ مہان سنگھ گوجرانولہ کے دادا مولوی نظام الدین خادم تھے۔ خادم کی تصنیف بہار نامہ مکاتیب کا مجموعہ ہے جو ۱۸۶۳ میں لکھی گئی۔ اس میں دو خطوط عبدالحمید متوطن جنڈیالہ شیرخاں کے نام ہیں۔ اس عبدالحمید مکتوب الیہ کا حال معلوم نہیں ہوسکا۔

یہاں ایک پرائمری سکول تھا۔ جس کی ابتدا ۱۸۷۵ء میں ہوئی تھی۔ روزنامہ سراج الاخبار جہلم ۶ مارچ ۱۸۹۳ء کو اس مدرسہ سے متعلق ایک خبر دیتا ہے:

"اس مدرسہ کا سالانہ معائنہ ۱۶' ۱۷ فروری ۱۸۹۳ء کو ہوا۔ معائنہ کے وقت جماعت وار پگڑیوں کی علیحدہ علیحدہ سرخ سبز زرد گلابی اور پیازی ہونے سے مدرسہ گلزار کا نمونہ دکھائی دیتا تھا۔ بابو سوبھاسنگھ بی اے ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس ضلع امرتسر جو بالفعل ضلع ہذا کی ایک حصہ کے مدارس میں اسسٹنٹ انسپکٹر کے فرائض انجام دے رہے ہیں نتیجہ اپر پرائمری میں سے بارہ کے بارہ' لوئرپرائمری کے ۱۴ میں سے ۱۱ درجہ ابجد خوانوں کی جماعت ۱۵ میں سے

۱۲۔ ہیڈماسٹر مولوی محمد رمضان نے ترغیبی انعام کی فہرست سے رقم شرفا معززین باشندگان قصبہ کی طرف سے تقسیم کی۔ متعدد پگڑیاں کئی دوپٹے اور بہت سی کتابیں انعام میں دی گئیں۔ تمام جماعتوں میں انعام پانے والوں کی تعداد ۲۴ تھی محمد رمضان پونے تین سال سے رونق افروز ہیں۔ مڈل سکول نہیں ہے۔ تین صد روپیہ چندہ یکمشت ضلع میں داخل کرکے مڈل بنوالیں۔"

اس مدرسہ میں لڑکیاں بھی تعلیم حاصل کرتی تھیں۔ ۱۹۰۸ء میں یہاں ہوسٹل کی سہولت موجود تھی۔ اس سے اس بات کی بھی نشاندہی ہوتی ہے کہ اس دور میں یہ مڈل درجہ پر ترقی پاچکا تھا۔

۱۹۳۱ء میں تعداد اساتذہ ۱۲

لالہ بابو لعل صاحب ترہون ہیڈماسٹر ۹۴ روپے

ملک حسن خاں سیکنڈ ماسٹر	۸ ـ ۷۷ روپے
اجولک رام گوسائیں نائب مدرس	۸ ـ ۴۲ روپے
منشی غلام رسول خان	۴۰ روپے
پنڈت تلارام	۸ ـ ۳۲ روپے
منشی محمد اسماعیل	۸ ـ ۲۶ روپے
منشی سید محمد	۸ ـ ۳۷ روپے

پنڈت مل اور منشی کرپارام ۸ ـ ۳۸ روپے' لالہ ٹھاکر داس اور لالہ پورن چند ۸ ـ ۲۹ روپے منشی محمد اسد اللہ ۱۵ روپے' تاج دین چپڑاسی ۱۴ روپے اور رنگو خاکروب ۲ روپے۔ سکول کا ایک مدرس لائبریری کا کام بھی سنبھالتا تھا۔ اسے باقاعدہ ۱۵ روپے ماہوار لائبریری الاؤنس ملتا تھا۔ ۱۹۳۲ء میں غلام رسول خاں یہ خدمت انجام دیا کرتا تھا۔ ۱۹۲۹ء میں ہوسٹل کے سپرنٹنڈنٹ مولوی محمد علی تھے۔ ہوسٹل کے دوسرے ملازمین :

اجولک، رام گوسائیں دس روپے ماہوار

ہندو باورچی' گھسیٹارام' گلابارام' گجرو رام' بارہ روپے ماہوار' مسلمان باورچی' لال

دین' بارہ روپے۔

تاج دین ماشکی' رنگو خاکروب ۴ روپے' لال چند کمہار دس روپے ماہوار۔ ۱۹۳۴ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ کے تحت مڈل سکول تھا۔ تعداد طلباء پہلی ۷۷' دوسری ۳۱ تیسری ۳۰' چوتھی ۲۴' پانچویں ۳۵' چھٹی ۳۲' ساتویں ۳۳' آٹھویں ۲۲۔ ۱۹۳۹ء میں سکول کی انتظامیہ نے ایک ریڈیو سیٹ خریدا۔ ۳ مارچ کو "ریڈیو سیٹ چلایا گیا۔ جنڈیالہ شیر خاں کے کثیر تعداد مرداں اور بچگان نے اس عجیب چیز کو دیکھنے اور سننے کا شوق ظاہر کیا۔ پروگرام شروع کرنے سے پیشتر اطلاع عام دی جانے کی وجہ سے بچے بوڑھے تک اسے دیکھنے سننے آئے۔ شروع میں ساز سنایا گیا۔ پھر چند ایک گانے سننے کے بعد دیہاتی پروگرام سنایا گیا جنسوں کے بھاؤ سنے گئے دیہاتی پروگرام خاصا دلچسپ تھا۔"

اس روز ۵۰ بچوں اور ۹۰ مردوں نے یہ پروگرام سنا۔ نومبر ۱۹۳۹ء تک ریڈیو پروگرام باقاعدہ ایک رجسٹر میں تحریر کی صورت میں محفوظ ہیں۔

جون ۱۹۴۷ء میں اساتذہ : لالہ کیسر مل' دیس راج' خواجہ غلام رسول خاں' سید محمد' پنڈت دتامل' سیتارام' لالہ امرناتھ' لالہ پورن چند' مولوی حیات محمد' مولوی بشیر احمد خاں' شمیم حیدر' مہر دین۔

۲۲ ستمبر ۱۹۴۷ء کو موسم گرما کی تعطیلات کے بعد سکول کھلا تو ہندو اساتذہ حاضر نہ ہو سکے۔ وہ بھارت نقل مکانی کر گئے اس ماہ صوفی محمد شریف قائم مقام ہیڈ ماسٹر کا اضافہ ہوا۔

۱۴ اگست ۱۹۶۱ء یہ مڈل سکول ہائی درجہ کو پہنچ گیا۔ یکم اگست ۱۹۶۱ء کو سکول کے ہیڈ ماسٹر چوہدری عبدالغنی تھے آپ کے بعد ذکاء اللہ' رحمت علی' محمد صدیق' رحمت علی' میاں آفتاب احمد اور محمد نذیر ہوئے۔ بعد میں چوہدری محمد بشیر نعیم' شفقت محمود کھوکھر اور موجودہ ہیڈ ماسٹر چوہدری نذیر احمد۔

۱۹۸۲ء میں مسعود احمد پسر محمد یونس جنجوعہ لاہور بورڈ کے میٹرک کے امتحان میں ۷۴۸ نمبر حاصل کر کے اول آئے۔ محمد یونس جنجوعہ اسی سکول میں مدرس تھے بعد میں آپ گورنمنٹ کالج شیخوپورہ میں لیکچرار اسلامیات ہو گئے۔ بعد میں ایم اے او کالج لاہور تبدیل ہو گئے۔ ۱۹۸۷ء میں منظور احمد میٹرک کے امتحان میں سکول میں اول رہا۔ اس کے بعد ۱۹۸۸ء میں محمد شاہد' ۱۹۸۹ء میں اعجاز محمود' ۱۹۹۰ء میں محمد تیمور خاں اور ۱۹۹۱ء میں راشد محمود

احمد چیمہ' اس کے بعد عبدالرشید' احمد بلال' راشد سیف' جاوید اقبال' جنید احمد طارق' ۱۹۹۷ء میں عامر نثار علی اور ۱۹۹۸ء میں عرفان علی نے ۶۱۶ء نمبر حاصل کرکے سکول میں پوزیشن حاصل کی۔ عبدالرشید نے ۷۰۷ نمبر اور احمد بلال نے ۷۰۴ نمبر حاصل کئے تھے۔

یکم دسمبر ۱۹۸۵ء کو اس سکول کو ہائر سیکنڈری سکول کا درجہ ملا۔ یکم ستمبر ۱۹۸۷ء کو جب الگ انٹرمیڈیٹ کالج کھلا تو اس درسگاہ کو ہائی سکول ہی رہنے دیا گیا۔ ہائر سیکنڈری سکول کے پہلے پرنسپل خان رحمت اللہ خان اور ۵ مئی ۱۹۸۶ء سے چوہدری فیض رسول مہار ہوئے۔

گورنمنٹ وارث شاہ ڈگری کالج

انٹرمیڈیٹ کالج کی ابتدا تو ۱۹۸۷ء میں ہوچکی تھی۔ ۱۷ کینال اور ۲ مرلے قطعہ اراضی پر کالج کی عمارت تعمیر ہوئی۔ پرنسپل صاحب کے لئے ایک کوٹھی اور پانچ سنگل رہائش گاہ تعمیر کی گئیں۔ اپریل ۱۹۹۲ء میں محکمہ تعلیم نے اسے ڈگری کالج کا درجہ دے دیا۔ جاوید رضاخاں بطور پرنسپل تعینات ہوئے۔ اس وقت کالج میں ۲۳ اساتذہ تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ بی ایس سی سطح پر تعلیم دی جارہی ہے۔ طلبا کی تعداد:

	فرسٹ ایئر	سیکنڈ ایئر	کل	تھرڈ ایئر	فورتھ ایئر
۱۹۸۸ـ۸۹	۳۵۰	۱۹۸	۵۴۸	———	———
۱۹۸۹ـ۹۰	۴۲۲	۲۹۸	۷۲۰	———	———
۱۹۹۰ـ۹۱	۵۱۷	۲۷۲	۷۸۹	———	———
۱۹۹۱ـ۹۲	———	———	۱۰۲۰	۲۵۰	———
۱۹۹۳ـ۹۴	———	———	۱۱۱۷	———	۵۰۰
۱۹۹۴ـ۹۵	———	———	۱۲۴۲	———	۵۵۵
۱۹۹۸ـ۹۹	———	———	۳۳۲	———	۷۵

کالج کا ماحول بالکل دیہاتی ہے۔ لیکن اعلیٰ ڈگری یافتہ اساتذہ اس درسگاہ سے منسلک ہیں۔ شعبہ فزکس میں پروفیسر ڈاکٹر عظمت سعید ہیں۔ آپ کے والد شیخ محمد سعید پسر شیخ غلام رسول امرتسر کے مہاجر ہیں۔ ڈاکٹر صاحب ۱۷ جولائی ۱۹۴۸ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۶۹ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی ایس سی آنرز کیا۔ اسی کالج سے ۱۹۷۰ء میں فزکس میں ایم

ایس سی کی سند حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان چلے گئے۔ ۱۹۸۴ء میں بروئل یونیورسٹی سے ایم ایس سی فزکس' ۱۹۹۰ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے فزکس میں ڈاکٹریٹ کی سند فضیلت حاصل کی۔ محکمہ تعلیم میں آپ ۵ دسمبر ۱۹۷۲ء کو شامل ہو چکے تھے لیکن وارث شاہ کالج میں آپ اکتوبر ۱۹۹۷ء میں تعینات ہوئے۔ آپ ہی کی وجہ سے ۱۹۹۸ء میں یہاں کا طالب علم امان اللہ بی ایس سی میں ۴۶۴ نمبر لے کر کالج میں اول آیا۔ ۱۹۹۵ء میں انٹر کے امتحان میں علی منظور خاں ۶۱۷ نمبر لے کر کالج میں اول رہا۔

شعبہ اردو میں محمد ثناء اللہ ولد میاں غوث اکتوبر ۱۹۸۷ء سے تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ۹۹ - ۱۹۹۳ء صدر شعبہ رہے۔ حافظ محمد نعیم خاں کے علاوہ ایک تیسرے اسسٹنٹ پروفیسر اردو محمد ایوب ندیم مئی ۱۹۹۹ء میں تعینات ہوئے ہیں۔ کالج کے لائبریرین محمد عثمان ولد فرزند علی شرقپور کے رہنے والے ہیں۔ آپ ۱۹۹۷ء کے مقابلہ کے امتحان میں سی ایس ایس میں کامیاب ہوئے ہیں۔ تقرر نامہ کے منتظر ہیں۔ شیخوپورہ شہر کے آغا محمد اصغر اعزازی سپورٹس آفیسر کی حیثیت سے کالج سے ۹۹ - ۱۹۹۷ء تک منسلک رہے ہیں۔ آپ نے وارث شاہ کے سالانہ عرس کے موقعہ پر فضول قسم کی تفریحات کو ختم کر کے معیاری کھیلوں کو عرس کی تقریبات کا ایک حصہ بنایا۔

جاوید رضا خاں پرنسپل دوسری بار یہاں تعینات ہوئے ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد کا پیشہ ترکی گھوڑوں کی تجارت تھا۔ غزنی سے نقل مکانی کر کے شاہ جہاں کے دور میں ہندوستان میں آئے۔ آپ کے والد خان عطا محمد خان ولد خان سردار خاں قیام پاکستان کے بعد شیخوپورہ میں اسسٹنٹ کمشنر کے عہدہ پر فائز تھے۔ عطا محمد ایف سی کالج لاہور میں فرسٹ ایئر کے طالب علم تھے کہ جنگ عظیم اول چھڑ گئی۔ اس جنگ میں بطور طالب علم' آپ نے خدمات انجام دیں۔ صلے میں حکومت نے آپ کو نائب تحصیلدار بھرتی کر لیا۔ قیام پاکستان کے بعد اس گھرانے نے مانانوالہ میں مستقل رہائش اختیار کی۔ جاوید رضا یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو ہوشیارپور میں پیدا ہوئے۔ دیال سنگھ کالج لاہور سے ۱۹۵۹ء میں بی اے اور پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۶۱ء میں ایم اے تاریخ کیا۔ اسی سال دیال سنگھ کالج میں لیکچرار تاریخ مقرر ہوئے۔ میونسپل کالج شاہ کوٹ میں ۱۹۶۳ء میں پھر بطور پرنسپل ۶۹ - ۱۹۶۷ء اور ۸۷ - ۱۹۸۵ء خدمات انجام دیں۔ آپ کے چھوٹے بھائی کمشنر انکم ٹیکس ہیں۔ کالج میگزین کالج گزٹ کے نام سے سہ ماہی چھپتا

رہتا ہے۔

گورنمنٹ وارث شاہ انٹر گرلز کالج

گرلز کالج کی ابتدا ۲۷ اگست ۱۹۸۶ء کو ہوئی۔ ایک پرنسپل' دو اسسٹنٹ پروفیسر اور دس لیکچراروں کی منظوری سے آغاز ہوا۔ جنڈیالہ شیر خاں کے گرلز ہائی سکول میں کالج کی کلاسیں شروع ہوئی تھیں۔ بعد میں پبلک لائبریری کی عمارت میں کالج منتقل ہوگیا۔ شروع شروع میں قائم مقام پرنسپل کی حیثیت سے مسز نسیم فردوس تاج نے ۲ فروری ۱۹۹۰ء تک خدمات انجام دیں۔ آپ کے بعد مسز نسیم خانم بطور پرنسپل آئیں۔ ۸ اپریل ۱۹۹۰ء کو آپ نے چارج لیا۔ آپ کے بعد ریحانہ یاسین نے بطور انچارج ۱۴ جنوری ۱۹۹۳ء تک خدمات انجام دیں۔ بشریٰ منظور ۲۶ جولائی ۱۹۹۷ء تک عفیفہ بشیر انچارج ۱۱ مارچ ۱۹۹۸ء تک سلمیٰ فضل ۲۸ جنوری ۱۹۹۹ء تک۔

کالج میں طالبات کا داخلہ گاؤں کے رہنے والے پروفیسر محمد یونس جنجوعہ نے کیا تھا۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۸۶ء کو پہلے روز ۱۰ لڑکیاں فرسٹ ایئر میں داخل ہوئیں۔ تعداد طالبات فرسٹ ایئر ۸۸_۱۹۸۷ء : ۲۱' ۸۹ _ ۱۹۸۸ : ۳۰' ۹۰ _ ۱۹۸۹ : ۱۹ اور ۹۱ _ ۱۹۹۰ : ۱۳۶۔ اس سال سیکنڈ ایئر میں صرف ۷ طالبات ہیں۔

۱۹۹۲ء میں وارث شاہ کے نام سے منسوب ہوا۔ نئی عمارت میں کالج فروری ۱۹۹۳ء میں منتقل ہوا۔ موجودہ پرنسپل زیب النساء ۲۸ جنوری ۱۹۹۹ء سے خدمات انجام دے رہی ہیں۔

گزشتہ برس ۲۲ طالبات نے لاہور بورڈ میں انٹرمیڈیٹ کا امتحان دیا تھا۔ نتیجہ ۶۰ فیصد رہا۔ ۱۹۹۷ء میں اسی کالج کی دو طالبات آمنہ نقوی اور میمونہ اکبر نے پری میڈیکل میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ کالج میں خواتین پروفیسرز کی تعداد ۱۲ ہے۔ شعبہ اردو کی لیکچرار مسز فریال ظفر نے میری نگرانی میں اقبالیات میں ایم فل ڈگری کے لئے تحقیقی کام کیا ہے۔

پروفیسر رفیع اللہ خان جنڈیالہ شیر خاں کے رہنے والے ہیں آپ نے درس و تدریس کا بڑا حصہ سرگودھا میں گزارا۔ آپ کے صاحبزادے شاہد رفیع لاہور کے کمشنر تھے۔

۲۔ جھبر

تقریباً اڑھائی سو سال پیشتر یہ گاؤں مسمی چنو ورک ایک زمیندار نے آباد کیا اور اپنے دادا کے نام پر اس کا نام جھبر رکھا۔ مغل سلطنت کے زوال کے دور میں یہ گاؤں گنڈا سنگھ بھنگی کے قبضہ میں آگیا۔ اس نے یہاں ایک قلعہ تعمیر کیا۔

کہا جاتا ہے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی رانی نکائین جھبراں کی رہنے والی تھی۔ یہ رانی کی جاگیر میں تھا۔ گاؤں کے جنوب مغرب میں ایک اونچا سا ٹیلا ہے۔ جہاں رانی نکائین کا محل (حویلی) تھا۔ یہ محل ایک قلعہ کی شکل میں تھا۔ اب تو اس کا وجود ختم ہوچکا ہے۔ درختوں اور جھاڑیوں کے جھنڈ ہیں۔ ٹبہ ہونے کی وجہ سے یہاں اب قبرستان بن گیا ہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ اپنی رانی کو ملنے کے لئے کئی بار یہاں آیا تھا۔ ۱۷ مارچ ۱۸۳۶ء کو مہاراجہ یہاں آیا اور رانی نکائین نے پانچ ہزار روپے نقد ضیافت کے لئے مہاراجہ کی خدمت میں پیش کئے تھے۔

جھبراں گاؤں میں اب بھی چھوٹی اینٹ کے چند گھر موجود ہیں۔ اینٹ کا سائز ۲۰ x ۱۴ سم اور موٹائی ساڑھے تین سم ہے۔ یہ گھر دو منزلہ ہیں۔ بخارچہ بھی موجود ہے۔ ایک قدیم بڑا کنواں ہے' جس کی کرسی بلند ہے۔ گاؤں میں قلعہ نما حویلی کے آثار موجود ہیں۔ حویلی کا ایک بڑا دروازہ اب بھی موجود ہے اس کی بلندی ساڑھے آٹھ فٹ چوڑائی ساڑھے دس فٹ اور دروازوں کے لکڑی کے تختوں کی موٹائی سوا تین انچ ہے۔ گاؤں کی آبادی زیادہ تر سکھوں پر مشتمل تھی۔ جنوری ۱۹۴۳ء میں سردار تپال سنگھ یہاں کا زیلدار تھا' اس کی بیٹھک اب بھی گاؤں میں موجود ہے۔

گاؤں میں لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے گورنمنٹ کے ہائی سکول موجود ہیں۔ نیشنل بینک کی برانچ بھی ہے۔

۳۔ خانقاہ ڈوگراں

یہاں ایک بزرگ نعمت اللہ شاہ بلقب حاجی دیوان سہروردی آسودہ خاک ہیں اس لئے اس قصبہ کو شہرت حاصل ہے۔

یکم اکتوبر ۱۸۹۳ء کو اسے تحصیل کا درجہ ملا۔ لالہ پنڈی داس اس کے پہلے تحصیل دار تعینات ہوئے۔ ضلع گوجرانوالہ کی یہ تحصیل تھی۔ ۱۹۲۰ء میں جب شیخوپورہ ضلع بنا تو خانقاہ ڈوگراں تحصیل ختم کردی۔ حافظ آباد کی منصفی کا ایک پرگنہ خاص پنڈی بھٹیاں بھی تحصیل خانقاہ ڈوگراں میں شامل کردیا تھا۔

سراج الاخبار جہلم کی ۷ فروری ۱۸۸۷ء کی ایک خبر ملاحظہ ہو:

"خانقاہ ڈوگراں میں چارپائی پر کوئی آدمی نہیں سوتا۔ سب بوری بچھاکر گزارہ کرتے ہیں۔ عام مجہول اولڈ فیشن کہتے ہیں کہ پیر صاحب کی ممانعت ہے۔"

تحصیل قائم ہونے سے یہاں کی آبادی کو بھی جدید خطوط پر تعمیر کردہ عمارات میں آباد ہونے کا بندوبست کیا گیا۔ سراج الاخبار جہلم اپنی اشاعت ۲۲ جولائی ۱۸۹۵ء میں ایک خبر دیتا ہے۔

"خانقاہ ڈوگراں کے قریب جو شہر جدید بنوایا گیا ہے اس کا نقشہ خود ہمارے دیانت دار مجسم بیدار مغز لالہ پنڈی داس صاحب تحصیل دار نے تیار کیا تھا۔ جس سے یہ شہر نہایت ہی عمدہ تیار ہوا ہے"۔

چند سالوں کی یہاں کی مردم شماری ملاحظہ ہو:

۱۹۴۱ء	ہندو ۱۰۳۲' مسلم ۱۲۵۵' جین ۱۹۵' دیگرمذاہب ۲۸۱	= کل ۲۹۱۰
۱۹۵۰ء	مرد ۳۴۰۳' عورتیں ۳۰۱۹'	= کل ۶۲۲۲
۱۹۶۱ء	مرد ۳۰۱۵' عورتیں ۳۵۷۱	= کل ۵۵۸۵
۱۹۷۲ء	مرد ۵۱۳۶' عورتیں ۴۶۵۵	= کل ۹۷۹۱
۱۹۸۱ء	مرد ۷۹۳۵' عورتیں ۷۱۸۱' مکانات ۲۴۶۸	= کل ۱۵۱۱۶
۱۹۹۱ء	کل وارڈ ۱۲	= کل ۱۹۰۲۹

۱۸۹۳ء میں جب خانقاہ ڈوگراں کو تحصیل کا درجہ ملا تو اسے نوٹیفائڈ ایریا کمیٹی قرار

دے دیا۔ اکتوبر ۱۹۲۷ء میں کمیٹی کے اراکین یہ تھے۔ لالہ دیوی دیال' لالہ ہردیال' لالہ ایشورداس' مرزا حسن بیگ اور میاں منظور حسین' اتفاق سے میاں منظور حسین کو صدر منتخب کرلیا۔

خانقہ ڈوگراں کی بلدیہ کی چند سالوں کی آمدنی و اخراجات:

	آمدنی	اخراجات
۱۹۱۲	۵۴۴	۱۵۴ روپے
۱۹۲۷	۵۴۷ اگست میں	۴۳۵ روپے اگست میں
۹۰ ـ ۱۹۸۹ء	۱۷۱۱۱۴۹ روپے	۱۹۹۶۸۲۹ روپے
۹۱ ـ ۱۹۹۰ء	۱۷۴۸۹۱۴ روپے	۱۸۱۹۷۴۱ روپے

۱۹۹۱ء میں بلدیہ کے ملازمین کی تعداد ۸۴ تھی۔ یہاں کی کثیر آبادی ڈوگروں پر مشتمل ہے۔ ۱۹۵۰ء میں کمیٹی کے چیئرمین میاں علی حسین ڈوگر تھے۔ آپ کے بعد میاں محمد امین شاہ ڈوگر چیئرمین ہوئے۔ یکم جنوری ۱۹۶۰ء سے ۱۹۸۷ء تک۔ اس میں ۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۹ء تک ایڈمنسٹریٹر حکومت کی طرف سے نامزد ہوتے رہے۔ ۹۱ ـ ۱۹۸۷ء میں یہاں مشتاق حسین ڈوگر چیئرمین تھے۔

یہاں کا ہائی سکول ۱۹۰۶ء میں مڈل درجہ تک تھا۔ ۱۹۳۴ء میں یہ ہائی ہوا تھا لڑکیوں کے لئے بھی گورنمنٹ کا ایک ہائی سکول موجود ہے۔

خانقاہ ڈوگراں کتنا خوش نصیب قصبہ ہے کہ اس کے قریبی گاؤں رحمان آباد میں جماعت اسلامی سے وابسطہ مولانا امین اصلاحی نے تدبرالقرآن تصنیف کی۔ مولانا قیام پاکستان کے بعد رحمان آباد ہی میں آباد ہوئے تھے یہیں آپ کی اراضی تھی۔

۴۔ سانگلہ ہل

ضلع شیخوپورہ کا ایک اہم اور قدیم ترین تاریخی قصبہ جو اپنے ضلعی ہیڈکوارٹر سے بھی قدیم ترین ہے۔ ۸۴ - ۱۸۸۳ء میں یہ ضلع جھنگ میں شامل تھا۔ بعد میں یہ ضلع گوجرانوالہ کا حصہ بنا۔ شیخوپورہ ضلع بننے پر ۱۹۲۰ء میں یہ شیخوپورہ میں شامل ہوگیا۔ سانگلہ ہل کی قدیم تاریخ کتاب کے عہد قدیم میں بیان کردی ہے۔ پرانا سانگلہ ہل کی آبادی ریلوے سٹیشن کے مغرب میں آباد ہے۔

جدید سانگلہ ہل ۱۸۹۶ء میں تعمیر ہوا۔ اس وقت اس کی آبادی ۱۶۸۹ء نفوس پر مشتمل تھی۔ ۱۹۵۴ء میں اس کی آبادی ۳۵۰۰ ہوگئی۔ لائل پور کے قیام کے سلسلہ میں جہلم کا سراج الاخبار مورخہ ۱۸ اپریل ۱۸۹۸ء کو ایک خبر دیتا ہے۔

> "جناب لائل صاحب بہادر سابق لیفٹیننٹ گورنر پنجاب اپنے نام نامی آباد کردہ شہر لائل پور کو دیکھنے کے واسطے اس ہفتہ ولایت سے تشریف لائے اور ۴۵ منٹ تک مقام سانگلہ میں جو آبادی جدید کا مرکز اور ہیڈکوارٹر ہے ٹھہرے۔ آٹھ بجے سپیشل گاڑی سے پہنچے تو ایک سو ایک گولہ کی سلامی ہوئی پھر وہ لائل پور گئے جہاں لالہ پنڈی داس تحصیل دار نے سانگلہ ہل سے بھی بڑھ کر انتظام مدارت کیا ہوا تھا۔"

ریل گاڑی کے سلسلہ میں وضاحت کردوں کہ شاہدرہ سے سانگلہ ہل تک ۱۰ اپریل ۱۹۰۷ء کو اور سانگلہ ہل سے لائل پور کو ۱۵ فروری ۱۸۹۶ء کو ریل گاڑی چلنی شروع ہوئی تھی۔

موجودہ صدی کے ابتدائی سالوں میں یہاں ایک غلہ منڈی تھی۔ ڈسٹرکٹ بورڈ گوجرانوالہ کی جانب سے مسافروں کے ٹھہرنے کے لئے دو کمروں پر مشتمل ایک سرائے تھی۔ ضلعی ریسٹ ہاؤس بھی تھا۔ تارگھر کی سہولت بھی موجود تھی۔ جدید سانگلہ ہل کے قیام کے ساتھ ہی یہاں ٹاؤن کمیٹی قائم ہوگئی تھی۔ ۰۲ - ۱۹۰۱ء میں کمیٹی کی آمدنی ۳۷۸۵ روپے اخراجات ۱۶۰۱ء روپے۔ اگلے سال میں آمدنی ۲۲۷۰۷ روپے اور اخراجات ۴۰۲۸ روپے ہوگئے۔ موجودہ دور میں ۱۹۹۰ء اور ۱۹۹۱ء میں آمدنی ۵۳۵۸۰۰۰ روپے اور اخراجات

۱۳۹۰۰۰۰ روپے ہے۔ ۱۹۸۱ء میں آبادی ۳۳۳۱۹ تھی۔ وارڈ ۱۵ تھے۔ ۱۹۷۲ء میں آبادی
۲۰۰۰۷ تھی اور وارڈ ۱۳ تھے۔ یہ شہر قالین بانی کے لئے بڑی شہرت رکھتا ہے ۵۵۔ ۱۹۵۴ء
میں مہاجرین بابا جھنڈا' بابا غلام محمد اور جان محمد نے اس گھریلو صنعت کا آغاز کیا۔ فوجی
شوگر ملز' تنویر وولن ملز' شاور وولن ملز اور شاہ دین لمیٹڈ یہاں کے باسیوں کو روزگار کی
سہولتیں فراہم کر رہی ہیں۔ شہر میں مختلف علمی و ادبی' سیاسی اور رفاحی تنظیمیں ہیں سب
سے زیادہ قابل ذکر تنظیم انجمن تعمیر ملت ہے جس نے اسلامیہ کالج سانگلہ ہل کو قائم کیا
جو آج اس علاقہ کی ایک بڑی درسگاہ ہے۔

قیام پاکستان سے قبل یہاں غیر مسلم تنظیموں نے تعلیمی ادارے قائم کئے تھے۔ خالصہ
ہائی سکول اور سناتن دھرم ہائی سکول موجود تھے۔ ۱۹۱۹ء میں ایک زمیندار چوہدری اللہ دتہ نے
سکول کے لئے ایک قطعہ اراضی دیا۔ زمیندارہ اسلامیہ سکول قائم ہوا۔ ڈسٹرکٹ بورڈ
شیخوپورہ نے زمیندارہ سکول اور سناتن دھرم سکول کو ۱۹۲۸ء میں اپنی تحویل میں لے کر ایک
سکول میں مدغم کردیا۔ ۱۹۳۱ء میں یہ نیا سکول ہائی درجہ تک پہنچ گیا۔ سکول کے پہلے ہیڈ ماسٹر
محمد اقبال تھے۔ سانگلہ ہل کا گورنمنٹ ہائی سکول نمبر ا ۱۹۱۰ء میں ہائی سکول تھا۔

اگست ۱۹۶۶ء میں چوہدری فقیر محمد خالد اور محمد عارف رضا نے اپنے دوسرے ساتھیوں
سے مل کر اسلامیہ کالج سانگلہ ہل کا آغاز کیا۔ پہلے پرنسپل پروفیسر خواجہ احمد دین تھے۔
ایک سال تک آپ نے بطور پرنسپل خدمات انجام دیں۔ آپ کے بعد ۱۸ جنوری ۱۹۸۶ء
تک خواجہ خورشید احمد پرنسپل رہے۔ آپ کے دور میں یکم ستمبر ۱۹۸۵ء کو یہاں ڈگری
کلاسوں کا اجرا ہوا۔ میگزین لب جو پہلی بار جولائی ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔ پروفیسر صدیق علی
مرزا نے اپنے دور میں ۲۱ برس کے بعد لب جو کا دوبارہ اجرا کیا اور اپریل ۱۹۹۳ء میں اس کا
سانگلہ ہل نمبر نکال کر یہاں کی تاریخ کو محفوظ کردیا ہے۔ موجودہ پرنسپل سید خورشید
حسین بخاری نے ۹۹۲ صفحات پر مشتمل اس کا پاکستان گولڈن جوبلی نکال کر ہماری پچاس سالہ
تاریخ کو محفوظ کردیا ہے۔ خواتین کے لئے گورنمنٹ ڈگری کالج یکم ستمبر ۱۹۸۳ء کو قائم ہوا۔
پہلی پرنسپل مسز فرخندہ شفیق تھیں۔ ابتدا میں یہ انٹر تک تھا۔ یکم ستمبر ۱۹۸۷ء سے اسے
ڈگری کالج کا درجہ ملا۔

سانگلہ ہل کے گردوپیش اور قرب و جوار میں متعدد پتھریلی پہاڑیاں ہوا کرتی تھیں۔

انگریزی عہد میں شمالی بار کو جب چکوک میں تقسیم کیا گیا تو سانگلہ ہل کو جدید بنیادوں پر تعمیر کرتے وقت اس کا اظہار کیا گیا کہ شاہ کوٹ اور سانگلہ ہل کی پہاڑیوں سے سڑکوں کے لئے پتھر لیا جائے گا۔ یہاں کا پتھر ریلوے لائنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اب شہر کے مشرق میں ایک چھوٹی سی پہاڑی رہ گئی ہے۔ گورنر غلام جیلانی نے اسے محکمہ آثار قدیمہ کے سپرد کردیا ہے۔ ۲۱۵ فٹ بلند پہاڑی سانگلہ کی پہچان ہے۔

سید محمود الحسن فریدی' صاحبزادہ

۱۹۱۸ء میں آپ موضع انہڑ تحصیل پسرور میں سید مسعود کے گھر پیدا ہوئے۔ سید محمد مسعود اپنے زمانے کے ایک عالم اور باعمل فرشتہ سیرت انسان تھے۔ ابتدائی دینی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ میٹرک تک ہائی سکول میں پڑھا۔ قیام پاکستان سے قبل سید محمودالحسن فریدی کے والد انہڑ سے ترک مکانی کرکے سانگلہ ہل آگئے۔ یہاں آپ نے جامع مسجد میں دو سال تک خطابت کی۔ خانیوال اور وہاڑی کی جامع مسجد بھی آپ نے تعمیر کیں۔ سیاسی زندگی کی ابتدا سید عطا اللہ شاہ بخاری کی صحبت کی وجہ سے ہوئی۔ کشمیر کمیٹی کے صدر مرزا بشیرالدین محمود قادیانی کی آپ نے مخالفت کی۔ کشمیر کمیٹی کی کانفرنس کو ناکام بنادیا۔ گرفتار ہوئے ایک سال کی سزا ہوئی جو ہائی کورٹ میں اپیل کرنے پر ختم ہوگئی۔ اس واقعہ کے بعد آپ مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔ تحریک پاکستان کے سلسلہ میں فیصل آباد میں مسلم لیگ کا جو پہلا جلسہ ہوا وہ آپ ہی کی صدارت میں ہوا تھا۔ ۱۹۴۴ء میں آل انڈیا مسلم فیڈریشن کا اجلاس اسلامیہ کالج لاہور میں ہوا تو آپ اس موقعہ پر دو روز تک نواب ممدوٹ کی کوٹھی میں قائداعظم کی خدمت میں موجود رہے۔ وہیں آپ قائداعظم سے متعارف ہوئے تھے۔

صائمہ حسن

سانگلہ ہل کے نواحی گاؤں بھلیر چک نمبر ۱۱۹ کی رہنے والی ہیں۔ تعلیم ایم ایس سی' زرعی ترقیاتی بینک سانگلہ ہل میں فیلڈ آفیسر کی حیثیت سے ملازم ہیں۔ انگریزی کی شاعرہ ہیں۔ امریکہ کی انٹرنیشنل سوسائٹی آف پوئٹس نے آپ کو سال ۱۹۹۵ء کی شاعرہ قرار دیا ہے۔ سوسائٹی نے دنیا بھر سے موصول ہونے والی

ہزاروں نظموں میں پانچ بہترین نظموں کا انتخاب کیا۔ ان پانچ منتخب نظموں میں صائمہ حسن کی نظم کو اول قرار دے کر پانچ ہزار ڈالر کے ایوارڈ کا مستحق قرار دیا۔(نوائے وقت لاہور ۷ مئی ۱۹۹۵ء)

رانا عبدالحمید

مجھ ناچیز کے ساتھ والٹن ٹریننگ سکول میں ۵۹ - ۱۹۵۸ء میں اسسٹنٹ سٹیشن ماسٹر کی تربیت حاصل کی۔ تربیت کی تکمیل کے بعد لاہور ڈویژن میں تعیناتی ہوئی۔ ۶۰ برس کی عمر پر ۱۴ جون ۱۹۹۸ء کو ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔ آخری دنوں میں فیصل آباد میں ٹریفک انسپکٹر تھے۔ عزیز دوستوں میں سے ہیں۔ عبدالحمید کے والد چوہدری اللہ دتہ ولد عیسیٰ خاں ضلع گورداسپور کے مہاجر تھے۔ رانا راجپوت گھرانہ سے تعلق ہے۔ عبدالحمید نے ۱۹۵۸ء میں فیصل آباد سے میٹرک کیا تھا۔ آپ کے چھوٹے بھائی رانا عبدالجید بلدیہ سانگلہ ہل کے مسلسل کونسلر منتخب ہو رہے ہیں۔

۵۔ سیدوالا

ایک مشہور قصبہ ہے جو پہلے ۱۸۵۲ء میں خود پرگنہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ ان دنوں ضلع گوگیرہ تھا۔ ۱۸۶۴ء میں گوگیرہ کی بجائے جب ساہی وال نام دیا گیا تو سیدوالا کی تحصیل ختم کردی اور اسے تحصیل ساہیوال میں شامل کردیا۔ یکم اپریل ۱۹۱۳ء کو اسے ضلع لائل پور میں شامل کردیا۔ یکم اکتوبر ۱۹۱۳ء کو جڑانوالہ تحصیل بنی تو سیدوالا کو جڑانوالہ تحصیل میں شامل کردیا۔ ۳۱ مارچ ۱۹۲۲ء تک یہ انتظام رہا یکم اپریل ۱۹۲۳ء کو اسے ضلع شیخوپورہ کا حصہ قرار دے دیا۔ میونسپل کمیٹی ایک صدی سے زیادہ قدیم ہے۔ ۷۵ - ۱۸۷۴ء میں میونسپل کمیٹی کی آمدنی ۸۸۴ روپے تھی۔ ۷۶ - ۱۸۷۵ میں ۱۱۶۴ روپے اور ۸۲ - ۱۸۸۱ میں ۱۶۴۶ روپے تھی۔

یہ قصبہ کئی بار دریا برد ہوا۔ ۱۸۰۴ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس پر قبضہ کیا تھا۔ قیام پاکستان سے قبل اوتار سنگھ ولد پیارا لال قوم اروڑہ اور گراں دتہ ولد نانک قوم برہمن نصف سیدوالا کے نمبردار تھے۔ باقی نصف جس میں مسلمان بستے تھے کا نمبردار بھی ہندو پیارا لال تھا۔ قصبہ کے جنوب مشرق میں سکھ سردار کی حویلیاں تھیں۔

۱۹۵۸ء میں نئی بنیادوں پر اس قصبہ کو نئے سرے سے تعمیر کیا گیا۔ ضلع شیخوپورہ کے ڈپٹی کمشنر اظہار الحق کے دور میں یہ تعمیر ہوا تھا۔ ۶۴ ایکڑ رقبہ پر چار حصوں میں تقسیم کرکے شرقاً غرباً اور شمالاً جنوباً ۵۵ فٹ چوڑے بازار تعمیر کئے گئے۔ یہاں حقہ سازی کی صنعت عروج پر ہے۔ قالین بافی اور دستی کھڈیوں سے بھی کھیس وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔

یہ کہنا کہ اسے شیر شاہ سوری نے آباد کیا تھا بے پر کی اڑانے کے مترادف ہے۔ گزشتہ صدی کے ربع آخر میں یہاں تعلیم کے لئے سکول موجود تھا۔ ۱۸۹۸ء میں ہوسٹل کے لئے دو کمرے تعمیر کئے تھے۔ ۵ - ۱۹۰۴ء میں نارمل سکول کی سہولت بھی موجود تھی۔ ۱۹۵۰ء میں ہائی درجہ تک ہوا۔ ۱۸۸۴ء میں علاج و معالجہ کی سہولتیں بھی لوگوں کو مہیا تھیں۔ ڈسپنسری میں ۱۰ بستروں کا انتظام بھی تھا۔

بابا الف شاہ بخاری کا مزار پرانا سیدوالا کے قبرستان میں ایک ٹیلہ پر ہے۔ آپ کا تعلق سکھ دور سے ہے ۲۹، ۳۰ ہاڑ کو سالانہ عرس ہوتا ہے۔

آبادی ۱۸۶۸ء میں ۲۸۵۴، ۱۸۸۱ء میں ۳۳۸۹۔

۶۔ شاہ کوٹ

شیخوپورہ سے فیصل آباد جاتے ہوئے ۵۴ کلومیٹر دور یہ مشہور قصبہ واقع ہے۔ بڑا قدیم قصبہ ہے۔ یہاں سے پانچویں صدی عیسوی کے سکوں کا ایک بھرا ہوا برتن ملا۔ ۱۹۰۱ء میں جھنگ کے ڈپٹی کمشنر کیپٹن بک کو ایک ایسا برتن ہاتھ لگا تھا جس کی ساخت یونانی تھی۔ قدیم نام تیرتھ گڑھ ہے۔ نولکھ ہزاروی کی آمد کی وجہ سے اسے شاہ کوٹ کا نام ملا۔ مغل دور میں یہاں ایک بڑا مضبوط قلعہ تھا۔ اس کے تین اطراف میں پہاڑی سلسلہ تھا۔ مغل بادشاہ ہمایوں (۱۵۵۶ ۔ ۱۵۳۰)۔ کے دور میں ایک بخاری سید نے یہاں رہائش رکھی۔ تبلیغ اسلام میں ساری عمر گزار دی اور یہیں وفات پائی۔ بعد رحلت کے اس نے شاہ کوٹ کا نام پایا۔ نولکھ ہزاروی لقب کا علم نہیں ہوسکا۔ آپ کے چار مرید تھے۔ دو بھٹی' ایک کھوکھر اور ایک تور۔ یہی چار مرید آپ کے مزار کے مجاور قرار پائے۔ ۱۹۳۴ء میں مجاوروں کو ۵۶۰۰۰ روپے سالانہ آمدنی ہوئی تھی۔

آپ کے صحیح نام کا علم تو نہیں ہوسکا ابوالخیر المعروف نولکھ ہزاروی کہلاتے ہیں۔ مزار کی جدید عمارت کی تعمیر ۱۹۰۰ء میں شروع ہوئی اور سات برس میں مکمل ہوئی۔ مسٹر ینگ کمشنر بندوبست کی ہدایت پر سرکاری وسائل سے مزار کی تعمیر کے تمام مصارف ادا ہوئے۔ مزار کی مجاوری بھٹی' وٹو' تور اور کھوکھر اقوام میں رہی ہے۔ محکمہ اوقاف کے تحت ۲۳ مارچ کو ہر سال عرس ہوتا ہے۔ تین چار روز یہ عرس رہتا ہے۔

موجودہ شاہ کوٹ ۱۸۹۵ء میں تعمیر ہوا تھا۔ ضلعی ریسٹ ہاؤس بھی تعمیر ہوا۔ موجودہ صدی کی ابتدا میں شاہ کوٹ ۳۴۴۶ نفوس پر مشتمل تھا۔ ۱۹۷۲ء میں آبادی ۱۷۶۶۳ تھی۔ ۱۹۸۱ء میں ۲۴۰۴۳ جس میں ۱۳۷۱۵ مرد اور ۱۹۳۲۸ خواتین تھیں۔ حکومت پنجاب نے ایک حکم کے ذریعہ ۱۷ اپریل ۱۹۵۲ء کو اسے ایک ویلج پنچایت قرار دیا۔ پنچایت کے سربراہ سید ریاض حسن گیلانی تھے۔ اس پنچایت میں یہ چکوک شامل تھے۔ RB۸۴ 'RB۸۸ ۔ RB۲۹۹ ۔ ۱۹ نومبر ۱۹۵۹ء کو حکومت مغربی پاکستان نے اسے ٹاؤن کمیٹی کا درجہ دے دیا۔ بلدیہ کی عمارت کا افتتاح ۱۴ اگست ۱۹۸۸ء کو ہوا۔ اس وقت بلدیہ میں ۱۵ وارڈ ہیں۔

۹۴ ـ ۱۹۹۳ء میں بلدیہ کی آمدنی ۱۳۲۴۰۰۰۰ روپے اور اخراجات ۱۲۲۰۰۰۰۰ روپے تھے۔

شعبہ تعلیم میں یہ قصبہ سرفہرست ہے۔

گورنمنٹ ہائی سکول نمبرا

یہ سکول شہر میں ہے۔ ۱۸۹۰ء میں بطور مڈل سکول کھلا۔ اس وقت طلباء کی تعداد چودہ سو کے لگ بھگ ہے۔ اساتذہ ۴۱ ہیں۔ سکول کے نتائج ہمیشہ اچھے رہے ہیں۔ ۱۹۸۸ء میں مڈل کے ایک لڑکے نے وظیفہ حاصل کیا اور میٹرک کے سات طلبہ نے وظائف حاصل کئے۔ ۱۹۹۱ء میں مڈل کے سولہ اور میٹرک کے بیس طلباء وظائف کے حقدار قرار پائے تھے۔ سکول کا کتب خانہ تقریباً دو ہزار کتب پر مشتمل ہے۔ یہاں کے ہیڈ ماسٹر صاحبان :

۱ ـ شیخ احمد دین سہگل	۱۹۴۶ـ۵ـ۱	۱۹۴۹ـ۱۱ـ۲۰
۲ ـ چوہدری لال دین	۱۹۴۹ـ۱۱ـ۲۱	۱۹۵۴ـ۷ـ۲۲
۳ ـ چوہدری عبدالحمید	۱۹۵۴ـ۷ـ۲۳	۱۹۶۸ـ۱ـ۱۴
۴ ـ چوہدری عبدالستار	۱۹۶۸ـ۱ـ۱۵	۱۹۷۵ـ۶ـ۲۶
۵ ـ چوہدری محمد شفیع	۱۹۷۵ـ۶ـ۲۷	۱۹۷۵ـ۷ـ۳
۶ ـ میاں محمد رفیق	۱۹۷۵ـ۷ـ۴	۱۹۷۵ـ۸ـ۱
۷ ـ چوہدری محمد شفیق	۱۹۷۵ـ۸ـ۲	۱۹۸۵ـ۵ـ۴
۸ ـ چوہدری ذوالفقار علی	۱۹۸۵ـ۸ـ۶	۱۹۹۱ـ۸ـ۱۲
۹ ـ خوشی محمد شاکر	۱۹۹۱ـ۹ـ۱۶	۱۹۹۳ـ۶ـ۱۵
۱۰ ـ ذوالفقار علی	۱۹۹۳ـ۶ـ۲۰	۱۹۹۴ـ۳ـ۱۲
۱۱ ـ محمد مرزا سوکھل	۱۹۹۴ـ۳ـ۲۰	۱۹۹۵ـ۶ـ۶
۱۲ ـ میاں ایس ایم جاوید	۱۹۹۵ـ۶ـ۶	۱۹۹۶ـ۶ـ۶
۱۳ ـ نذیر احمد بھٹی	۱۹۹۶ـ۶ـ۶	۱۹۹۶ـ۹ـ۸
۱۴ ـ نعمت علی	۱۹۹۶ـ۹ـ۸	ـــــــــ

۱۹۸۹ء میں یہاں کا ایک طالب علم ایم انعام صمدانی ۷۵۷ نمبر حاصل کر کے لاہور بورڈ کے میٹرک کے امتحان میں ضلع شیخوپورہ میں اول آیا۔ ۱۹۹۱ء کے بعد اول آنے والے طلباء محمد ظہیر خالد، سجاد حسین، محمد نعیم اختر، رانا شوکت محمود، زاہد اسلام اور ۱۹۹۶ء میں حافظ امجد، ارشاد یونس۔

گورنمنٹ ہائی سکول نمبر ۲

شاہ کوٹ میں حاجی رفیق احمد نے ۱۹۵۴ء میں ایک تعلیمی ادارہ رحمانیہ کالج قائم کیا۔ اگلے برس چوہدری ظفر علی نے اسلامیہ ہائی سکول کی بنیاد رکھی۔ تھوڑے عرصہ بعد ان دونوں اداروں کو مدغم کر کے مثالی پنچایت ہائی سکول کا نام دیا گیا۔ ہیڈ ماسٹر صاحبان بشیر احمد علوی اور چوہدری عبدالغفور تھے۔ ۱۹۵۷ء میں پنچایت زراعتی ہائی سکول نام قرار پایا۔ ۱۹۵۹ء میں جب یہاں ٹاؤن کمیٹی قائم ہوئی تو کمیٹی نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا اور میونسپل کمیٹی ہائی سکول کا نام دیا گیا۔ یکم اپریل ۱۹۶۰ء کو محکمہ تعلیم نے اس درسگاہ کو منظور کیا۔

موجودہ عمارت دو منزلہ ہے اور مین روڈ کے بائیں جانب واقع ہے۔ اس دو منزلہ عمارت کا افتتاح چوہدری ممتاز حسین وزیر تعلیم و خزانہ حکومت پنجاب نے ۷ مارچ ۱۹۸۷ء کو کیا۔ سکول کے طلباء بورڈ کے امتحان میں ضلع بھر میں اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ حکومت نے اس درس گاہ کو Star سکول قرار دیا ہے۔ ۱۹۹۳ء میں طلباء کی تعداد ۹۵۵ تھی، اساتذہ کی تعداد ۲۸۔ سکول سے منسلک ایک ہوسٹل بھی ہے جہاں ۷۵ طلباء کی گنجائش ہے۔ ہر سال کم از کم ۳۰ طلباء گورنمنٹ سکالرشپ کے مستحق قرار پاتے ہیں اور دو تین طلبا قومی ذہانت کے وظائف حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ موجودہ ہیڈ ماسٹر ایم امان اللہ صاحب کی تعلیمی قابلیت ایم اے بی ایڈ ایل ایل بی ہے۔ آپ یہاں یکم ستمبر ۱۹۶۱ء سے بطور ہیڈ ماسٹر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ۱۴ اگست ۱۹۹۳ء کو آپ کو صدارتی اعزاز برائے حسن کارکردگی و صدارتی اعزاز فضیلت سے نوازا گیا۔ دوسرے ہیڈ ماسٹر صاحبان اور ان کے ادوار ملاحظہ ہوں:

۱۔ چوہدری مختار احمد بھٹی	۱۹۵۶-۶-۹	۱۹۵۸-۱۲-۴
۲۔ چوہدری عبدالحمید	۱۹۵۸-۱۲-۵	۱۹۶۱-۸-۳۱

۳ ۔ چوہدری عبدالغفور	۱۴-۹-۵۹	۳۱-۸-۱۹۶۱
۴ ۔ صوفی بشیراحمد علوی	۱-۹-۱۹۶۱	۳-۱۰-۶۲
۵ ۔ چوہدری انور علی	۴-۱۰-۶۲	۲۵-۳-۶۳
۶ ۔ سید حامد نقوی	۲۶-۳-۶۳	۳۱-۱-۶۵
۷ ۔ ایم امان اللہ	ـــــــــ	۲۲-۸-۱۹۹۶ ریٹائر ہوئے
۸ ۔ سردار عنایت علی ڈوگر		۴-۱۱-۹۶ ۱۳-۱۲-۱۹۹۷
علی ڈوگر		
۹ ۔ میاں سردار محمد جاوید	۱۳-۱۲-۹۷	ـــــــــ

گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج:

میونسپل کمیٹی شاہ کوٹ نے ۱۹۶۳ء میں گورنمنٹ ہائی سکول کی عمارت میں اس کالج کا آغاز کیا۔ ۱۹۸۷ء میں محکمہ تعلیم حکومت پنجاب نے ۴۷ کینال رقبہ میں موجودہ عمارت کالج کے لئے تعمیر کی۔ طلباء کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہے۔ تعداد اساتذہ ۲۲ ہے۔ آرٹس کے ساتھ یہاں سائنس کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ کالج میگزین' پہلی بار ۱۹۸۰ء میں نکلا اور ۱۹۸۶ء میں اس کا دوسرا شمارہ طبع ہوا۔

۱۹۸۳ء میں اس کالج کا طالب علم محمد خالد ارقم ۷۷۸ نمبر حاصل کرکے لاہور بورڈ میں دوم رہا۔ شعبہ انگریزی کے لیکچرار محمد سہیل انور تحقیق جستجو کا ذوق رکھتے ہیں۔ آپ کے والد محمد رفیق انور ولد عبدالرحمٰن ۱۹۹۵ء میں گورنمنٹ ہائی سکول نمبر ۲ شاہ کوٹ سے بطور مدرس ریٹائر ہوئے ہیں۔

اس کالج کے پرنسپل صاحبان:

سید حامد نقوی	۱-۹-۱۹۶۳	۲۰-۹-۶۷
جاوید رضا خان	۲۱-۹-۶۷	۴-۱۱-۶۸
فیض امجد	۵-۱۱-۶۸	۲۰-۵-۷۱
ملک محمد بخش	۲۱-۵-۷۱	۲۶-۹-۷۴

ملک وزیر علی	۷۴-۹-۲۷	۷۹-۸-۱۸
چوہدری نیاز احمد	۷۹-۸-۲۳	۸۵-۱۱-۱۸
حامد رضا خان	۸۵-۱۱-۱۹	۸۶-۱۱-۲۶
محمد اسحاق مظہر حسین	۸۶-۱۱-۲۷	۹۰-۱۲-۱۸
جاوید رضا خان	۹۰-۱۲-۱۹	۹۲-۱۲-۳۰
غلام رسول آزاد	۹۳-۱۱-۱	۹۶-۲-۱۶
میاں جاوید اقبال	۹۶-۲-۱۶	تاحال

گورنمنٹ گرلز ہائی سکول بھی موجود ہے یہاں کی ایک طالبہ رضیہ کوثر ۱۹۹۴ء میں لاہور بورڈ میں میٹرک میں اول آئی تھی۔ رضیہ کوثر کا بھائی محمد رمضان ۱۹۸۳ء میں لاہور بورڈ میں اول رہا تھا۔

۱۹۹۸ء سے اس تاریخی قصبہ میں انٹرمیڈیٹ تک گرلز کالج بھی قائم کر دیا ہے۔

مختار احمد بھٹی ڈاکٹر

پاکستان ایجوکیشن فاؤنڈیشن کا قیام آپ ہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ ۱۳ جنوری ۱۹۹۵ء کو آپ کی ریٹائرمنٹ کے موقعہ پر منعقدہ ایک تقریب میں ڈاکٹر ایس ایم زماں نے صدارتی خطاب میں آپ سے متعلق فرمایا:

"۱۹۶۹ء میں پہلے ہی دن وزارت تعلیم کے لئے فیڈرل پبلک سروس کمیشن کے ذریعے انٹرویو دیتے ہوئے ڈاکٹر بھٹی نے انہیں یوں منوایا کہ ہمارے کئی تشنگی طلب سوالات کے مدلل جوابات دے کر ہمیں بھی اپنے تلامذہ میں شامل کرلیا۔"

سید ریاض گیلانی کا ذکر الگ شیخوپورہ باب ۱۱ شخصیات میں کر دیا ہے۔

۷۔ شرق پور

ضلع کی قدیم ترین میونسپل کمیٹی اور ایک بڑا روحانی اور دینی مرکز۔ ابتدا میں یہ ضلع لاہور کی ایک تحصیل تھی۔ بقول نصرت نوشاہی یہاں ۴۰ اولیا آسودہ خاک ہیں۔ طول البلد E ۸ ۴۴ ۷۴ عرض البلد ۳۱۲۸۔

۱۸۶۸ء میں یہاں ۴۱۶۲ نفوس بستے تھے ان میں ۲۲۳۳ مرد اور ۱۹۲۹ عورتیں تھیں۔ ۱۸۷۴ء میں اسے ٹاؤن کمیٹی قرار دیا۔ ۱۸۸۳ء میں کمیٹی ۱۲ اراکین پر مشتمل تھی۔ دو سرکاری عہدیدار تھے اور دس کو حکومت نے نامزد کیا تھا۔ ۱۸۸۱ء میں آبادی ۴۵۹۵ تھی۔ ۵۴۶ ہندو' ۱۹۶ سکھ اور ۳۸۵۳ مسلمان تھے۔ یہ ایک تحصیل ہیڈکوارٹر تھا۔ ۸۴ ۔ ۱۸۸۳ء میں تحصیل شرق پور کی آبادی ۱۲۱۴۵۱ تھی۔ شرق پور کے گرد ایک کچی فصیل تھی۔ فصیل کے برجوں میں یورپی لوگوں کے رہنے کے لئے کوارٹرز تھے۔ اس دور میں ایک عربی سکول تھا جس میں ۷۰ مسلمان لڑکے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ شرقپور تحصیل کے تحت کوٹ پنڈی داس' پٹیالہ' لبان والا' مریدکے' مہادیو' خیرپور' مانگٹانوالہ' شاہدرہ قلعہ ستار شاہ تھے۔ ۱۸۷۹ء میں یہاں حکومت نے ایک ڈسپنسری قائم کی۔ سالانہ خرچ ۱۲۲۲ روپے تھا۔

بلدیہ کی آمدنی :۔

۷۵ ۔ ۱۸۷۴	۳۵۲ روپے
۷۶ ۔ ۱۸۷۵	۱۴۰۱ روپے
۸۲ ۔ ۱۸۸۱	۳۸۰۴ روپے

۱۸۹۱ء میں شرقپور کی آبادی ۴۹۲۴ تھی۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ شکار کرتے ہوئے راوی پار کرکے مہادیوی کے ٹیلے تک پہنچ جاتا تھا۔ دو شیروں کا اس نے شکار کیا۔ شرقپور کے قریبی جنگل میں بھی شیر شکار کئے۔ ایک بار سرفراز خاں نے مہاراجہ کا استقبال بڑی شان سے کیا۔ ضیافت کے لئے پانچ سو روپے بھیجے تھے۔ مہاراجہ نے گزر و اوقات کے لئے سرفراز خاں کو شرق پور اور نولکھا کی جاگیر عطا کردی۔ سید فقیر عزیزالدین (پ ۱۷۷۷ء) جو مہاراجہ کے دربار سے وابستہ تھا اور شاہی

طبیب تھا۔ ۱۷۹۸ء میں اس نے مہاراجہ کی آنکھوں کا علاج کیا جس پر انہیں شرق پور انعام میں ملا تھا۔

۱۹۱۰ء میں یہ تحصیل ضلع لاہور سے کاٹ کر ضلع گوجرانوالہ میں شامل کردی گئی اور اس طرح ۱۹۲۰ء میں جب ضلع شیخوپورہ معرض وجود میں آیا تو اسے اس نئے ضلع کا حصہ قرار دے دیا۔ ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق یہاں کی آبادی ۱۸۶۹۲ نفوس پر مشتمل تھی۔ ۱۹۹۸ء میں اس کی آبادی ۲۶۶۸۱ ہے۔ چند سالوں کی آمدنی اور اخراجات بلدیہ شرقپور ملاحظہ فرمائیں:

	آمدنی	اخراجات
۹۷ - ۱۹۹۶ء	۶۵۹۸۵۸۳ روپے	۶۲۵۶۳۴۲ روپے
۹۸ - ۱۹۹۷ء	۸۲۹۳۳۱۴	۸۳۸۴۰۱۶ روپے
۹۹ - ۱۹۹۸	۹۲۴۱۱۵۷	۹۲۲۶۳۳۴ روپے

قیام پاکستان کے بعد کے چیئرمین اور ان کے ادوار:

۱۔ میاں فقیر محمد قصوریہ	۱۹۴۷۔۸۔۱۴	۱۹۵۳۔۱۰۔۱۰
۲۔ ملک بشیر مظفر	۲۸۔۱۲۔۵۳	۲۷۔۱۰۔۵۸
۳۔ ملک مظفر علی	۲۸۔۲۔۶۰	۷۔۸۔۶۹
۴۔ شیخ محمد صدیق کھراؤنہ	۱۰۔۵۔۷۰	۵۔۶۔۷۱
۵۔ شیخ اصغر علی مونگہ	۲۰۔۱۔۸۰	۱۴۔۱۰۔۸۳
۶۔ ملک احمد سعید	۱۴۔۱۱۔۸۳	۲۸۔۱۱۔۸۷
۷۔ شیخ اصغر علی مونگہ	۱۸۔۱۔۸۸	۲۹۔۱۔۹۲
۸۔ ملک افتخار احمد	۲۹۔۱۔۹۲	۱۵۔۸۔۹۳
۹۔ شیخ ذوالفقار علی مونگہ	۱۸۔۱۲۔۹۸	

بلدیہ کا دفتر عمارت کی بالائی منزل پر ہے جو اگست ۱۹۹۳ء میں تعمیر ہوئی تھی۔ ۲۱ وارڈ ہیں۔ لڑکے اور لڑکیوں کے لئے الگ الگ سرکاری سکول اور کالج موجود ہیں۔

خواتین' اساتذہ کی تعلیم اور تربیت کے لئے گورنمنٹ کالج فار ایلیمینٹری ٹیچرز برائے

خواتین موجود ہے جس میں اس وقت سی ٹی کلاس میں ۲۵۲ اور اور ینٹل ٹیچرز کی کلاس میں ۵۰ خواتین ہیں یہاں پی ٹی سی اور ڈرائنگ کی تربیت دی جاتی ہے۔ ۱۹۲۹ میں اس ادارے کا اجرا گورنمنٹ فارمل سکول برائے خواتین کے نام سے ہوا تھا۔ ایک پرائمری سکول بطور لیبارٹری اس کے ساتھ منسلک تھا۔ ابتدا میں صرف ۲۰ طالبات نے جے وی کی کلاس میں داخلہ لیا۔ پہلی ہیڈ مسٹریس مس کے قریشی تھیں۔ ۱۹۴۷ میں یہاں ایس وی کلاس کا اجرا ہوا۔ لیبارٹری سکول مڈل ہوگیا۔ ۱۹۶۶ء میں سی ٹی کلاس کا آغاز ہوا۔ ۱۹۷۳ء میں اسے کالج کا درجہ دے کر نیا نام دیا گیا۔ موجودہ پرنسپل مس تسیم اختر چوہدری ہے۔ آپ کے علاوہ یہاں ۱۳ خواتین اساتذہ بھی ہیں۔ گورنمنٹ گرلز ہائر سیکنڈری سکول ۱۹۸۹ء میں معرض وجود میں آیا۔ سکول کی باقاعدہ اپنی عمارت ہے۔ لڑکوں کے ایک عربی سکول کی موجودگی ۸۴ ۔ ۱۸۸۳ء میں ہوتی ہے۔ ڈسٹرکٹ بورڈ نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا اور ۱۹۰۴ء میں اسے مڈل کا درجہ دے دیا۔ ۱۹۲۴ء میں یہ ہائی ہوگیا۔ ۱۹۶۰ء میں اسے پائلٹ سیکنڈری سکول کا درجہ دے دیا۔اس وقت یہاں تقریباً چھ سو طلباء تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ۴۰ اساتذہ تدریس کے پیشے سے وابستہ ہیں۔ ۱۹۷۹ء تک طلباء کو ہوسٹل کی سہولت مہیا تھی۔ سکول کا رقبہ ۱۵ ایکڑ کے قریب ہے۔ موجودہ پرنسپل صاحب سید محمد عباس شاہد کاظمی ۱۲ اپریل ۱۹۹۵ء سے یہاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ سے قبل کے ہیڈ ماسٹر صاحبان کے نام و دور قیام ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ پیرولایت شاہ	۱-۶-۱۹۲۵	۱-۵-۱۹۳۰
۲۔ خواجہ عزیزالدین	۲-۵-۳۰	۱۲-۱۲-۳۰
۳۔ سردار ہزارہ سنگھ	۱۳-۱۲-۳۰	۱-۴-۳۷
۴۔ شیخ عبداللہ	۲-۴-۳۷	۷-۶-۳۸
۵۔ مولوی عبدالرسول	۸-۶-۳۸	۱۹-۱-۴۱
۶۔ ایس اے ہارون	۲۰-۱-۴۱	۲۶-۵-۴۳
۷۔ چوہدری عبدالواحد	۱۴-۹-۴۳	۲۷-۸-۴۷
۸۔ ایم اکرام	۳۰-۸-۴۷	۲۵-۹-۴۷
۹۔ شیخ جان محمد	۲۶-۹-۴۷	۸-۴-۴۹

۱۰۔ نیاز الدین	۹-۴-۴۹	۶-۷-۵۰
۱۱۔ سید نذر محمد بخاری	۷-۷-۵۰	۳-۶-۵۳
۱۲۔ قاضی محمد ظریف	۴-۶-۵۳	۲۷-۵-۵۴
۱۳۔ ظفر عالم	۲۸-۵-۵۴	۲۸-۳-۵۸
۱۴۔ خواجہ منیر حسین	۲۹-۳-۵۸	۱۹-۹-۶۰
۱۵۔ ظفر اقبال ملک	۲۰-۹-۶۰	۲۱-۷-۶۱
۱۶۔ خواجہ منیر حسین	۲۲-۷-۶۱	۱۹-۱-۶۶
۱۷۔ میاں عمر الدین	۲۰-۱-۶۶	۲۶-۳-۷۱
۱۸۔ نثار احمد مرزا	۲۷-۳-۷۱	۱۵-۲-۷۳
۱۹۔ صلابت علی ناز	۱۶-۲-۷۳	۲۵-۵-۷۳
۲۰۔ چوہدری بشیر احمد	۲۶-۵-۷۳	۲۵-۵-۷۶
۲۱۔ شہزادہ محمد نواب	۲۶-۵-۷۶	۳-۶-۷۶
۲۲۔ سید نجم نعمانی	۴-۶-۷۶	۲۲-۶-۷۷
۲۳۔ چوہدری بشیر احمد	۲۳-۶-۷۷	۱-۱۰-۷۷
۲۴۔ چوہدری ممتاز حسین	۲-۱۰-۷۷	۲۰-۷-۸۰
۲۵۔ خواجہ ضیاء الدین بٹ	۲۱-۷-۸۰	۲۱-۲-۸۰
۲۶۔ خواجہ عبدالحفیظ	۱-۳-۸۰	۱۴-۷-۸۱
۲۷۔ محمد فاروق شیخ	۱۵-۷-۸۱	۱۵-۱۱-۸۴
۲۸۔ اکرم حسین کھوکھر	۸-۵-۸۵	۹-۶-۹۴
۲۹۔ چوہدری مظاہر حسین	۱۲-۶-۹۴	۴-۱-۹۵
۳۰۔ خواجہ ولی محمد	۵-۱-۹۵	۹-۴-۹۵

اس درسگاہ کے ایک مدرس محمد انور قمر ولد حاجی محمد شریف پسر غلام محمد ۱۹ مارچ ۱۹۹۸ء کو ملازمت سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ علمی و ادبی اور تحقیق کا ذوق رکھتے ہیں۔ شرقپور کی تاریخ' مطالعہ نقوش شرقپور' کے نام سے لکھ رہے ہیں جو ایک اچھی کوشش ثابت ہوگی۔

آپ کی دوسری تصانیف یہ ہیں۔ ضیاء الفقراء' امرا بردر فقرا ۱۹۹۸ء' مقام مصطفیٰ اور ریاضی اور حضور رسالت ماب کا علم غیب' سیکنڈری سکول ہی میں ایک استاد اقبال جاوید صاحب ۱۹۶۱ء کے قریب ہوا کرتے تھے جو صدر شعبہ اردو گورنمنٹ اسلامیہ کالج' گوجرانوالہ سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ انور قمر' اقبال جاوید کے شاگرد ہیں۔

گورنمنٹ ایلیمنٹری سکول جو ۱۹۳۲ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ کے تحت پرائمری سکول تھا۔ ماسٹر اللہ رکھا ساگر کے دور میں ۱۹۶۳ء میں مڈل سکول تھا۔ ۱۲۶ اساتذہ ۸۵۰ طلباء کو تعلیم دے رہے ہیں۔ موجودہ ہیڈماسٹر سید ساجد حسین بخاری گزشتہ برس سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ قیام پاکستان کے وقت سید محمد شفیع گیلانی ہیڈماسٹر تھے۔ ۱۹۶۲ تک آپ ہیڈماسٹر رہے تھے۔ شرقپور میں ایک گورنمنٹ کمرشل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ بھی ۱۹۸۶ء سے طلباء کو اکاؤنٹنگ' انگریزی اور اردو میں مختصر نویسی اور ٹائپنگ کی تعلیم و تربیت دے رہا ہے۔ پہلے پرنسپل محمد رمضان شاکر تھے موجودہ پرنسپل قاری محمد ابراہیم ہیں۔

انٹرمیڈیٹ کالج برائے طلباء ۱۹۷۴ء میں قائم ہوا۔ کالج کی موجودہ عمارت ۱۹۸۲ء میں مکمل ہوئی تھی۔ فرسٹ ایئر میں ۱۲۵ طلباء اوز سیکنڈ ایئر میں ۷۵ زیر تعلیم ہیں۔ اساتذہ کی تعداد ۱۹ ہے۔ کالج کے پہلے پرنسپل پروفیسر خورشید عالم تھے جو یکم ستمبر ۱۹۷۴ء سے ۱۲ جنوری ۱۹۷۷ء تک رہے۔ آپ کے بعد:

۱۔ ڈاکٹر کرامت حسین	۱۳-۱-۱۹۷۷	۱-۴-۷۷
۲۔ سید منور حسین نقوی	۲-۴-۷۷	۳۱-۳-۷۸
۳۔ ملک نور خاں	۱-۴-۷۸	۱۹-۵-۷۸
۴۔ میر محمود سلطان	۲۰-۵-۷۸	۳۰-۷-۷۸
۵۔ خورشید عالم	۳۱-۷-۷۸	۲۲-۱۱-۷۸
۶۔ محمد سلیم	۲۳-۱۱-۷۸	۷-۱۱-۷۹
۷۔ ایس ایم اے فیروز	۲۰-۱۲-۷۹	۶-۳-۸۲
۸۔ قاضی نذیر احمد	۷-۳-۸۲	۲۲-۱۰-۸۲
۹۔ میر محمود سلطان	۲۶-۱۰-۸۲	۱۳-۱۲-۸۳

۱۰۔ بشیر احمد چوہدری	۱۴۔۱۲۔۸۳	۱۴۔۲۔۹۰
۱۱۔ محمد یوسف شیدائی	۲۲۔۲۔۹۰	۴۔۶۔۹۱
۱۲۔ محمد اقبال اختر خاں	۱۱۔۶۔۹۱	۸۔۴۔۹۳
۱۳۔ محمد عمر	۳۱۔۵۔۹۳	۱۳۔۱۲۔۹۳
۱۴۔ محمد اسلم باجوہ	۱۔۱۔۹۴	۲۰۔۸۔۹۶

موجودہ پرنسپل چوہدری محمد افضل ۲۱ اگست ۱۹۹۶ سے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

شرق پور کے دوسرے چند مصنفین :

۱۔ دلبر حسین المعروف حاجی ظہیر نیاز بیگی (۹۸ ۔ ۱۹۱۱) تحریک پاکستان کے نامور کارکن
تصانیف = برق و باراں' آئینہ احوال' چراغ زندگی' مقصد حیات۔

۲۔ نور محمد نصرت نوشاہی حیات ہیں۔

۳۔ صاحبزادہ جمیل احمد' میاں شیر محمد شرقپوری کے بھتیجے' موجودہ سجادہ نشین' عمر ۶۸ برس ہے۔ تصنیف خزینہ معرفت' لاہور

۴۔ احمد علی قائد' ریڈیو پاکستان لاہور کے مقرر۔ لاہور سے ایک رسالہ محبوب نکالتے ہیں۔
تصنیف = آفتاب ولایت

میاں شیر محمد کا ذکر باب ۱۱ شخصیات اولیاء اللہ میں مندرج ہے۔

غلام مرتضیٰ

نقشبندی سلسلہ کے یہ بزرگ موضع بھینی ضلع شیخوپورہ میں ۱۸۱۳ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ ترک سکونت کر کے موضع قلعہ لال سنگھ تحصیل شرق پور آ گئے۔ غلام مرتضیٰ قلعہ والے کے نام سے مشہور ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بہاولپور میں حاصل کی' چوہنگ کے مولانا بدرالدین کے ہاتھ پر بیعت کی اور علوم مروجہ کی تحصیل کی۔

آپ ایک جید عالم اور ذاکر تھے۔ کھیتی باڑی کرتے تھے' ۱۸۵۵ء میں عثمان گنج بیرون شیرانوالہ دروازہ لاہور آ گئے۔ ایک خانقاہ قائم کی۔ اس کے لئے جائیداد وقف کی۔ ۲۱ فروری ۱۹۰۳ء کو وفات پائی۔ عثمان گنج میں مدفن ہیں۔

۸۔ فاروق آباد

اس قصبہ کا قدیم نام چوہڑکانہ ہے۔ چارباغ پنجاب میں گنیش داس وڈیرہ اسے علاقہ بار میں مشہور موضع کہتا ہے۔ پہلے یہاں ٹاؤن کمیٹی تھی۔ ۷ مئی ۱۹۸۴ء کو اسے میونسپل کمیٹی کا درجہ دیا۔ نومبر ۱۹۶۶ء سے اس کے نام کی تبدیلی کا سلسلہ شروع ہوا۔ اچھا نام تجویز کرنے والے کو ایک صد روپیہ کا انعام دینے کا اخبارات کے ذریعہ اعلان کیا۔ جہانگیر آباد' مصطفیٰ نگر اور یاسر آباد کے نام تجویز کئے گئے لیکن ٹاؤن کمیٹی نے اپنے ایک اجلاس مورخہ ۲۷ جنوری ۱۹۸۳ء کو فاروق آباد نام تجویز کیا جسے ہر سطح پر مقبولیت حاصل ہوئی۔ حکومت نے ۳ جولائی ۱۹۸۳ء کو ایک حکم نامہ کے ذریعہ اس کی منظوری دی۔ اس کے پرانے نام چوہڑ کانہ کے سلسلہ میں ایک روایت ہے کہ ایک سکھ چوہڑ کانہ سنگھ اس کا بانی تھا اور ایک آنکھ سے کانہ تھا۔

۱۹۲۸ء میں یہاں ایک زمیندارہ بینک تھا کیونکہ یہاں غلہ کی ایک منڈی بھی تھی۔

انجمن اصلاح معاشرہ کے تحت محمد اشرف اور ان کے ساتھیوں نے ۱۹۷۸ء میں لاثانی سکول قائم کیا۔ پہلے ہیڈماسٹر چوہدری محمد اشرف تھے۔ ۱۹۹۰ء میں محکمہ تعلیم نے دو منزلہ خوبصورت عمارت تعمیر کی ہے۔ رقبہ ۶۴ کینال ہے۔ تعداد طلباء ۶۰۰۔ حکومت کی تحویل میں ہے۔ انجمن رفاہ ملت کے تحت ایجوکیشن فاؤنڈیشن نے لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ۱۹۹۴ء میں ایک سکول قائم کیا جو آج ہائی درجہ تک ہے اس کا نام سرسید گرلز ہائی سکول ہے۔

موجودہ صدی کے ربع اول میں یہاں ایک پرائمری سکول موجود تھا جو ۱۹۲۸ء میں مڈل ہوا۔ ۱۹۳۸ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ نے اسے ہائی سکول بنادیا۔ ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء سے ۱۰ نومبر ۱۹۶۷ء تک چوہدری محمد عالم سکول کے ہیڈماسٹر رہے۔ آپ کے بعد خان عبداللہ خان ۳ جنوری ۱۹۶۸ء سے ۲۸ مئی ۱۹۹۰ء تک خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۸۹ء میں حکومت نے اسے ہائر سیکنڈری سکول کا درجہ دے دیا۔ چوہدری محمد رشید ظفر ۱۹ جون ۱۹۹۱ء تک خدمات انجام دیتے رہے۔ ۹۱ - ۱۹۹۰ء میں اس کی الگ عمارت تعمیر ہوئی۔ تعداد اساتذہ ۱۵ ہے لڑکیوں کے لئے بھی ایک گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول موجود ہے۔ قادر آباد لنک کنال سے

منسلک ایک خوبصورت سکول گورنمنٹ پراجیکٹ ہائی سکول بھی ہے۔

زراعت کا ایک تحقیقی مرکز ۱۹۵۲ء میں یہاں قائم کیا گیا۔

انقلاب لاہور ۱۴ جون ۱۹۳۸ء سے ہمیں یہ اطلاع ملتی ہے کہ سنٹرل بینک آف انڈیا لمیٹڈ بمبئی کی ایک شاخ پے آفس چوہڑکانہ میں ہے۔ جلیانوالہ باغ امرتسر میں ۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو جو اندھادھند گولیوں سے قتل عام ہوا تھا' چوہڑکانہ میں بڑے غم و غصہ کا اظہار کیا گیا۔ سرکاری املاک کو تباہ کردیا۔ لاہور سے اسلحہ کی بھری ہوئی گاڑی چوہڑکانہ آئی اور لوگوں پر یہ گولیاں برسائی گئیں۔

تحریک پاکستان کے سلسلہ میں یہاں کی مسلم لیگ نے ۱۱ جنوری ۱۹۴۶ء کو جشن فتح منایا۔

فاروق آباد میں پنجاب ریزرو پولیس کا ہیڈکوارٹر ہے۔ اس کا موجودہ نام پنجاب کانسٹیبلری ہے۔ ۱۹۸۷ء میں لاہور کی قربان لائنز کو بند کرکے فاروق آباد میں قائم کیا۔ ابتدا میں یہاں سپاہیوں کی نفری ایک ہزار تھی اور اس کا کمانڈنٹ ایس پی مرتبہ کا تھا۔ پہلے کمانڈنٹ آغا علی رضا تھے۔ آپ ۱۰ اپریل ۱۹۷۵ء تک یہاں خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۸۷ء میں اس کی ریزرو نفری بارہ ہزار کردی گئی اور نیا نام پنجاب کانسٹیبلری ہوا۔ یہاں نئے بھرتی ہونے والے سپاہیوں کی تربیت بھی کی جاتی ہے۔ علاج و معالجہ کے لئے ایک ڈسپنسری ہے۔ بچوں کی تعلیم کے لئے ایک بڑی گاڑی ہے جو پڑھنے والے بچوں کو مقامی سکولوں میں اور شیخوپورہ کے تعلیمی اداروں میں لے جاتی اور واپس لاتی ہے۔

یہاں کے ریزرو سپاہی پنجاب میں انتظامیہ کی مدد کرتے ہیں۔ انتخابات کے دوران پنجاب کے علاوہ آزاد کشمیر میں بھی یہ خدمات انجام دیتے ہیں۔

۱۹۸۷ء سے اس کے سربراہ ڈپٹی انسپکٹر جنرل ہیں۔ ان کے نام و ادوار:

۱۔ چوہدری محمد عاشق	۷۵-۴-۲۳	۷۵-۹-۲۴
۲۔ I-R- Neblot	۷۵-۹-۲۴	۷۶-۵-۶
۳۔ ملک غلام اصغر	۷۶-۵-۷	۷۷-۵-۳۰
۴۔ سروش رؤف علوی	۷۷-۶-۷	۷۷-۸-۱۹
۵۔ غلام اصغر	۷۷-۸-۲۰	۷۷-۱۰-۲۴

۶۔ محمد اصغر خاں	۲۵-۱۰-۷۷	۲۰-۳-۷۸
۷۔ فضل محمود	۲۰-۳-۷۸	۱۷-۹-۷۸
۸۔ I-R- Neblot	۱۷-۹-۷۸	۳۰-۷-۸۰
۹۔ غلام اصغر ملک	۳۰-۷-۸۰	۲۷-۱۰-۸۰
۱۰۔ محمد صدیق ملک	۲۸-۱۰-۸۰	۵-۸-۸۴
۱۱۔ نثار احمد	۶-۸-۸۴	۲۱-۱۱-۸۴
۱۲۔ I.R. Neblot	۲۲-۱۱-۸۴	۲۸-۳-۸۵
۱۳۔ شاہد حسن	۲۸-۳-۸۵	۳۱-۵-۸۵
۱۴۔ خالد لطیف	۲۱-۷-۸۵	۲۸-۱-۹۰
۱۵۔ جہانگیر مرزا	۲۸-۱-۹۰	۲۱-۸-۹۳
۱۶۔ میجر میاں ظہیر احمد	۲۱-۸-۹۳	۹-۱۰-۹۵
۱۷۔ اظہر حسن ندیم	۵-۱۱-۹۵	۲۸-۱۰-۹۸
۱۸۔ طلعت محمود طارق	۱۰-۸-۹۸	-----

پاکستان ایڈونٹسٹ سیمنری

۱۹۲۳ء میں موجودہ مقام پر یہ مشنری ادارہ قائم ہوا تھا۔ رقبہ ۴۴ ایکڑ ہے' خوبصورت جگہ ہے۔ باقاعدہ چار دیواری کے اندر ہے۔ ایک خوبصورت بلند و بالا چرچ ہے جس میں ایک ہزار مسیحی ایک وقت میں عبادت کرسکتے ہیں۔ اس کا بڑا مقصد عیسائیت کی تبلیغ کے لئے پادری تیار کرنا ہے۔ ساتھ ساتھ میٹرک تک تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ باقاعدہ ایک سکول ہے جس میں ۴۵۰ طلباء کو ۴۰ اساتذہ تعلیم و تربیت کرتے ہیں۔ ہوسٹل کی سہولت بھی موجود ہے۔ یہاں صرف مسیحی طلباء ہی پڑھ سکتے ہیں۔ اس کے سربراہ آسٹریا کے B. Schubert ہیں۔ مقامی پرنسپل Noelzubaid ہیں۔

۹۔ مانانوالہ

ضلع کا ایک انتہائی اہم قصبہ جو سکھ جاگیرداروں کی وجہ سے شہرت رکھتا ہے۔ یہ سکھ جٹ مان گھرانہ سے تعلق رکھتے تھے' اسی وجہ سے اس کا نام بھی مانانوالہ ہوا۔ مال آفس میں اس کا نام مانانوالہ ناہر سنگھ ہے' بندوبست نمبر ۱۱۲' ۱۹۰۷ء۔

مانانوالہ ابتدا میں ایک یونین کونسل تھی۔ یکم جولائی ۱۹۹۴ء کو اسے ٹاؤن کمیٹی قرار دیا گیا۔ بلدیہ کی عمارت کا سنگ بنیاد رانا عبدالحمید وزیر بحالیات و صحت و تعمیرات' حکومت پاکستان نے ۱۱ اگست ۱۹۶۳ء کو رکھا تھا۔

۱۹۹۵ء میں کمیٹی کے سالانہ اخراجات ۱۲۳۰۰۰ روپے اور آمدنی ۱۷۲۸۵۹ تھی۔ کل ۱۱ وارڈ ہیں۔ آبادی تقریباً دس ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ یہاں کے گھرانوں کا ذکر شخصیات باب ۱۱ میں کردیا ہے۔

گورنمنٹ ہائی سکول:

۱۹۴۱ء میں یہ ڈسٹرکٹ بورڈ اینگلوورنیکلر مڈل سکول تھا۔ ۴ مارچ ۱۹۴۷ء کو ڈسٹرکٹ بورڈ ہائی سکول ہوگیا۔ ۱۹۹۵ء میں طلباء کی تعداد ۱۴۰۳ اور اساتذہ ۲۸ تھے۔ ۱۹۹۱ء میں تو میٹرک کا رزلٹ سو فیصد رہا۔ سکول کو اپنے ایک طالب علم سلطان بشیرالدین محمود احمد پر فخر ہے۔ جولاگر کا رہنے والا تھا۔ موصوف پاکستان اٹامک انرجی میں ڈائریکٹر کے عہدہ پر فائز رہ چکے ہیں۔ آپ ۲۰ جنوری ۱۹۴۰ء کو سکول کی پانچویں جماعت میں داخل ہوئے۔ محمد شریف خاں راجپوت کے لڑکے ہیں۔ سکول کے قدیم ریکارڈ ۱۹۱۸ء سے علم ہوتا ہے کہ یہاں ایک کتب خانہ بھی تھا۔ قیام پاکستان کے بعد شیر علی خان ۴ نومبر ۱۹۴۷ء سے ۹ نومبر ۱۹۴۹ء تک ہیڈماسٹر رہے تھے۔ آپ کے بعد احمد دین ۲۰ اپریل ۱۹۵۶ء تک' چوہدری لال دین ۱۰ اکتوبر ۱۹۶۴ء تک' چوہدری عبدالستار دسمبر ۱۹۶۶ء تک' چوہدری ذکاء اللہ جون ۱۹۶۹ء تک' حاجی لال دین دسمبر ۱۹۷۲ء تک' میاں محمد لطیف ۹ مارچ ۱۹۸۴ء تک' چوہدری محمد حنیف اگست ۱۹۸۷ء تک اور چوہدری محمد افتخار ۱۵ مارچ ۱۹۹۴ء تک ہیڈماسٹر ہے مانانوالہ میں ۱۹۱۸ء کے قریب ایک

خالصہ سکول بھی تھا۔ لڑکیوں کے ہائر سیکنڈری سکول کا سنگ بنیاد یکم مئی ۱۹۹۲ء کو رکھا گیا تھا۔ مانانوالہ کے ایک شخص نے بتایا ہے کہ مانانوالہ کے جاگیردار صاحب سنگھ کا منشی گوردیال سنگھ تھا۔ اس کے لڑکے بے انت سنگھ نے اندرا گاندھی کو قتل کیا تھا۔

۱۰۔ مرید کے

ضلع شیخوپورہ کا ایک اہم قصبہ ہے۔ ۳ جنوری ۱۸۹۰ء جمعہ کے روز پرنس آف ویلز کلکتہ کی بندرگاہ پر اترا لکھنؤ' کان پور بنارس اور آگرہ گیا۔ آگرہ سے وہ ۲۵ جنوری ۱۸۹۰ء کو ریل گاڑی کے ذریعہ لاہور پہنچا۔ پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر سر جیمز لائل تھے۔ ان کے ہمراہ پرنس آف ویلز ۲۶ جنوری ۱۸۹۰ کو ریل گاڑی کے ذریعہ مرید کے گیا' مرید کے میں انہوں نے گھوڑ سواروں کی بہت بڑی فوج دیکھی۔ ہندوستان بھر میں اتنا بڑا گھوڑ سواروں کا اجتماع کبھی نہیں ہوا تھا۔ ان کی پریڈ سے وہ بڑے محظوظ ہوا۔ دن کے اڑھائی بجے یہ پریڈ ختم ہوئی۔ مرید کے سے پرنس پشاور کی جانب چلا گیا۔

مرید کے ضلع شیخوپورہ کی ایک بڑی میونسپل کمیٹی ہے۔ ۹۲ ۔ ۱۹۹۱ء میں آمدن کا تخمینہ ایک کروڑ بیاسی لاکھ تھا اور اخراجات کا تخمینہ ایک کروڑ تراسی لاکھ پندرہ ہزار روپے۔ چوہدری محمد شریف نے چیئرمین بلدیہ کی حیثیت سے یکم دسمبر ۱۹۵۹ء سے ۲۰ جنوری ۱۹۶۶ء تک خدمات انجام دیں۔ آپ کے بعد شیخ محمد جمیل' شیخ عمر جمیل رانا محمد شفیع ہوئے۔ بلدیہ میں ۲۱ وارڈز میں ہیں۔ ۱۹۸۱ء میں آبادی ۵۱۵۴۶ تھی۔ بلدیہ کے تحت ایک کتب خانہ بھی ہے۔ قیام پاکستان سے قبل مسلم لیگ کی ایک مضبوط شاخ یہاں موجود تھی۔ ۱۹۳۸ء میں اس شاخ کے صدر پیر سید انور علی شاہ نے ضلع شیخوپورہ کی طرف سے راجہ محمود آباد کو ایک ایڈریس پیش کیا تھا۔ آپ ۲۵ دسمبر کو آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں شمولیت کے لئے پٹنہ بھی گئے تھے۔ آپ کے حالات زندگی باب ۱۱ شخصیات میں درج کردیئے ہیں۔

مرید کے کے ایک شخص پیر حیدر شاہ تھے جن کو حکومت نے ۱۹۳۴ء میں خان بہادر کے خطاب سے نوازا تھا۔ پیر حیدر شاہ کے متعلق معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔

۱۱۔ نارنگ

ضلع کا ایک اہم قصبہ جو غلہ منڈی کی وجہ سے مشہور ہے۔ حکومت کے پروگرام کے مطابق زمینداروں کو اپنی اجناس کھلے عام فروخت کرنے کے لئے ۱۹۲۴ء میں ایک پختہ غلہ منڈی تعمیر کی۔ اس کے قریب ہی مشرقی جانب ریلوے سٹیشن ہے۔ جٹھول گھرانے سے ۹۵ ایکڑ اراضی خرید کر منڈی تعمیر کی گئی تھی۔ آزادی وطن سے قبل ایک ہندو کی گلوب رائس مل تھی۔ ہرنام سنگھ کوآپریٹو بینک بھی موجود تھا۔ آزادی وطن کے بعد اس کا نام سنٹرل کوآپریٹو بینک ہوگیا۔ نارنگ گاؤں کا ہرنام سنگھ ایک بڑا زمیندار شخص تھا۔ بڑا امیر آدمی تھا۔ گاؤں میں اس کی ایک قلعہ نما حویلی تھی۔ اس حویلی میں یہ بینک قائم ہوا تھا۔ بعد میں منڈی میں منتقل کردیا' اس بینک کی ایک شاخ مریدکے میں بھی تھی۔ بعد میں بینک کی شاخ اور صدر دفتر شاہدرہ منتقل ہوگیا۔ ہرنام سنگھ کا لڑکا سردار جگندر سنگھ مان اعزازی میجسٹریٹ تھا۔ پنجاب اسمبلی کا ممبر اور سپیکر بھی رہا۔ چوہدری رحمت علی (پ ۱۹۳۷) اعزازی میجسٹریٹ کے پیشے کے لحاظ سے ایک زمیندار ہیں۔ بلدیہ نارنگ کے چیرمین اور ضلع کونسل کے ممبر بھی رہے ہیں۔ مجلس قائداعظم پاکستان کے صدر مملکت ملک برکت علی عتیق کا تعلق بھی اسی قصبہ سے ہے۔

نارنگ ایک ٹاؤن کمیٹی ہے' مارکیٹ کمیٹی بھی ہے۔ ایک گورنمنٹ ڈگری کالج ہے جو انٹرمیڈیٹ کالج کی حیثیت سے یکم ستمبر ۱۹۷۴ء کو قائم ہوا تھا۔ ۱۹۹۲ء میں یہاں بی اے تک تعلیم دی جانے لگی۔ کالج کی عمارت ۳۱ ایکڑ اور ۱۸ مرلے کے رقبہ پر پھیلی ہوئی ہے۔ کالج کی موجودہ عمارت ۲۳ مارچ ۱۹۸۴ء کو مکمل ہوئی اور کالج اس میں منتقل ہوگیا۔ کالج کے پہلے پرنسپل مشتاق احمد قریشی تھے جو جون ۱۹۷۶ء تک رہے۔ آپ کے بعد قاضی نذیر احمد ۱۹۸۱ء تک آپ کے بعد

میاں محمد صفدر	فروری ۱۹۸۱ء سے نومبر ۱۹۸۵ء
محمد انور خاں	دسمبر ۱۹۸۵ سے دسمبر ۱۹۸۷ء
مشتاق احمد راحت	دسمبر ۱۹۸۷ء سے جون ۱۹۸۸ء

آپ کے بعد سید معراج نیئر زیدی پرنسپل ہوئے۔ زیدی صاحب آج کل شعبہ اردو گورنمنٹ کالج لاہور میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ گورنمنٹ ہائی سکول ۱۸۹۶ء میں مڈل ہوا تھا۔ یکم اپریل ۱۹۵۲ء کو یہاں ہائی جماعتوں تک تعلیم دی جانے لگی۔

۱۔ محمد ابراہیم بخاری

نارنگ منڈی میں آپ مدفن ہیں۔ کاتک کے پہلے ہفتہ اور اتوار کو دو روز تک عرس ہوتا ہے۔ شیر محمد شرقپوری کے مرید و خلیفہ تھے۔ موضع کوٹلی سیہول سے اسی برس کی عمر میں نقل مکانی کرکے نارنگ چلے آئے۔ یہ ۱۹۶۳ء کی بات ہے' یہیں سات آٹھ برس بعد اس دارفانی سے کوچ کیا آبائی وطن موضع کھوکھر ضلع شیخوپورہ ہے۔

سلسلہ نسب سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے اس طرح جاملتا ہے :۔

سید محمد ابراہیم بن سید نظام الدین بن کریم بخش بن شیر علی بن سعیدالدین بن سید محمد مقیم بن محمد حسن بن شاہ علاؤالدین بن شیخ احمد شاہ بن سید محمد شاہ بن سید محمود شاہ بن عبدالعزیز بن شاہ علاؤالدین بن سید صدر الدین دیپالپور بن زین العابدین اوچی بن سید حسین شاہ بن سید کبیرالدین بن سید شیخ اسماعیل بن سید ناصرالدین بن سید جلال الدین مخدوم

اولاد = سید امیر محمد شاہ گدی نشین ہیں اور سید محمد فاضل جڑانوالہ میں ہوتے ہیں۔

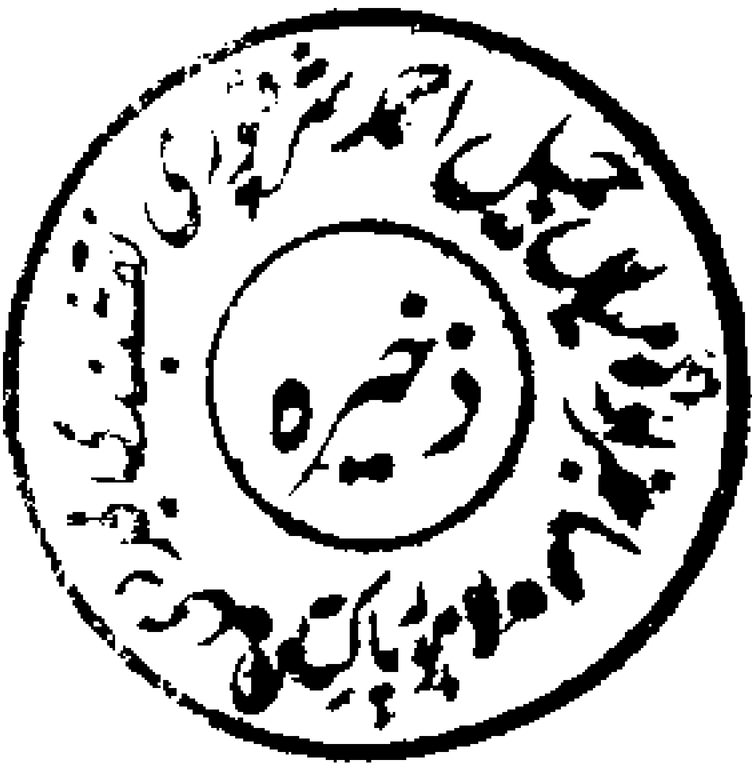
۲۔ برکت علی عتیق ملک

نارنگ منڈی میں رہائش ہے۔ والد ملک غلام نبی پسر ملک غلام محمد موضع جنڈیالہ کلساں کے رہنے والے تھے۔ ۱۹۴۶ء میں نارنگ منڈی نقل مکانی کرکے حکومت سے سٹیٹ لینڈ خرید کر چاول چھڑنے کا کارخانہ لگایا۔ کاروبار کے ساتھ ساتھ رفاحی کاموں میں بھی حصہ لینے لگے۔ ۱۹۴۸ء میں ایک انجمن فروغ تعلیم قائم کی۔ اس انجمن کے تحت ایک ہائی سکول قائم کیا۔ ۶۸ ۔ ۱۹۶۲ء میں بی ڈی کے ممبر منتخب ہوتے رہے۔ اسی دور میں بلدیہ نارنگ کے چیئرمین بھی رہے۔ ۶۸ ۔ ۱۹۷۱ء میں مجلس قائداعظم قائم کی۔ نوائے وقت کے مجید نظامی

مجلس کے سرپرست ہیں۔ برکت علی اس کے صدر تھے۔ ۸ اکتوبر ۱۹۱۰ء کو آپ پیدا ہوئے تھے۔ کچھ عرصہ ہوا آپ کا انتقال ہو چکا ہے۔

نارنگ سے ۵ کلومیٹر دور موضع منج گگڑ واقع ہے۔ یہاں کے محمد اشرف خاں گورنمنٹ کالج لاہور میں اردو کے اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ راقم کے دوست ہیں۔

محمد اشرف کے والد حاجی قائم خاں نج گگڑ کے ایک زمیندار تھے۔



۱۲۔ ننکانہ صاحب

سکھوں کا متبرک مقام، لاہور سے ۹۱ کلومیٹر جنوب مغرب میں اور شیخوپورہ سے ۴۷ کلومیٹر دور۔ سکھ مت کے بانی گورونانک ۱۴۶۹ء میں یہاں پیدا ہوئے تھے۔ اس کا قدیمی نام رائے پور تھا۔ بعد میں اس کا نام تلونڈی ہوا۔ رائے بھوئے اس کا جاگیردار تھا۔ آج بھی پرانا شہر کے نام سے قدیم حصہ موجود ہے۔ شہر کے جنوب مغرب میں اونچا ٹیلہ اپنی قدامت کی گواہی دے رہا ہے۔ ۱۹۸۵ء میں سیف الرحمٰن ڈار کی سرکردگی میں لاہور میوزیم کے کارکنان نے آثارقدیمہ کا قدیم ترین کھنڈر ننکانہ صاحب سے دومیل دور مشرقی جانب دریافت کیا ہے۔ کوٹ ڈیجی کی نوع کا یہ پہلا کھنڈر ہے جو اس علاقہ میں دریافت ہوا ہے یہاں سے پائے جانے والے ظروف ہڑپہ کے عہد کی نمائندگی کرتے ہیں۔

عہد زوال مغلیہ اور سکھوں کے دور حکومت میں گورو بابا نانک کی وجہ سے اس کو بڑی اہمیت رہی۔ ۱۸۸۶ء میں سر اوڈوائر (Sir Micheal Francis ODwyer 1864- 1940) یہاں آیا تھا اس وقت اس قصبہ کی حالت کا اندازہ اس اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے:

"..... Was then in the heart of Jungle thirty miles from the nearist Railway Station and on the Anniversary of the Guru's birth was visted by a few hundred pious pilgrims.

The Mahant. incharge, and his disciples were maintained by pilgrums, offerings and by a precarious income from the thousands of acres of dry and waste land. surrending the shrine...." we got a herty welcome from the priest' presneted out offerings of a few rupees at the shrine'

and received the customary parshad or Sweetmeats."

سر اوڈوائر نے بحیثیت گورنر ۱۹۱۷ء میں ننکانہ کا دوبارہ دورہ کیا اس وقت ننکانہ

"..... The barren jungles had been transfarmed by the lower Chenab Canal into a fertile plane of rich cultivation, the Railway ran through it and brought in tens of thousands of sikh pilgrims and from all the parts of the Punjab, a prosperous town and market had sprang up, the humble little shrine had become one of the largest and richest foundation in northern India. The offerings of the faithfull the income of the revenues from lands had risen from a few hundred of pounds to tons of thousands annually...."

۱۹۲۱ء میں یہ گرودوارہ مہنت نرائین داس کے قبضہ میں تھا۔ یہ مہنت بڑا بدنام' رشوت خور پنساری تھا۔ اپنی بیوی کے ساتھ رہتا تھا جو اچھے کردار کی مالک نہیں تھی۔ مقامی سکھوں نے نرائن داس کو گرودوارہ سے باہر کرنے کی دھمکی دی۔ حالات خراب ہوگئے۔ حکام نے ۲۱ فروری ۱۹۲۱ء کو ایک پریس نامہ جاری کیا کہ ۴'۵'۶ مارچ ۱۹۲۱ء کو شرمنی گوردوارہ پربندھک کمیٹی کے تحت ننکانہ میں ایک عام جلسہ ہوگا اور اس میں مہنت نرائن داس کے خلاف کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ لیکن سکھوں نے خود ہی طاقت کے ذریعہ گرودوارہ پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ نرائن داس نے خطرے کے پیش نظر حکومت سے مدد کی اپیل کی۔ ناکامی کی صورت میں اس نے خود ہی اپنا دفاع کرنے کا فیصلہ کیا۔ گرودوارہ کی بیرونی دیوار کو بلند کرلیا۔ اسلحہ جمع کرلیا۔ پٹھانوں اور ریٹائرڈ سکھ فوجیوں کو ملازم رکھ لیا۔

۲۰ فروری ۱۹۲۱ء کو بھائی لچھمن سنگھ اپنے جتھے کے ہمراہ جنم استھان گرودوارہ میں آسادی وار گا رہا تھا کہ مہنت نرائن داس کے حکم پر چھت پر موجود سکھوں نے ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کردی۔ زائر سکھ جان بچانے کے لئے چھوٹے کمروں میں گھس گئے۔ ظالم نشانہ باز نیچے آئے۔ کمروں کو باہر سے بند کردیا اور سوراخوں میں سے گولیاں چلانے لگے۔ بڑی تعداد میں سکھ زخمی ہوئے اور بہت سے مارے گئے۔ لچھمن سنگھ کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے۔ بچے ہوئے سکھوں کو کلہاڑیوں سے قتل کیا اور سردار وبپ سنگھ جو سرگودھا کے خالصہ سکول کا سیکرٹری اور ایک بڑا زمیندار تھا۔ اس روز چوہڑکانہ میں موجود تھا۔ وہ نرائن داس کا موثر دوست تھا۔ وہ ننکانہ بچ بچاؤ کرانے گیا تو وہ بھی گولیوں کا نشانہ بن گیا۔ ۳۰۔۱۲ بجے گوجرانوالہ کا ڈپٹی کمشنر ننکانہ صاحب پہنچا تو سکھوں کی لاشوں کو جلتے دیکھا۔ شام کو ڈویژنل کمشنر ایک سو یورپی اور ہندوستانی سپاہی لے کر خصوصی ٹرین سے ڈی آئی جی پولیس اور کئی سکھ سرداروں کے ہمراہ ننکانہ میں پہنچے۔ گورودوارہ کے چاروں طرف فوجی تعینات کردیئے۔ مہنت کو گرفتار کرلیا۔ اس کے دو چیلوں اور ۲۶ پٹھانوں کو بھی گرفتار کرلیا۔ گرودوارہ کو حکومت نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ امرتسر سے کئی سکھ سردار اور رہنما کاروں سے ننکانہ پہنچے۔ سردار ہربنس سنگھ کی طرف سے تار موصول ہونے پر پنجاب کے گورنر میکلیگن ۲۲ فروری کو خصوصی ٹرین سے پہنچے۔ ان کے ہمراہ کئی حکام اور بااثر لوگ تھے۔ ۲۲ فروری کو حادثہ میں مرنے والے سکھوں کی لاشوں کی آخری رسومات ادا کی گئیں۔ مہنت نرائن داس اور اس کے ساتھیوں کو موت کی سزا سنائی گئی۔ اپنے دفاع کی بنیاد پر اس کی سزائے موت عمرقید میں تبدیل ہوگئی۔ اخبار ٹیسون لاہور کے شمارہ ۳ مارچ ۱۹۲۳ء میں اس فیصلہ کی خبر شائع ہوئی تھی۔ ۳ مارچ ۱۹۲۱ء کو مہاتما گاندھی' مولانا شوکت علی' لالہ دونی چند' ڈاکٹر کچیلو ملک لعل خاں' سردار ہرچند سنگھ اور سردار پریم سنگھ بھی ننکانہ صاحب آئے تھے۔ ۵ اپریل ۱۹۲۱ء کو ننکانہ صاحب کے شہداء کا دن مقرر کیا گیا۔ مہاتما گاندھی نے اس موقع پر سکھوں کو صبر و بردباری اور مجرموں کو معاف کرنے کی اپیل کی۔

گورونانک کے دور میں بابا دھرم چند بیدی نے ایک چھوٹا سا گورودوارہ بنایا تھا۔ ۱۸۳۲ء میں سردار فتح سنگھ نے ایک خوبصوت پختہ عمارت کا مندر تعمیر کرایا۔ کچھ عرصہ بعد رام چند

اکالی گڑھی نے یہاں بڑے بڑے تالاب بنوائے۔ رام چند رنجیت سنگھ کا مہردار تھا۔ مہاراجہ کے مرنے کے بعد رام چند اکالی گڑھ میں رہ کر ۲۴۰۰ روپے پنشن پاتا تھا۔

گورونانک کی وجہ سے یہاں بہت سے گوردوارے ہیں۔ محکمہ اوقاف کی جانب سے سکھوں کی سالانہ تقریبات کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ بھارت سے ایک بڑی تعداد تقریبات میں شرکت کے لئے آتی ہے۔ دنیا کے دوسرے ممالک سے بھی سکھ یاتری ان میں شرکت کرتے ہیں۔

ننکانہ صاحب یکم اپریل ۱۹۲۲ء کو تحصیل بنی۔ ۱۹۸۱ میں تحصیل ننکانہ صاحب کی آبادی ۵۰۹۵۸۸ افراد پر مشتمل تھی جس میں ۲۶۸۱۵۴ مرد اور ۲۴۱۴۳۴ عورتیں تھیں۔ شہر ننکانہ صاحب کی آبادی ۱۹۸۱ء میں ۳۲۸۰۶ مسلم اور ۴۷۷ غیر مسلم افراد پر مشتمل تھی۔ ۱۹۹۲ء میں میونسپل کمیٹی ۲۲ اراکین پر مشتمل تھی اس میں منتخب کونسلرز ۱۸' اقلیت کا نمائندہ ایک' ایک مزدوروں کا نمائندہ اور دو خواتین ہیں' اس سال حاجی محمد صدیق راجپوت گھرانے کے کمیٹی کے چیئرمین تھے۔ ان کے نائب چوہدری نعیم نذیر تھے۔

۹۱ - ۱۹۹۰ میں کمیٹی کی آمدنی ۴۵۱۹۱۹۲ روپے تھی اور اخراجات ۴۳۵۱۲۰۲ روپے' کل ملازمین کی تعداد ۱۵۷ ہے۔ شہریوں کو ۱۹۷۵ء میں پینے کے لئے صاف پانی مہیا کیا گیا۔

موجودہ گورونانک سکول ۱۹۲۸ء میں گوردوارہ پربندھک کمیٹی ننکانہ صاحب نے گوردوارہ میں کھولا تھا۔ ابتدا میں پرائمری سکول تھا ۱۹۵۰ء میں مڈل ہوا۔ ۶۳ - ۱۹۶۲ء میں ہائی سکول ہوا۔ ۱۹۹۶ء میں تعداد طلباء تقریباً ۱۸۰۰ اور اساتذہ ۴۵ - ۱۹۴۷ میں سردار بھولا سنگھ سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے اور ۱۹۹۶ میں میں چوہدری اللہ دتہ' سکھ فاؤنڈیشن کے سرپرست سردار گنگا سنگھ ڈھلوں حال مقیم کینیڈا نے پچیس ہزار کی خطیر رقم سکول کے طلبا کو وظائف اور انعامات کے لئے دی۔ ۱۹۴۲ء میں سکھوں نے سری گورونانک سبھا قائم کی۔ صدر سوہن سنگھ ایک آڑھتی تھا اور نائب صدر لالہ نندلال' آریہ سماج کی تنظیم بھی ننکانہ میں موجود تھی' ننکانہ میں کانگرس کا صدر ڈاکٹر سوہنا مل تھا۔ سکھوں نے گوردوارہ کی آمدنی سے ننکانہ میں ایک ہسپتال قائم کر رکھا تھا۔ ننکانہ میں مسلم لیگ مضبوط بنیادوں پر قائم تھی۔ صدر حکیم محمد عاشق اور سیکرٹری حکیم مہتاب دین تھے۔

حکیم مہتاب الدین تو باقاعدہ ڈائری بھی قلمبند کیا کرتے تھے۔ یہ ڈائری آج بھی ان کے پاس موجود ہے۔

۱۹۶۴ء میں شہر میں ایک کالج قائم ہوا۔ شہریوں کے معززین کی ایک تنظیم انجمن اصلاح تعلیم نے اس کا آغاز کیا۔ ننکانہ کی بلدیہ کا مالی تعاون اس انجمن کو حاصل تھا۔ اس انجمن کے صدر سردار خاں تھے۔ اسسٹنٹ کمشنر اس کے چیئرمین تھے۔ بلدیہ کا سیکرٹری مذکورہ انجمن کا سیکرٹری تھا۔ ۱۹۶۹ء میں اسے ڈگری کالج بنادیا اور گورونانک میموریل ڈگری کالج نام قرار پایا۔ محکمہ اوقاف نے اپنی تحویل میں لے کر اسے ڈگری کالج بنایا اور گورونانک سے منسوب کیا۔ یکم ستمبر ۱۹۷۲ء کو دوسرے تعلیمی اداروں کی طرح مذکورہ کالج بھی محکمہ تعلیم حکومت پنجاب کی تحویل میں چلا گیا۔

کالج کا مجلہ جنم کول کے نام سے نکلا تھا۔ اس کے مدیر اردو کے لیکچرار عبدالکریم تبسم تھے۔ پرنسپل ارتضیٰ احمد قادری کے دور میں اس کا نیا نام مضراب رکھا گیا۔

عبدالکریم تبسم ۱۹۷۰ء سے شعبہ اردو کے صدر ہیں۔ آپ کے والد عبدالعزیز ولد اللہ بخش ہیں۔ عبدالکریم نے ۱۹۶۸ء میں گورنمنٹ کالج شیخوپورہ سے بی اے آنرز کیا تھا۔ اگلے سال اورینٹل کالج لاہور سے ایم اے اردو اعزاز کے ساتھ پاس کیا۔ اردو ہی میں پروفیسر ظفر اقبال ہیں۔ جنہوں نے ایم فل کیا ہے اپنے والد حکیم مہتاب الدین کی ڈائری کو "میں نے پاکستان بنتے دیکھا" کے نام سے گزشتہ برس مرتب کیا ہے۔

پرنسپل صاحبان

۱۔ محمد حسین چوہدری	۲۸-۶-۱۹۶۴	۱-۱-۱۹۶۷
۲۔ شیخ مرید حسین	۶-۱۱-۱۹۶۷	۱-۲-۱۹۷۰
۳۔ ایس ایم ظفر	۲-۶-۱۹۷۰	۱۲-۱۰-۱۹۷۱
۴۔ شمیم فرحت چغتائی	۱۲-۱۰-۱۹۷۱	۲۴-۱-۱۹۷۳
۵۔ محمد اشرف راجہ	۶-۲-۱۹۷۳	۱-۵-۱۹۷۳
۶۔ ارتضیٰ احمد قادری	۲-۵-۱۹۷۳	۶-۲-۱۹۷۴

۷۔ شمیم فرحت چغتائی	۷-۲-۱۹۷۴	۳۱-۸-۱۹۷۶
۸۔ جی ایم دین مرزا	۱-۱۰-۱۹۷۶	۲۰-۶-۱۹۷۷
۹۔ میاں محمد بشیر	۱۶-۱۰-۱۹۷۷	۹-۲-۱۹۸۰
۱۰۔ ایس اے حامد	۹-۱۰-۱۹۸۰	۳۰-۱۱-۱۹۸۳
۱۱۔ عبدالحئی نائک	۱-۱۲-۱۹۸۳	۱-۵-۱۹۸۴
۱۲۔ ڈاکٹر سلطان محمود شاہد	۲-۵-۱۹۸۴	۱۴-۱۰-۱۹۸۶
۱۳۔ میاں محمد صفدر	۱۵-۱۰-۱۹۸۶	۳-۵-۱۹۸۷
۱۴۔ ملک محمد ظہور	۴-۵-۱۹۸۷	۴-۲-۱۹۸۸
۱۵۔ میاں محمد صفدر	۴-۲-۱۹۸۸	۱۵-۲-۱۹۸۸
۱۶۔ صدیق علی مرزا	۱۶-۲-۱۹۸۸	۲۴-۳-۱۹۹۲

موجودہ پرنسپل افضل علوی نے کالج کی فضا کو بڑی حد تک سنوار دیا ہے۔

طالبات کے لئے گورنمنٹ گورونانک ڈگری کالج ۱۹۶۴ء میں قائم ہوا۔ ابتدائی نام میونسپل کالج تھا۔ بعد ازاں اس کا انتظام معززین شہر پر مشتمل ایک انجمن اصلاح تعلیم کے سپرد کردیا۔ ۱۹۶۹ء میں گورونانک کی ۵ سوویں برسی کے موقع پر محکمہ متروک املاک بورڈ لاہور نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا اور نام گورونانک میموریل کالج قرار پایا۔ یکم ستمبر ۱۹۷۲ء کو حکومت نے دیگر تعلیمی اداروں کی طرح اس کالج کو بھی اپنی تحویل میں لے لیا۔ کالج کی اپنی عمارت ہے۔ طالبات کی تعداد ۵۰۰ کے لگ بھگ ہے اور خواتین اساتذہ ۱۵ ہیں آج کل بوائز کالج کے پرنسپل افضل علوی ہی اس کالج کو بطور پرنسپل کنٹرول کر رہے ہیں۔

۱۔ حکیم محمد عاشق ۔ آپ کے والد کا نام مولا بخش ہے۔ محمد عاشق ننکانہ صاحب میں حکمت کرتے تھے۔ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ ننکانہ کے صدر تھے۔ ۲۶ مئی ۱۹۵۶ء کو وفات پائی۔

۲ ۔ حکیم مہتاب الدین ولد حکیم نوردین ولد حکیم محمدین ولد میاں خیردین :(پ ۱۹۱۴ء) آباؤاجداد شرقپور کے رہنے والے تھے۔ شیخوپورہ ضلع بننے پر ۱۹۲۰ میں ننکانہ میں مستقل طور پر آگئے۔ حکمت کے پیشے کو اپنایا۔ ننکانہ کے مڈل سکول سے مڈل کیا۔ ننکانہ صاحب میں جب مسلم لیگ قائم ہوئی تو آپ اس کے فعال رکن بنے۔ ننکانہ اور اس کے گردو نواح

میں ہونے والے سیاسی جلسوں کی روئیداد تحریری طور پر قلمبند کرتے اور مسلم لیگ کے مرکزی دفتر کو ارسال کیا کرتے تھے۔

۳۔ افضل حسین علوی پروفیسر:

قطب شاہی اعوان گھرانہ سے آپ کا تعلق ہے۔ آپ کے والد چوہدری سلامت کارخانہ دار اور دادا چوہدری الٰہی بخش موضع پھول پور ضلع جالندھر کے ایک زمیندار تھے۔ افضل حسین علوی جنوری ۱۹۴۱ء میں پھول پور میں پیدا ہوئے۔ آزادی وطن کے موقعہ پر شیخوپورہ میں آباد ہوئے۔ علوی صاحب نے گورنمنٹ پرائمری سکول گرجاگراؤنڈ شیخوپورہ سے پرائمری کا امتحان پاس کیا۔ شیخوپورہ کے گورنمنٹ ہائی سکول سے ۱۹۵۷ء میں میٹرک' گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۹۶۱ء میں بی اے اورینٹل کالج سے ۱۹۶۴ء میں ایم۔ اے فارسی اور ۱۹۶۶ء میں پرائیویٹ ایم اے اردو کیا۔ کمیشن کے ذریعہ منتخب ہوکر ۱۹ نومبر ۱۹۷۰ء کو گورنمنٹ ڈگری کالج جڑانوالہ میں تقرری ہوئی بطور لیکچرار فارسی' گورنمنٹ کالج لاہور میں ۱۹۸۰ء سے ۱۹۹۲ء تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۲۵ مارچ ۱۹۹۲ء سے گورنمنٹ ڈگری کالج ننکانہ صاحب میں بطور پرنسپل خدمات انجام دے رہے ہیں۔

کالج اور یونیورسٹی میں دوران تعلیم میگزین کے مدیر رہے۔ روزنامہ نوائے وقت میں بطور سب ایڈیٹر ۷۰۔۱۹۶۷ء کام کرنے کا موقعہ ملا۔ اخبارات و جرائد میں باقاعدہ کالم بھی لکھے۔ ٹیلی ویژن پر آپ کے ڈرامے اڈن والا بکرا' سچا ڈاکٹر اور پل خاصے مشہور ہوئے۔

تصانیف : دیکھ لیا ایران (سفرنامہ) باعث تحریر آنکہ (طنز و مزاح) ناقابل فراموش اور عقل و ایمان کے شکاری۔

اردو میں شاعری بھی کرتے ہیں۔ مجموعہ کلام "سب خواب ادھورے میرے" زیر طبع ہے۔

۴۔ محمد علی اردو کے شاعر' قلمی نام شیخ ننکانوی' یکم مارچ ۱۹۱۴ء کو ننکانہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۸ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوکر آزادی وطن کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ وفات ۲۸ فروری ۱۹۸۵ء کو

ننکانہ صاحب میں ہوئی۔ مجموعہ کلام برق بتیاں کے نام سے چھپ چکا ہے۔ (مرغزار مئی ۱۹۹۱ء)

۵ = مرزا نیاز احمد بیگ موضع پٹی ضلع امرتسر کے مہاجر ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں ہجرت کرکے یہاں آباد ہوئے مرزا میراں بخش کے بیٹے اور مرزا نظام دین کے پوتے ہیں۔ نیاز احمد ۱۹۱۰ء کے قریب پٹی میں پیدا ہوئے تھے۔ ننکانہ صاحب میں ۵ مارچ ۱۹۹۵ء کو آپ کا انتقال ہوا۔ ننکانہ صاحب میں آکر آپ نے ایک دوست کے ساتھ مل کر ہر یکے ٹرانسپورٹ سروس کا آغاز کیا۔ لوگوں کو لاہور جانے کے لئے بس کی سہولت مہیا کی۔ آپ کے بڑے بھائی مرزا محمد غنی (۱۹۹۱ ـ ۱۹۰۲) بھی اس سروس میں شریک تھے۔ مرزا نیاز احمد مقامی حلقوں میں بڑی عزت و قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ مرزا صاحب کے دوست رائے شیر محمد موضع ابیاں والہ کے رہنے والے تھے ان کے لڑکے رائے محمد اکبر جن کا انتقال دسمبر ۱۹۹۸ء میں ہوا۔ ننکانہ کے ایک مشہور ٹرانسپورٹر اور غریب پرور انسان تھے۔ محمد اکبر کی وفات کے بعد آج بھی ضرورت مندوں کو ان کی طرف سے وظائف دیئے جا رہے ہیں۔

۶ = راؤ سالار جنگ خاں آپ کے والد صاحب داد خاں ضلع روہتک کے رہنے والے تھے۔ راجپوت گھرانہ سے تعلق ہے۔ سالار جنگ ۱۹۰۹ء میں پیدا ہوئے اور ننکانہ صاحب میں ۱۴ فروری ۱۹۹۶ء کو وفات پائی۔ شہر میں اسلحہ کی دکان تھی۔ آپ کا اکلوتا فرزند راؤ علی شیر شیخوپورہ کالج میں پروفیسر ہے۔

محمد حیات خاں مان گھرانہ سے تعلق ہے ننکانہ میں آڑھت کا کام کرتے تھے۔ مسلم لیگ سے گہرا تعلق ہے۔ قیام پاکستان کے موقعہ پر مہاجرین کی آبادکاری میں بڑا کام کیا۔ محمد حیات کے والد حاجی

غلام محمد ولد علاول بھی پکے مسلم لیگی تھے اور علاول کوٹ کے رہنے والے تھے۔ علاول کوٹ اصل میں مچھرالہ ہی کی آبادی ہے۔ مان اصل میں ہندو جٹ تھے۔ بہاؤالدین ذکر ملتانی کے دور میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ ہستم خاں مسلمان ہوئے تھے۔ اس کی نسل میں سے متہ خان ہوئے جو ضلع گوجرانوالہ کے گاؤں موضع "مانی" سے نقل مکانی کر کے اپنے سسرالی گاؤں گھنگ ضلع شیخوپورہ میں آباد ہوئے۔ ان کی اولاد مچھرالہ اور ونگن سہیل میں آباد ہوئی۔ متہ خاں کا پڑپوتہ امیر علی خاں ولد حسین خاں ولد سہیل محکمہ انہار میں ایس ڈی او تھے۔ آج کل مسلم گنج شیخوپورہ میں رہائش پذیر ہیں۔

محمد حیات کی اولاد میں دو لڑکے اللہ نواز اور رشید احمد ہوئے دو دختران ہیں۔ شمیم بیگم جن کے خاوند مظفر حسین ولد محمد الیاس ولد حاجی غلام محمد محکمہ اکاؤنٹس میں آڈٹ آفیسر ہیں۔ دوسری دختر نذیر بیگم ہے جس کے خاوند غلام علی ولد محمد دین ہیں۔ ان کا پسر محمد ادریس گورنمنٹ کالج شیخوپورہ میں لائبریرین ہے۔

اسی مان گھرانہ کے ایک زیلدار غلام محمد تھے جن کو حکومت نے خاں صاحب کا خطاب عطا کیا تھا۔ آپ کا انتقال قیام پاکستان کے بعد ہوا تھا۔ مچھرالہ کے چوہدری لہنا تھے جن کے داماد چوہدری شاہ محمد ورک زیلدار (وفات ۱۹۵۸ء) نے بڑا نام پایا۔

۱۴- ینگسن آباد

شاہ کوٹ ننکانہ صاحب روڈ' پر مارٹن پور کے قریب یہ گاؤں واقع ہے۔

سکاچ مشن کے پادری جان ڈبلیو ینگسن کے نام پر عیسائیوں نے اسے قائم کیا۔ یہ لوگ ینگسن کی تبلیغ پر عیسائی ہوئے تھے۔ ینگسن کے والد الیگزنڈر ینگسن اور ماں کا نام ہیلن تھا۔ ینگسن ۲۶ مارچ ۱۸۵۲ء کو Pistligo میں پیدا ہوئے۔ ایبرڈین یونیورسٹی سے ۱۸۷۳ء میں ایم اے کیا۔ ۱۸۸۴ء میں .B.D اور ۱۸۹۳ء میں .D.D کی ڈگری لی۔ دسمبر ۱۸۷۵ء میں مشنری کی حیثیت سے پنجاب میں آئے۔ گجرات اور وزیر آباد کے سکاچ مشن کے مراکز کا انتظام سنبھالا۔ گجرات میں رہائش رکھی۔ اردو سیکھی' پانچویں اور چھٹی جماعت کو بائبل پڑھاتے تھے۔ گجرات وزیر آباد اور جلال پور جہاں تبلیغ کے لئے جایا کرتے' ۱۸۸۵ء میں سکاچ مشن سیالکوٹ چلے آئے۔ اس سال لاہور میں حکومت نے ایک تعلیمی کانفرنس بلائی۔ کانفرنس میں تعلیمی کوڈ کو زیر بحث لایا گیا۔ حکومت نے اس کانفرنس میں ڈاکٹر ینگسن کو بھی مدعو کیا تھا۔ اپریل ۱۸۹۰ء میں امرتسر میں منعقدہ مشنری کانفرنس میں شرکت کی۔ ۱۹۰۷ء میں آپ مشن کی ملازمت سے سبکدوش ہوگئے۔ ۲۷ جولائی ۱۹۲۰ء کو آپ نے وفات پائی۔

تصانیف ۔ (انگریزی زبان میں) حقیقی قربانی' قواعد یونانی' ست گر' چوہڑوں کی تاریخ اور پنجاب مشن کے چالیس سال۔

اولاد ۔ الیگزینڈر' ولیم' جان' جیمز' رابرٹ' ارنسٹ' ہیلن' مارگریٹ' الزبتھ' میری

ینگسن آباد میں بچوں کی تعلیم کے لئے ایک مڈل سکول موجود ہے۔ اس گاؤں کے علاوہ ضلع شیخوپورہ میں اور بھی عیسائیوں کے گاؤں ہیں۔

(i) واربرٹن

شیخوپورہ سے ۳۴ کلومیٹر دور واربرٹن ایک گاؤں ہے جو ایک پولیس آفیسر واربرٹن کے نام پر عیسائیوں نے موجودہ صدی کے ابتدائی سالوں میں آباد کیا غلہ کی ایک بڑی منڈی

بھی ہے۔

(ii) مارٹن پور

ضلع شیخوپورہ میں شاہ کوٹ اور ننکانہ صاحب روڈ پر ایک گاؤں مارٹن پور بھی عیسائیوں کا ہے۔ عیسائیت کی تبلیغ کے سلسلے میں گزشتہ صدی کے آخری سالوں میں پادری مارٹن کی ضلع گوجرانوالہ میں بڑی خدمات ہیں۔ ان کی یاد میں مارٹن پور موجودہ صدی کی ابتدا میں قائم ہوا تھا۔ لڑکے اور لڑکیوں کے لئے الگ الگ ہائی سکول ہیں۔

(iii) مریم آباد

لائل پور کے قیام کے دور میں ۱۸۹۳ء میں ایک گاؤں مریم آباد کی بنیاد رکھی گئی۔ رومن کیتھولک مشن نے آباد کیا ہے۔ یہاں ہر سال ستمبر کی ۷، ۸ تاریخ کو مریم کا میلہ لگتا ہے۔ بڑی تعداد میں عیسائی اس میلہ میں شرکت کرتے ہیں۔ شیخوپورہ سرگودھا روڈ پر خانقاہ ڈوگراں سے ڈیڑھ کلومیٹر دور جنوب میں ۳ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ مریم آباد میں صرف پرائمری سکول ہے۔

(iv) گوریاں

ضلع شیخوپورہ میں کالاخطائی روڈ پر میرا ننھیالی گاؤں گوریاں ہے جس کے مکیں سب مغل ہیں۔ میری والد مرحومہ اقبال بیگم، گوریاں کے ایک بڑے زمیندار مرزا شہاب الدین بیگ کی بیٹی اور گلاب بیگ ولد شادا بیگ ولد تاجو بیگ کی پوتی تھی۔ لوہار، ترکھان، راج اور سنار جو چند دہائیوں سے اپنے آپ کو مغل کہلواتے ہیں ہم کو ان سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ گوریاں کے چند گھرانے خالد روڈ، شیخوپورہ پر آباد ہیں تفصیلات کے لئے دیکھئے تذکار محمود اظہار سنز اردو بازار لاہور۔(۱۹۹۸)

باب = ۱۱

شخصیات

الف ۔ عہد قدیم
(i) اولیائے اللہ اور علماء و فضلا

۱ ۔ پیر فتح الدین
۲ ۔ شاہ بلاول
۳ ۔ نعمت اللہ، حاجی دیوان
۴ ۔ شاہ جمال
۵ ۔ شاہ مراد
۶ ۔ قلندر شاہ
۷ ۔ شاہ سردار قادری
۸ ۔ پیر بہادر شاہ
۹ ۔ میاں شیر محمد شرقپوری



کتبہ۔ جنڈیالہ شیر خان



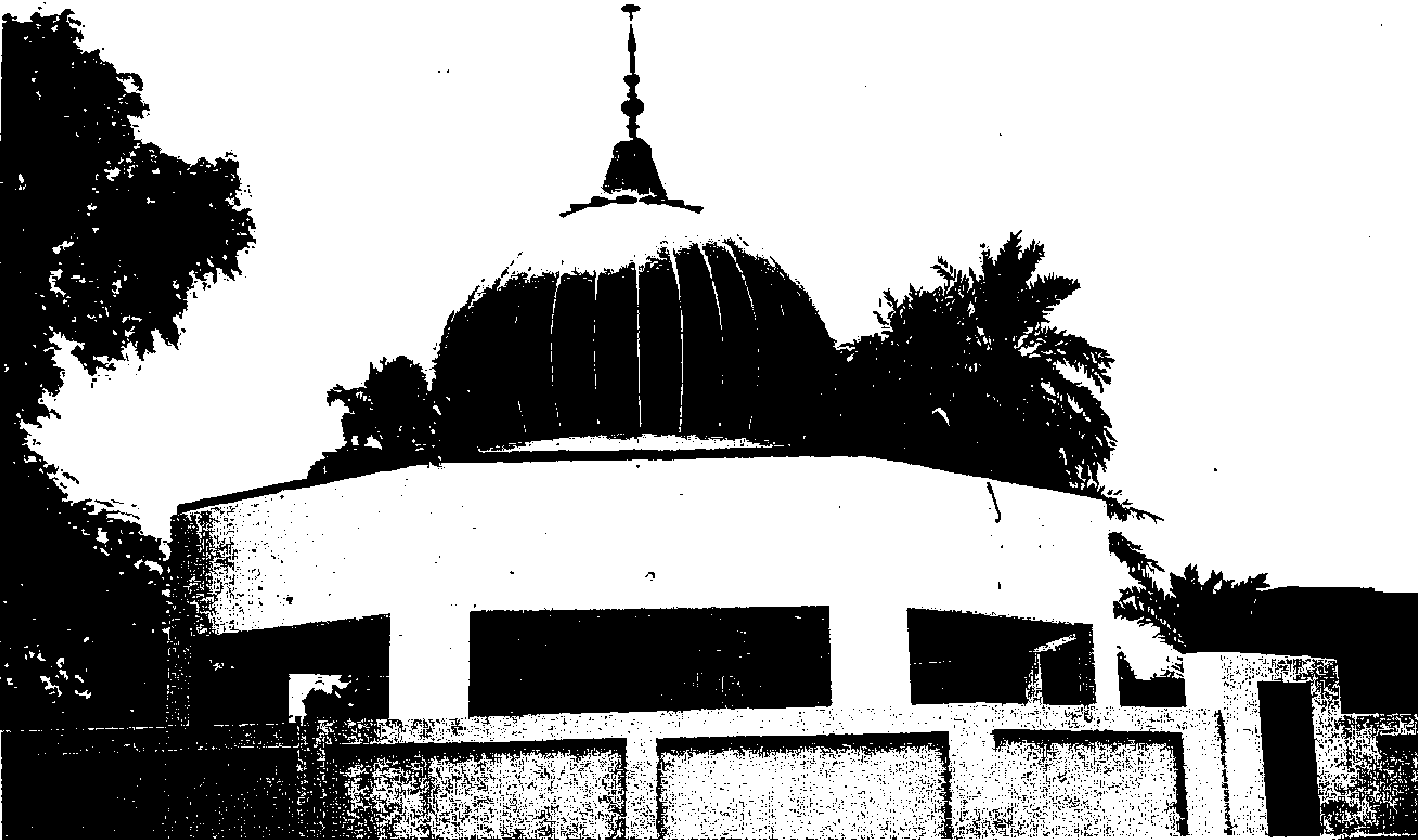
قبر۔ وارث شاہ



مزار پیر فتح محمد شاہ



مزار شاہ جمال



مزار پیر بہار شاہ



سر گنگا رام (۱۸۵۱۔۱۹۲۷)



ڈاکٹر عنایت اللہ سلیمی (اگست ۱۹۳۱)



غلام باری سلیمی۔ ایڈووکیٹ

۱۔ پیر فتح الدین

شیخوپورہ شہر میں طارق روڈ کے شروع میں مشرقی جانب میں ایک قدیم قبرستان ہے۔ اس کے شمال مشرقی کونہ میں پیر فتح الدین کا مزار ہے۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ شاہ بہاالحق ملتانی کے پوتے تھے۔

۲۔ شاہ بلاول قادری

سلسلہ قادریہ کے ایک بزرگ' سید عثمان کے بیٹے اور سید عیسٰی کے پوتے تھے۔ ہرات کے رہنے والے تھے۔ دونوں باپ بیٹا ولی کامل تھے اور مغل بادشاہ ہمایوں (۱۵۵۶ ۔ ۱۵۳۰) کے ہمراہ ہندوستان آئے۔ بادشاہ نے شیخوپورہ کا علاقہ ان کو بطور جاگیر دیا۔ شیخوپورہ ہی میں شاہ بلاول پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں ان کے والد سید عثمان اکبری عہد (۱۶۰۵ ۔ ۱۵۵۶) میں ان کو لاہور لے آئے۔ شیخ فتح محمد المشہور شیخ فنا کی مسجد میں حصول تعلیم کے لئے داخل کرا دیا۔ چھ ماہ میں آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا۔ چھوٹی عمر تھی کہ آپ کے والد ماجد اس فانی دنیا سے کوچ کر گئے۔ محبوب الواصلین میں لکھا ہے کہ شاہ جہاں بادشاہ دو دفعہ آپ کی خدمت میں معہ شہزادگان کے حاضر ہوا تھا۔ دارشکوہ اپنی تصنیف سفینۃ الاولیاء میں لکھتا ہے کہ وہ بھی آپ کی خدمت میں حاضری دے چکا ہے۔ آصف جاہ اور دوسرے امراء اکثر ان کی خدمت میں آیا کرتے تھے۔ لاہور ہی میں شاہ بلاول نے ۷۲ برس کی عمر میں شاہ جہاں کے عہد میں ۱۰۴۶ھ بمطابق ۱۶۳۶ء میں وفات پائی۔ موضع بھوگی وال کے متصل راوی کے کنارے تدفین ہوئی۔ مزار پر عالی شان گنبد تعمیر ہوا اور ایک باغ بھی مزار کے ساتھ لگایا گیا۔

شاہ بلاول شیخ شمس الدین مرید شاہ ابواسحاق کے مرید تھے۔ آپ بڑے عبادت گزار تھے۔ ہمیشہ رات دن آپ کا لنگر جاری رہتا۔ لاہور کے مقام پر دریائے راوی نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور میں اپنا رخ تبدیل کرلیا۔ اس سے مقبرہ کی ایک دیوار گر پڑی۔

مہاراجہ کے حکم سے فقیر نورالدین نے آپ کی لاش جو صندوق میں بند تھی کو قبر سے نکالا' راجہ دینا ناتھ کے باغ کے متصل دفن کردیا۔ ہزار ہا مسلمانوں نے زیارت کی۔ لاہور میں ۲۸ شعبان کو آپ کا عرس منایا جاتا ہے۔

۳۔ نعمت اللہ

خانقاہ ڈوگراں میں آپ کا مزار ہے۔ حاجی دیوان سہروردی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا اصل نام اسماعیل ہے۔ آپ ہالہ سندھ کے بزرگ مخدوم شیخ نوح کے مرید تھے۔ چار سو سال ہوئے اسماعیل موضع لاڈوانہ ضلع لاہور میں بعد میں خانقاہ ڈوگراں میں آکر آباد ہوئے۔ یہیں بیٹھ کر خدا کی عبادت میں مشغول ہوئے۔ اس وقت مسور ڈوگر خانہ بدوش یہاں رہتا تھا۔ وہ آپ کا مرید ہوا۔ پھر دوسرے لوگ بھی مرید ہوئے۔ آہستہ آہستہ یہاں آبادی ہوگئی۔ یہیں ۱۰۱۱ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کے مرقد مبارک پر قطعہ تاریخ وصال درج ہے:

آفتاب حقیقت و عرفان نعمت اللہ پیر قطب زمان
ازمریدان خاص حضرت نوح آنکہ بود است مقتدائے جہاں
از حضور جناب مرشد خود شد ملقب بہ حاجی دیوان
نائب سہروردیان عظام خطہ ڈوگراں بدو نازان
روضہ اش راکہ نوریزب ہست روضتہ من ریاض جنتہ دان
گرتو خواہی خبرز سال وصال روضہ اش رابین و روضہ بخوان
۱۰۱۱ھ

ہمہ اولاد اوگرامی باد
بحر فیضش ہمیشہ روان

چار گنبد ہیں ان میں یہ بزرگ آسودہ خاک ہیں:

پہلے گنبد میں حاجی دیوان سہروردی آرام فرما ہیں۔

دوسرا گنبد پیر شاہ صاحب کا ہے' عربی میں کتبہ ہے اس کا ایک شعر جس میں مادہ تاریخ

ہے۔

یک ہزار دوصد یک سال ہجری صاحبا
گر ہے خواہی کہ یابی وقت واصل حق شدن

گویا ۱۲۰۱ھ میں آپ کی وفات ہوئی ہے۔

تیسرا گنبد حضرت لعل شاہ صاحب بہادر برادر پیر شاہ صاحب کا ہے۔ اس پر ان کے مرید رکن عالم کی تحریر ہے' چوتھا گنبد حضرت صدر دیوان صاحب سہروردی کا ہے۔

روایت ہے کہ حاجی نعمت اللہ کے والد ماجد کا مزار ننکانہ صاحب کے ایک گاؤں لاڈوانہ میں ہے۔ یہ گاؤں آپ کا ننہالی تھا۔

۷۲ ـ ۱۸۷۱ء کے وقت حضرت دیوان سہروردی کے مزار پر ۱۲ جولائی کو ۵ یوم کے لئے ایک میلہ ہوتا تھا۔ تقریباً بارہ ہزار لوگ آتے تھے۔

۴ ـ شاہ جمال

قلعہ شیخوپورہ کے دامن میں۔ شمالی مشرقی جانب آپ کا مزار ہے۔ انیسویں صدی کے نصف اول میں بھی یہ مزار موجود تھا۔ گنیش داس وڈیرہ اپنی فارسی تصنیف میں ذکر کرتا ہے:

''خانقاہ شاہ موتی المعروف شاہ جمال کے قریب' جہاں گیر بادشاہ نے ایک گاؤں اپنے نام سے آباد کر کے اردگرد کے علاقہ کو شکار گاہ بنایا''

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا نام شاہ موتی تھا اور مغل بادشاہ جہانگیر(۱۶۰۵ ـ ۱۶۲۷) کے دور حکومت میں بھی مزار موجود تھا۔ یعنی آپ جہانگیر کے دور سے پہلے وفات پاچکے تھے۔

شاہ جمال کے مزار کے قریب درخت بڑی تعداد میں ہیں۔ دسمبر ۱۹۷۲ء میں محکمہ اوقاف حکومت پنجاب نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا ہے۔ ہاڑ کی دوسری جمعرات کو دو روزہ عرس ہوتا ہے۔ مزار کے جنوب میں چار قبور ہیں جو آپ کے سجادہ نشینوں کی ہیں۔ پہلے سجادہ نشین درباری شاہ ثانی تھے جن کا انتقال ۳ دسمبر ۱۹۵۰ء کو اسی برس کی عمر میں ہوا۔ دوسرے میاں محبت دین شاہ ولد درباری شاہ وفات ۸ ماہ چیت ۱۹۶۲ء سمت بمطابق مارچ

۱۹۰۳ء عمر ۴۵ سال' تیسرے میاں فضل دین ولد شاہ درباری وفات ۸ پھاگن ۱۹۶۳ سمت اور چوتھے میاں محمد علی ولد فضل شاہ وفات ۷ مئی ۱۹۷۰ء۔

۵۔ شاہ مراد

قریشی سہروردی گھرانے سے تعلق تھا۔ والد شیخ کرم شاہ المعروف میتا شاہ تھے۔ دادا شیخ ابوالفتح المعروف بہ حضرت شاہ جی کا مزار درگاہ قطب عالم میکلوڈ روڈ لاہور میں ہے۔ سکھوں کے افراتفری کے زمانہ میں ۱۷۷۰ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ شاہ مراد کا اصل نام غلام رکن الدین ہے۔ نسب نامہ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب سے جا ملتا ہے۔ ان کی نسل میں سے رتہ پیراں کے غلام دستگیر نامی ہوئے ہیں۔

۱۸۰۲ء میں آپ نے وفات پائی اور موضع مردانہ تحصیل فیروزوالہ میں مدفون ہوئے۔ مراد شاہ کئی تصنیفات کے مالک ہیں۔ دیوان کے علاوہ متعدد چھوٹی چھوٹی مثنویاں یادگار چھوڑی ہیں۔ اردو منظوم خط موسوم نامہ مراد' اردو میں منظوم تکس نامہ۔ شاہ صاحب کی اردو شاعری میں قادر الکلامی کا ثبوت ہیں۔ نامہ مراد کو غلام دستگیر نامی نے ۱۹۵۱ء میں شائع کیا۔ دیوان مراد کو نامی نے رسالہ اردو شمارہ جلد ۲۶ جولائی ۱۹۴۶ء میں شائع کیا۔

۶۔ قلندر شاہ پیر

آپ شاہ مراد کے بھائی تھے۔ ۱۷۷۱ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد شیخ کرم شاہ کے چچا پیر بخش سے حاصل کی۔ ۱۷۸۲ء میں اپنے والد کے ہمراہ لکھنؤ چلے گئے۔ بریلی میں حضرت بدرالدین رہتکی سے بیعت کی اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ الہ آباد اور بنارس سے ہوتے ہوئے ۱۷۹۵ء میں لکھنؤ پہنچے۔ واپس لاہور آئے اور موضع رتہ تحصیل فیروزوالہ میں رہنے لگے۔ رتہ ہی میں ۱۷ فروری ۱۸۳۳ء کو انتقال ہوا۔

تصانیف: دیوان قلندر شاہ' حلیہ شریف درود' معراج نامہ۔

۷۔ شاہ سردار قادری

اپنے دور کے نامور شیخ تھے۔ علوم ظاہری، باطنی، فقہ، حدیث و تفسیر میں یگانہ روزگار، لاہور سے چھ کوس دور موضع باہکوال میں سکونت رکھتے تھے۔ یہیں تمام عمر درس و تدریس اور ہدایت خلق میں مصروف رہے۔ ۱۱۸۴ھ میں باہکوال میں رحلت فرمائی اور یہیں آسودہ خاک ہیں۔

۸۔ بہار شاہ پیر

شیخوپورہ کے مشرق میں آپ کا مزار ہے۔ ۱۳۴۱ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ محرم کی ۱۹ تاریخ تھی۔ جیٹھ کی پہلی جمعرات کو عرس ہوتا ہے لوگوں کی ایک بڑی تعداد شرکت کرتی ہے۔ محکمہ اوقاف کی تحویل میں ہے۔ پروفیسر شجاعت علی تصور کا کہنا ہے کہ ان کے چچا چوہدری فتح علی ولد غلام علی موضع پکھیالہ ضلع شیخوپورہ کے رہنے والے تھے۔ فتح علی نے پیر بہار شاہ کو دیکھا تھا۔ بہار شاہ موضع فتح ریحان میں رہائش رکھتے تھے اور پکھیالہ آتے جاتے رہتے تھے۔ بہار شاہ نے جب اس دارفانی سے کوچ کیا تو آپ کو فتح ریحان میں دفن کیا۔ فتح علی نے خود نماز جنازہ میں شرکت کی تھی اور تدفین میں بھی حصہ لیا تھا۔ انہی دنوں شیخوپورہ ضلع بن گیا۔ ضلعی حکام کی خواہش پر آپ کے جسد خاکی کو شیخوپورہ لاکر دوبارہ دفن کیا گیا اور فتح ریحان میں آپ کا لباس وغیرہ سپرد خاک کردیا۔ اس بات کی تصدیق ملک محمد اختر پسر ملک محمد انور اور محمد یحییٰ سلیم پسر ملک برکت علی ایڈووکیٹ نے بھی کی ہے۔ مراد خورد کے حاجی سردار محمد ولد دین محمد رحمانی (پ ۱۹۱۵ء) بھی کہتے ہیں کہ ان کے والد دین محمد اپنے ایک دوست حیات محمد ولد مکھن کے ہمراہ شیخوپورہ میں پیر بہار کی تدفین کے وقت موجود تھے۔

۹۔ شیر محمد شرقپوری

ایک بڑی روحانی شخصیت جن کی وجہ سے شرقپور کے ساتھ شریف کا لاحقہ قصبہ کے

نام کا ایک حصہ بن گیا ہے۔ شرقپور ہی میں آپ آسودہ خاک ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی میاں عزیز الدین ہے نسب نامہ یہ ہے۔

میاں عزیزالدین بن محمد حسین بن حافظ محمد عمربن محمد صالح بن حافظ محمد بن حافظ ہاشم۔

شیر محمد ۱۸۶۵ء میں شرقپور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے چچا میاں حمیدالدین سے حاصل کی۔ پھر طریقہ نقشبندیہ مجددیہ میں خواجہ امیرالدین سے بیعت ہوئے۔ یہ سلسلہ طریقت حضرت مجدد الف ثانی تک پہنچتا ہے۔ آپ کی ساری عمر اتباع شریعت کی تبلیغ میں صرف ہوئی۔ لاکھوں گم کردہ راہ لوگوں کو راہ مستقیم دکھائی۔ میاں صاحب ۲۸ اگست ۱۹۲۸ء کو اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ آپ کی اولاد نے آپ کی زندگی ہی میں داغ مفارقت دے دی تھی۔ میاں صاحب کا عرس مبارک ۲ اور ۳ ربیع الاول کو منایا جاتا ہے۔

چار باغ پنجاب سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ شیخوپورہ میں ایک بزرگ بارہ ہزاری کا مزار بھی ہے۔ انتہائی کوشش کے باوجود ان کا سراغ نہیں لگایا جاسکا۔

(ii) مغلیہ عہد

۱۔ ارادت خاں

۲۔ جہانگیر شہنشاہ

۳۔ سکندر معین

۴۔ سلطان بیگ مرزا

۵۔ مومنا حکیم

۶۔ نادرہ بیگم

۱۔ ارادت خان

سکندر معین کے بعد جہانگیر آباد کی جاگیر ارادت خان کو دے دی۔
ارادت خان جہانگیر کے دور حکومت میں بڑے اثر و رسوخ والا شخص تھا۔ ۱۰۳۰ھ میں کشتواڑ کے علاقہ میں زمینداروں نے جو فتنہ و فساد برپا کر رکھا تھا۔ ان کی سرکوبی کے لئے جلال ولد دلاور خان کو بھیجا گیا تھا مگر وہ ان پر قابو نہ پاسکا اس لئے ارادت خان کو حکم دیا گیا کہ وہ فوراً کشتواڑ جاکر باغیوں کی سرکوبی کرکے نظم و نسق کو بحال کرے۔ چنانچہ وہ اسی وقت کشتواڑ گیا اور باغیوں کا قلع قمع کرکے امن و امان بحال کردیا۔ لشکریوں کو مضبوط اور فوجی چوکیوں کو مستحکم کرکے واپس کشمیر لوٹ گیا۔ اس فتح کی خوشخبری کو ارادت خان کے ایک ملازم غیاث الدین نے عرض داشت کے ذریعہ جہانگیر کی خدمت میں پیش کیا۔ بادشاہ نے اس خدمت کے صلے میں ارادت خان کے منصب میں پانچ سو سواروں کا اضافہ کیا۔ اگلے برس بھی اسی علاقہ کے زمینداروں کے فتنہ و فساد کو ارادت خان نے فرو کیا۔ ارادت خاں کے طرز سلوک سے کشتواڑہ کی رعایا خوش نہیں تھی اس لئے جہانگیر نے ارادت خاں کی جگہ اعتقاد خان کو کشمیر کا صوبیدار مقرر کرکے خلعت و انعام سے سرفراز کیا۔ ارادت خان ۱۰۲۹ھ میں کشمیر کا گورنر نامزد ہوا تھا۔
۱۰۳۳ھ میں جلوس کے اٹھارہویں جشن نوروز جہانگیر نے ارادت خاں کو فاضل خان کی جگہ بخش گری کے عہدہ پر فائز کیا۔ جہانگیر اکتوبر ۱۶۲۷ء صبح کے وقت انتقال کرگیا۔ جہانگیر کی وفات کے فوراً بعد آصف خاں نے ارادت خان کے مشورہ سے داور بخش ولد خسرو کو قید سے نکال کر تخت سلطنت پر بٹھادیا۔

۲۔ جہانگیر (۱۶۰۵ - ۱۶۲۷)

خاندان مغلیہ کا چوتھا مغل شہنشاہ جو ایک راجپوت رانی معروف بہ مریم زمانی کے بطن سے فتح پور سیکری کے مقام پر ایک تارک الدنیا بزرگ شیخ سلیم چشتی کی خانقاہ میں پیدا ہوا۔ جن کی دعا اس کی ولادت کا موجب بتائی جاتی ہے۔ جہانگیر ۳۱ اگست ۱۵۶۹ کو پیدا ہوا تھا۔

اکبر اعظم نے شیخوپورہ کا علاقہ جہانگیر کی تحویل میں دیا تھا جسے اس نے بڑی ترقی دی' آباد کیا' عمارتیں تعمیر کر کے اور ایک خوبصورت باغ بنا کر اسے ایک بہترین سیرگاہ بنادیا۔ اپنے چہیتے ہرن کی قبر بنا کر اس پر ایک مینار تعمیر کرایا جو آج بھی موجود ہے اور ملکی و غیر ملکی لوگ تفریح کے لئے یہاں آتے ہیں۔ اسی مغل شہنشاہ کی نسبت سے اس شہر کا نام شیخوپورہ ہے۔

۳۔ سکندر معین

تزک جہانگیری کے مطابق مغل بادشاہ جہانگیر (۱۶۲۷ - ۱۶۰۵) نے جہانگیر آباد کی شکار گاہ کا علاقہ اپنے مقرب قراول سکندر معین کو عنایت کر دیا تھا۔ سکندر نام کے ساتھ مائی (Mai) کا لفظ بھی کہیں استعمال ہوا ہے۔ معین تو معین الدین کا مخفف ہے اگر مائی اور معین درست ہے تو یہ Main قبیلہ کی طرف اشارہ ہے جو بھٹی کی ایک شاخ ہے جو چودھویں صدی عیسوی میں مسلمان ہوئے تھے۔

۴۔ مرزا سلطان بیگ

نورجہاں بیگم کے والد مرزا غیاث بیگ کا عم زاد تھا۔ مرزا سلطان بیگ کو بادشاہ شاہ جہاں نے ایک انگریزی رائفل بطور تحفہ عنایت کی تھی۔ مرزا ایک دن ہرن مینار (شیخوپورہ) کی طرف شکار کو گیا' بھری ہوئی بندوق ہاتھ میں تھی۔ خدا جانے کیا واقعہ ہوا کہ وہ اس کے ہاتھ میں پھٹ گئی اور وہ اسی صدمہ سے بدھ کے دن ۱۷ شوال ۱۰۶۸ھ کو خود ہی قضا کا شکار ہو گیا' تدفین لاہور میں ہوئی۔

۵۔ مومنا حکیم

آپ شیراز کے رہنے والے تھے۔ جہانگیر کے دور حکومت میں ہندوستان وارد ہوئے اور مہابت خان کی ملازمت اختیار کی۔ بعد ازاں آپ دربار شاہی سے متوسل ہوئے شاہ جہاں نے انہیں دو ہزاری منصب دار بنادیا۔ بڑے ہوشیار اور ہردلعزیز طبیب تھے۔

۶۔ نادرہ بیگم

۷ اپریل ۱۶۴۶ء کو جہانگیر بادشاہ اپنی فوج کے ہمراہ جہانگیر آباد میں خیمہ زن ہوا تو اس کے ہمراہ نادرہ بیگم بھی تھی۔ تکان کے سبب نادرہ بیگم کی طبیعت ناساز ہوگئی۔ تکلیف روز بروز بڑھ رہی تھی۔ شہزاد کو حکم ہوا کہ جہانگیر آباد میں قیام رکھو۔ علاج کے لئے حکیم مومنا کو ان کے پاس چھوڑا۔ تندرست ہونے پر دارشکوہ ان کو ساتھ لے کر چالیس روز کا سفر سولہ روز میں طے کر کے کابل پہنچا۔

نادرہ بیگم' سلطان پرویز کی دختر تھی۔ ۱۱ فروری ۱۶۳۳ء کو دارشکوہ کے ساتھ اس کی شادی ہوئی۔ نادرہ بیگم کا انتقال سفر کے دوران بلوچستان میں ہوا۔ دارشکوہ نے گل محمد بلوچ کی نگرانی میں اس کی میت تدفین کے لئے لاہور روانہ کی تھی۔ قبرستان میاں میر میں مزار ہے۔ وفات ۱۰۶۹ء بمطابق ۱۶۵۹ء۔

(iii) سکھ عہد

۱۔ گورونانک
۲۔ رائے بلار
۳۔ نکائن رانی
۴۔ جنداں رانی
۵۔ دلیپ سنگھ مہاراجہ
۶۔ امیر سنگھ
۷۔ بے سنگھ
۸۔ جمعدار خوشحال سنگھ
۹۔ راجہ ہربنس سنگھ
۱۰۔ رام چند
۱۱۔ دھیان سنگھ
۱۲۔ جودھ سنگھ
۱۳۔ جوالا سنگھ
۱۴۔ بچنا
۱۵۔ ہنری اشٹین واخ
۱۶۔ راجہ ہیرا سنگھ
۱۷۔ مان سنگھ
۱۸۔ فتح سنگھ راجہ
۱۹۔ ادینہ بیگ

۱۔ گورونانک

موضع تلونڈی کے مسلمان جاگیردار رائے بھوئے (Bhoe) کی جاگیر کا منتظم شیورام ولد رام نرائن بیدی تھا۔ شیورام کی بیوی کے ہاں دو لڑکے کالو چند ۱۴۴۰ء میں اور لالوچند ۱۴۴۴ء میں پیدا ہوئے۔ رائے بھوئے کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا رائے بولار جاگیر کا مالک ہوا۔ شیورام کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا کالوچند اپنے باپ کی جگہ کام کرنے لگا۔ کالو کی بیوی تری پتہ (Tripata) لاہور کی رہنے والی تھی۔ ان کے ہاں ایک لڑکی نانکی اور ایک لڑکا نانک ۳۰ اکتوبر ۱۴۹۶ء کو تلونڈی میں پیدا ہوا۔ ایک روایت میں ان کی تاریخ ولادت ۱۵ اپریل ۱۴۶۹ء ہے۔ وفات آپ کی ۲۲ ستمبر ۱۵۳۹ء کو کرتارپور میں ہوئی۔ سکھ مت کے بانی ہوئے۔ ۱۴۸۷ء میں آپ کی شادی موضع لکھو کی تحصیل پٹیالہ ضلع گورداسپور میں مولا کھتری کی بیٹی سلکھنی سے ہوئی۔ اولاد میں ایک لڑکا شری چند ۱۴۹۴ء میں اور دوسرا لڑکا لکھی داس ۱۴۹۶ء میں پیدا ہوا۔

۲۔ رائے بلار

رائے بھوئے کا داماد دولت خاں لودھی گورنر پنجاب تھا۔ دولت خاں لودھی نے رائے بھوئے کو پنجاب میں ایک جاگیر دی جس میں موضع تلونڈی واقع تھا۔ رائے بھوئے کا لڑکا رائے بلار ہوا۔ گورونانک کا باپ کالو اس کا ملازم تھا۔ رائے کی زمینوں کی دیکھ بھال کالو کے سپرد تھی علاوہ ازیں کالو موضع کا پٹواری بھی تھا۔ نانک نے اشیائے صرف خریدنے کے لئے باپ کی طرف سے دیئے ہوئے ۴۰ روپے کی کھانے پینے کی اشیاء بھوک و افلاس کے مارے ہوئے فقیروں میں "سچا سودا" کے مقام پر تقسیم کیں تو گھر واپس آکر باپ کے ڈر کی وجہ سے درخت کی شاخوں میں چھپ گیا۔ اس موقع پر رائے بلار نے اپنی جیب سے کالو کو چالیس روپے دے کر نانک کو بچالیا۔ اس نے نانک کو موسم گرما میں مویشی چرانے کے دوران درخت کے سایہ تلے سوتے ہوئے ایک سانپ کو سایہ کئے ہوئے دیکھا تھا اور نانک کے روشن مستقبل کا اندازہ لگالیا۔ رائے بلا کی اولاد کے سلسلہ میں تاریخ خاموش ہے۔

۳۔ نکائن رانی (Nakain)

اصل نام راج کور تھا۔ سردار خزان سنگھ نکائی کی دختر تھی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ سے راج کور کی شادی ہوئی تو ۱۸۰۲ء میں کھڑک سنگھ پیدا ہوا۔ دوسرا لڑکا نونہال سنگھ ۱۸۲۱ء میں ہوا۔ قلعہ شیخوپورہ کو فتح کرنے کے لئے جنوری ۱۸۰۸ء میں ۴ ہزار فوجی زیر نگرانی غوث خاں کمانڈر آف مہاراجہ اٹاری اور سردار حکما سنگھ کو بھیجا۔ سردار کھڑک سنگھ ابھی چھ سال کا بچہ تھا لیکن ناموری کے لئے اسے اس مہم کا انچارج مقرر کیا گیا۔ قلعہ فتح ہونے پر اسے کھڑک سنگھ کی جاگیر میں دے دیا۔ کھڑک سنگھ کے ہمراہ اس کی ماں نکائن قلعہ شیخوپورہ میں رہنے لگی۔ قلعہ شیخوپورہ میں رانی نکائن ۲۰ جولائی ۱۸۳۸ء کو دن کے سہ پہر مرگئی۔ شہزاد کھڑک سنگھ کو بہت رنج ہوا۔ انارکلی کے مزار کے قریب اس کی چتا کو جلایا گیا۔

رانی کے مرنے کے بعد مہاراجہ نے اس کے علاقہ پر قبضہ کرنے کے لئے اپنی فوج بھیجی اسی سلسلہ میں فورڈ Forde اور اسٹین باخ کی پلاٹون کو شیخوپورہ بھیجا تاکہ وہ مہاراجہ کا رعب اور جلال قائم کریں۔ کھڑک سنگھ نے اپنے چھتری بان الہیا کو مہاراجہ کے پاس لاہور بھیجا کہ اس نے شیخوپورہ فوج کیوں بھیجی ہے؟ شیخوپورہ میں کس نے بغاوت کردی ہے؟ کھڑک سنگھ نے مزید کہلوا بھیجا کہ اس کی زندگی' جائیداد اور مملکت سب کچھ مہاراجہ کا ہے۔ لوگوں کو جب اس کی وجہ معلوم ہوگی تو وہ بہت برا محسوس کریں گے۔ کھڑک سنگھ نے مشورہ دیا کہ تیرہ روز کے لئے اس کو ملتوی کردیا جائے۔ مہاراجہ قلعہ میں آیا اور راجہ کلاں (راجہ دھیان سنگھ) اور بیلی رام کو حکم دیا کہ اگر کھڑک سنگھ تحریری طور پر پانچ لاکھ روپیہ دینا قبول کرلے تو وہ فوج واپس بلوالے گا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ زر و جواہر کا بہت حریص انسان تھا۔ رانی نکائن کی موت کے بعد ۲۵ جولائی ۱۸۳۸ء کو مہاراجہ نے کرنل گلاب سنگھ کو حکم دیا کہ وہ کھڑک سنگھ (کنور جی) کے پاس (شیخوپورہ) جائے اور اسے حکم دے کہ وہ اپنی ماں کی ریاست اپنے قبضہ میں رکھ سکتا ہے لیکن قدیم گھوڑسواروں اور پلاٹون سے دست بردار ہوجائے۔ علاوہ ازیں وہ گاؤں خان پور کو مہاراجہ کے لئے چھوڑ دے اور تمام نقد روپیہ اسے بھیج دے۔ صرف زیورات اوراس طرح کی دوسری چیزیں وہ رکھ سکتا ہے۔ اسی دوران مہاراجہ نے مائی صاحبہ نکائن کی

حدود سے موضع خان پور لے کر اشٹین باخ (Stainbach) کو تنخواہ کے بدلے میں دے دیا۔

یکم اگست ۱۸۳۸ء کو مہاراجہ قلعہ شیخوپورہ گیا۔ شہزادہ کھڑک سنگھ کے سر پر پگڑی باندھی اور ۱۵ نفیس پارچہ جات اور ایک گھوڑا بمعہ سونے کی زین کے عطا کیا۔ اس کے علاوہ تین جواہرات اور دو سو روپے نقد بھی دیئے۔ سردار چیت سنگھ' اجیت سنگھ' جھنڈا سنگھ' راجہ دھیان سنگھ' جمعدار خوشحال سنگھ' سردار لہناسنگھ مجیٹھیہ اور دوسرے بہت سے سکھ سرداروں نے تحفے دیئے۔ کھڑک سنگھ نے بھی بدلے میں مہاراجہ کے حضور نذرانے پیش کئے۔

نکائن کی رہائش اصل میں جھبراں میں تھی جہاں گاؤں کے جنوب مغرب میں ایک وسیع و عریض حویلی تھی جو آج اپنا وجود کھوچکی ہے۔ اس کے تباہ شدہ کھنڈرات پر بڑی تعداد میں درخت اگے ہوئے ہیں اور مسلمانوں نے قبرستان بنالیا ہے۔

۱۷ مارچ ۱۸۳۶ء کو مہاراجہ رنجیت سنگھ جھبراں گیا تو نکائن نے مہاراجہ کو دعوت کے سلسلہ میں پانچ ہزار روپے نقد پیش کئے۔ اگلے روز مہاراجہ ننکانہ صاحب چلا گیا اور گرودوارہ میں حاضری دی۔

کھڑک سنگھ نے شہزادگی کے زمانہ میں لوہاری دروازہ کے اندر سریانوالہ میں عالیشان حویلی تعمیر کی تھی۔ حویلی کی تعمیر کے سلسلہ میں ایک قابل غور بات کھڑک سنگھ کی بے تعصبی کو اس طرح ظاہر کرتی ہے کہ اس نے اپنی حویلی میں خم ڈال دیا مگر راستہ میں آنے والی مسجد کو نہ گرایا بلکہ جب تک زندہ رہا امام مسجد کا روزینہ دس روپے کا ماہوار قائم رکھا اور مسجد کے صحن پر جو حویلی میں دریچہ تھا اس میں اکثر اوقات آکر بیٹھ جاتا اور مسلمانوں کو کہتا کہ اذان دو اور نماز پڑھو۔ انگریزی عہد میں اس حویلی کو گرا کر اینٹیں اور پتھر فروخت کر ڈالے گئے۔

کھڑک سنگھ کی ۱۸۱۲ء میں چاندکور سے شادی ہوئی۔ چاندکور سردار جے مل سنگھ کنہیا کی دختر تھی جو فتح گڑھ نزد گورداسپور کا رہنے والا تھا۔ ایک پسر نونہال سنگھ فروری ۱۸۲۱ء میں پیدا ہوا۔ ۸ اکتوبر ۱۸۳۹ء کو خونریز خانہ جنگی کے بعد شہزادہ نونہال سنگھ کے لئے کھڑک سنگھ تخت سے دستبردار ہوگیا۔ نونہال سنگھ تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے بھائی کے ساتھ اچھا

برتاؤ نہ کیا۔ کھڑک سنگھ ۵ نومبر ۱۸۴۰ء کو مرگیا۔ نونہال سنگھ بھی اسی سال مرگیا۔

اس کے بعد سرار سدھانوالیہ کی تجویز سے رانی چاند کور مالک سلطنت ہوئی۔ مختار کار سلطنت سرداران سندھانوالیہ ہوئے۔ راجہ دھیان سنگھ وزیر ناراض ہوکر جموں چلا گیا۔ چند ماہ بعد مہاراجہ شیر سنگھ بٹالہ سے آکر سلطنت پر قابض ہوگیا۔ رانی چاند کور گرفتار ہوئی اور گرفتاری ہی میں مرگئی۔

۴۔ جنداں رانی

اصل نام جندکور تھا۔ ایک مؤرخ اس کا نام چاند کور بتاتا ہے۔ مانا سنگھ جٹ اولکھ کی لڑکی تھی۔ مانا سنگھ موضع چاچڑ ضلع گوجرانوالہ کا رہنے والا تھا۔ ابتدا میں رنجیت سنگھ کے کتوں کی دیکھ بھال کیا کرتا تھا۔ بعد میں مہاراجہ کا کمیدان (جونیئر آفیسر) ہوگیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ مانا سنگھ مہاراجہ کے محل کے زنانہ حصہ میں پانی بھرا کرتا تھا۔

رانی جنداں جنوری ۱۸۱۷ء میں پیدا ہوئی' بڑی خوبصورت تھی۔ ۱۸۳۵ء کے لگ بھگ مہاراجہ رنجیت سنگھ سے شادی ہوئی۔ شادی کے بعد وقت کے ساتھ اس کے شاہانہ مزاج میں بڑی تبدیلی آگئی۔ مہاراجہ کی موت کے بعد اس کے لڑکے کھڑک سنگھ کے مختصر دورحکومت کے بعد نونہال سنگھ' شیر سنگھ اور پرتاپ سنگھ وغیرہ سکھوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ اس کے بعد مہاراجہ کا سب سے چھوٹا لڑکا دلیپ سنگھ ۱۸۴۳ء میں سات سال کی عمر میں اپنی ماں رانی جنداں کی سرپرستی میں تخت نشین ہوا۔ لال سنگھ اس کا وزیر مقرر ہوا اور سردار تیجا سنگھ خالصہ فوج کا کمانڈر انچیف ہوا۔ سکھوں کو انگریزوں سے پہلی جنگ میں شکست ہوئی۔ لال سنگھ کو وزیر اس لئے مقرر کیا کہ رانی جنداں اس کی منظور نظر تھی۔ انگریزوں نے رانی کی نگرانی شروع کردی۔ رانی نے دینا ناتھ کو دس ہزار روپے کے جواہرات دیئے کہ وہ اسے بھاگنے کے طریقے بتائے اور مدد دے۔ بدقسمتی سے بھاگتے ہوئے وہ پکڑے گئے۔ نومبر ۱۸۴۶ء میں لارڈ ہارڈنگ (۴۸ - ۱۸۴۴) نے رانی کو تمام سیاسی اختیارات سے محروم کردیا۔ کیونکہ رانی نے راجہ ہیرا سنگھ کے قتل کی سازش میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے سکھوں اور انگریزوں کی پہلی جنگ میں سکھ فوج کو دریائے ستلج پار کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ چند ماہ بعد یہ بھی محسوس کیا گیا کہ شہزادہ دلیپ سنگھ کو اس

کے اثر سے دور رکھا جائے۔ اگست ۱۸۴۷ء کے دربار میں ریذیڈنٹ لاہور کی خواہش پر شہزادہ دلیپ سنگھ نے تیج سنگھ کو سیالکوٹ کا راجہ تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس میں بھی رانی جنداں کا ہاتھ تھا۔ پریم پلاٹ (Preym Plot) کے تانے بانے بھی اس نے بنے تھے جس کے تحت لاہور میں برطانوی ریذیڈنٹ اور سکھ فوج کے کمانڈر انچیف سردار تیج سنگھ کو شالیمار باغ میں ایک دعوت کے دوران قتل کرنا تھا۔ جان لارنس نے اس واقعہ کی خود تحقیق کی لیکن کوئی ٹھوس ثبوت نہ مل سکے۔ پھر بھی رانی جنداں کا چال چلن مشکوک تھا۔ انہوں نے اسے لاہور سے باہر بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ انگریزوں کے ذہنوں میں یہ بھی شک تھا کہ مہارانی مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی بیگم ملکہ زینت محل اور شہزادہ جواں بخت کے ساتھ سازشی تعلقات رکھتی ہے۔ اگست ۱۸۴۷ء میں مہارانی کو شیخوپورہ کے قلعہ میں نظربند کردیا۔ اس کے ساتھ اس کے بھائی ہیرا سنگھ کو بھی نظربند کیا گیا۔ گرمکھ سنگھ اور سردار ٹوبہ سنگھ رئیس کمیریاں کی نگرانی میں ان کو رکھا گیا۔ گرمکھ سنگھ ولد پردھان سنگھ نے اس مشکل خدمت کو عقلمندی اور وفاداری کے ساتھ انجام دیا۔ صلہ میں انگریز حکومت نے ۱۸۵۰ء میں گرمکھ سنگھ کی ذاتی جاگیر ۱۲۶۰۰ روپے اور اس کے لڑکے عطر سنگھ کی جاگیر دو ہزار روپے تاحیات واگزار کردی' دسمبر ۱۸۴۶ء کو معاہدہ کی رو سے مہارانی کا الاؤنس کم کرکے ۴۸۰۰۰ روپے کردیا۔ شیخوپورہ میں نظربندی کے دوران انگریزوں نے مہارانی کو اپنے لئے خطرناک سمجھا۔ ڈلہوزی نے کیوری (Currie) کو ہدایت کی کہ اسے پنجاب سے باہر بھیج دیا جائے اور الاؤنس کم کرکے چار ہزار روپیہ ماہوار کردیا۔ کونسل کی ہدایت پر مہارانی کو فیروزپور منتقل کردیا۔ مئی ۱۸۴۸ء میں اسے بنارس بھیج دیااور یہ تنبیہہ کی کہ اگر وہ کسی سازش میں ملوث پائی گئی تو چنار کے قلعہ میں اسے گولی ماردی جائے گی۔ بنارس میں اس کا الاؤنس ایک ہزار روپیہ ماہوار کردیا۔ رانی کی پنجاب بدری اور قید پر ملتان کے فوجیوں نے ناراضگی کا اظہار کیا۔ بنارس میں میجر Macregor نے الزام لگایا کہ رانی دیوان مول راج اور راجہ شیر سنگھ سے مراسلت کرتی ہوئی پائی گئی۔ اس لئے اسے قلعہ چنار میں نظربند کردیا۔ یہاں بھی اسے نہ رہنے دیا گیا۔ کھٹمنڈو کے وزیراعظم جنگ بہادر نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی یاد میں اسے اپنے ہاں پناہ دینے کی پیشکش کی۔ رانی ۲۹ اپریل ۱۸۴۹ء کو کھٹمنڈو پہنچی۔ ۱۸۶۰ء تک وہ یہاں رہی مگر بڑی غربت اور مفلسی کی حالت میں۔ اسی دوران رانی کا بیٹا

مہاراجہ دلیپ سنگھ انگلستان سے کلکتہ آیا اور سپنسر ہوٹل میں ٹھہرا۔ رانی جنداں بھی بیٹے سے ملنے کلکتہ آ گئی۔ ۱۸۶۱ء میں بیٹا ماں کو ساتھ لے کر انگلستان چلا گیا۔ انگلستان میں قیام کے دوران اس کی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی۔ زندگی سے بیزار ہو گئی۔ ۱۸۶۳ء میں لندن کے مضافات میں مر گئی۔ اس کی راکھ کو دلیپ سنگھ ہندوستان لے آیا اور دریا نربدا میں بہا دیا۔

پنجابی زبان کا ایک شاعر شاہ محمد (۱۸۶۲ - ۱۷۸۹) وڈالہ ورک ضلع امرتسر کا رہنے والا تھا۔ اس نے ۴۸ - ۱۸۴۵ میں پنجابی زبان میں "سکھاں دی وار" لکھی۔ اس میں شاہ محمد نے سکھوں اور انگریزوں کے درمیان جنگوں کا حال لکھا ہے اور ان جنگوں کا محرک رانی جنداں کا جذبہ انتقام بتایا ہے۔

رانی جنداں کا دوسرا بھائی جواہر سنگھ تھا جو ۱۸۴۴ء کے آخر میں سکھ فوج کے ہاتھوں لاہور میں قتل ہوا۔ رانی جنداں نے لاہور میں اس کی سمادھی تعمیر کرائی۔ مستی دروازہ کے باہر ایک پختہ احاطہ کے اندر رانی نے ایک ٹھاکر دوارہ بھی بنوایا۔ اس کی عمارت عالی شان اور بڑی پختہ ہے۔ رانی جنداں جب شیخوپورہ کے قلعہ میں نظربند تھی تو گنگارام اس کا مختار تھا۔ قلعہ میں نظربندی کے دوران چند دنوں کی ڈائری ملاحظہ ہو:

۱۹ اگست ۱۸۴۷ء

راجہ تیج سنگھ نے سفارش کی کہ رانی جنداں کو قلعہ شیخوپورہ میں منتقل کر دیا جائے۔ رانی ان دنوں لاہور میں قلعہ کے شیش محل میں رہائش پذیر تھی۔ رانی کو گورنر جنرل کی طرف سے شیخوپورہ منتقل ہونے کا پیغام دیا گیا۔ رانی جانے پر رضامند ہو گئی۔ وہ پالکی میں سوار ہوئی۔ اس کے خدمت گار سردار بوڑھ سنگھ' گرمکھ سنگھ' ارجن سنگھ' اجودھیا پرشاد' پوربیہ' پالکی کے پیچھے ہاتھی پر سوار ہوئے۔ سپاہیوں کی دو کمپنیاں ان کے ہمراہ تھیں۔ ان کو دربار کی طرف سے حکم دیا گیا کہ وہ رانی کو قلعہ شیخوپورہ میں پہنچا کر آئیں۔ رانی نے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ راجہ تیج سنگھ اور دوسرے سردار اس سے اچھا سلوک نہیں کریں گے۔ رانی نے دریائے راوی پار کیا اور دوسرے کنارہ پر سکنی (Suknee) کے مقام پر رات گزاری۔ رات کو خوب بارش ہوئی۔

۲۱ اگست ۱۸۴۷ء

سردار شیر سنگھ نے جو سوار مقرر کئے تھے۔ انہوں نے اسے اطلاع دی کہ رانی خیریت سے پہنچ گئی ہے۔

۱۰ ستمبر ۱۸۴۷ء

شیخوپورہ اخبار بتاتا ہے کہ صاحب سنگھ بندوقچی اور دوسروں نے رانی تک رسائی حاصل کی ہے۔

۱۷ ستمبر ۱۸۴۷ء

شیخوپورہ اخبار نے خبر دی کہ کئی لوگوں نے مہارانی تک رسائی حاصل کی۔ مہارانی نے بھوانی جمعدار اور گنگادین حوالدار کو تحفے دیئے۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔

۳۰ ستمبر ۱۸۴۷ء

سراغ رسانی سے خفیہ اطلاع ملی ہے کہ شیخوپورہ سے دو باغبان رانی سے ملے اور سردار بوڑھ سنگھ کے ذریعہ ایک ڈالی پیش کی۔ مہارانی نے جھنڈا سنگھ کو لکھا کہ وہ بارہ ہزار روپے کا حساب دے جو وہ دلیپ گڑھ کی عمارتوں پر خرچ کر رہا ہے۔

۸ اکتوبر ۱۸۴۷ء

سکھ دربار میں عوض خان نے ایک ہاتھی فروخت کرنے کے لئے پیش کیا۔ دربار سے حکم ملا کہ ہاتھی کو شیخوپورہ بھیج دیا جائے تاکہ مہارانی اسے خریدنا چاہے تو خرید لے۔

۱۷ اکتوبر ۱۸۴۷ء

شیخوپورہ اخبار شمارہ یکم کاتک بتاتا ہے کہ سردار بوڑھ سنگھ گرکھ سنگھ اور اڈجوٹنٹ شیر سنگھ مہارانی کے پاس گئے۔ مہارانی نے ان سے شکایت کی کہ فوجی اس کے کمرے کے سامنے کھڑے رہتے ہیں۔ اسے اور اس کی کنیزوں کو تنگ کرتے ہیں۔ سرداروں نے فوجیوں

کو حکم دیا کہ وہ مہارانی کی نظروں سے دور رہا کریں۔ سرداروں نے مہارانی کو پانی کا ایک جگ پیش کیا جو بھائی پرومن سنگھ شیکوانت تہوار (Shekurant) کے لئے امرتسر سے لایا تھا۔

۱۸ نومبر ۱۸۴۷ء

مہارانی کی طبیعت چند روز سے ناساز تھی۔ اب طبیعت ٹھیک ہے۔ مہارانی نے پوجا بھی کی ہے۔

۲۲ نومبر ۱۸۴۷ء

مہارانی نے لاہور دربار میں متعین ریذیڈنٹ کے نام ایک خط لکھا ہے اور خیراتی تحفے بھیجے۔

۱۵ جنوری ۱۸۴۸ء

مہارانی نے شیکوریںت تہوار کے موقعہ پر اپنی جائیداد مالیت دو ہزار روپے برہمنوں میں تقسیم کی۔ گورودت سنگھ معتمد سردار ہیرا سنگھ نے مہارانی سے ملاقات کی۔ مہارانی نے اس سے اپنے بھائی سے متعلق دریافت کیا۔ مہارانی نے بھائی کو فضول خرچی سے منع کیا اور بچت کرنے کی نصیحت کی۔

۵۔ دلیپ سنگھ مہاراجہ

مہارانی جنداں کے بطن سے تھا۔ ۱۸۳۷ء میں پیدا ہوا۔ دلیپ سنگھ قلعہ فتح گڑھ میں ۱۸۵۴ء تک رہا۔ ڈاکٹر سرجان لوگن (Logan) بنگال آرمی کے تحت دلیپ سنگھ کو رکھا گیا۔ ۱۸۵۳ء میں دلیپ سنگھ نے عیسائیت قبول کرلی۔ مارچ ۱۸۵۴ء میں انگلستان روانہ ہوا۔ انڈیا آفس نے اس کے لئے ۱۸۵۰۰۰ پونڈ میں Hatherot گلوسسٹر شائر میں جاگیر خریدی۔ دلیپ سنگھ کو یہ جاگیر چھوٹی معلوم ہوئی۔ اس نے حکومت سے ۱۱۰۰۰۰ پونڈ ایڈوانس لے کر ایلویڈون میں اور جاگیر خریدی جو اس کی موت تک اس کے قبضہ میں رہی۔ ۱۸۶۰ء میں

دلیپ سنگھ ہندوستان آیا۔ کلکتہ کے ہوٹل Spencer میں ٹھہرا۔ نیپال سے اس کی ماں جنداں بھی آگئی۔ وہ اپنی ماں کو اپنے ہمراہ لے کر انگلستان واپس چلا گیا۔ جہاں وہ تین برس بعد مر گئی۔

دلیپ سنگھ نے واپسی پر سکندریہ کے ایک جرمن تاجر بمبالر کی لڑکی سے شادی کرلی۔ اس سے دو لڑکے اور تین لڑکیاں ہوئیں۔ اسی سے رانی (Bamba) ۲۹ ستمبر ۱۸۶۹ء کو لندن میں پیدا ہوئی۔

مہارانی ۱۸۸۷ء میں بمبئی میں مر گئی۔ اس کے بعد دلیپ سنگھ نے انگریز خاتون Eda Douglas Wetherill سے شادی کی جو مہاراجہ کی زندگی تک زندہ رہی۔ آخری عمر میں دلیپ سنگھ نے عیسائیت چھوڑ کر سکھ مت قبول کرلیا۔ ۱۸۸۶ء میں تبدیلی مذہب کے لئے وہ ہندوستان آنا چاہتا تھا۔ لیکن عدن میں انگریزوں نے اسے روک دیا۔ عدن ہی میں اس نے ایک تقریب میں سکھ مت قبول کرلیا۔ کچھ ماہ فرانس میں بسر کئے۔ جرمنی اور روس بھی گیا۔ روس سے ناامید ہو کر پیرس گیا' کچھ عرصہ بعد فالج میں مبتلا ہو گیا۔ پیرس ہی میں اس نے بقیہ زندگی گزاری۔ ۲۲ اکتوبر ۱۸۹۳ء کو پیرس کے ہوٹل De La Tremouille میں اس فانی دنیا سے چل بسا۔

پہلی سکھ جنگ ۴۶ - ۱۸۴۵ء میں انگریزوں نے سکھوں کو شکست دی۔ انگریزوں نے ۲ فروری ۱۸۴۶ء کو لاہور پر قبضہ کرلیا۔ مارچ ۱۸۴۶ء میں معاہدہ لاہور کی رو سے سکھوں نے ڈیڑھ کروڑ روپیہ دینا منظور کیا۔ نصف کروڑ خزانہ سے دیا گیا۔ باقی کے لئے گلاب سنگھ کے ہاتھ جموں اور کشمیر فروخت کر دیئے گئے۔ دلیپ سنگھ کو پنجاب کا حکمراں تسلیم کرلیا گیا۔ سکھوں کو مکمل طور پر شکست دے کر انگریزوں نے ۲۹ مارچ ۱۸۴۹ء کو پنجاب پر قبضہ کرلیا۔ مہاراجہ دلیپ سنگھ کو پنشن دی گئی۔

۶۔ امیر سنگھ سردار

موضع سکھی سے امیر سنگھ کا تعلق ہے۔ اس کا خاندان مغل بادشاہ اکبر کے عہد میں کسی قدر معزز تھا۔ اکبر کے دور حکومت میں اس خاندان کا ایک شخص لالو نامی ۳۰ گاؤں کا چوہدری مقرر ہوا۔ یہ منصب اس خاندان میں چار پشت تک رہا۔ اس خاندان کے دو بھائی

صاحب سنگھ اور سہائے سنگھ امرتسر میں پاہل لے کر سکھ مت میں شامل ہو گئے۔ سوار جمع کر کے لوٹ مار شروع کر دی۔ شیخوپورہ پر حملہ کر کے لبانہ قوم کے لوگوں کو نکال باہر کیا اور قبضہ کر لیا۔ کھرل قوم کے ساتھ ایک لڑائی میں سہائے سنگھ اور لبانوں کے ساتھ لڑائی میں صاحب سنگھ مارا گیا۔ ان کی اولاد ان کے علاقوں پر متصرف ہوئی اور ۱۸۰۸ء تک امن و امان سے قابض رہے۔ رنجیت سنگھ کے حملے کے وقت امیر سنگھ اور شمیر سنگھ قلعہ شیخوپورہ پر قابض تھے۔ تاریخ میں ان دونوں کو تھانیدار ان قلعہ شیخوپورہ کہا گیا ہے۔

احمد شاہ ابدالی کے ہندوستان پر حملوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والی افراتفری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سکھوں نے اپنی تنظیم کی طرف سب سے زیادہ توجہ دی۔ اس سے پہلے ۱۷۴۵ء میں وہ خود کو ۲۵ چھوٹے چھوٹے دستوں میں منقسم کر چکے تھے۔ یہ کسی ایک کمان کے تحت نہیں تھے۔ ان دستوں میں ایک دستہ امیر سنگھ کا بھی تھا۔

ایک غریب سی روایت ہے کہ امیر سنگھ' مہاراجہ رنجیت سنگھ کا ہم زلف تھا۔ رنجیت سنگھ کی رانی نیکائن کی چھوٹی بہن سردار امیر سنگھ کی بیوی تھی۔ امیر سنگھ ورک تھا۔ بڑا بہادر اور نڈر تھا۔ پرانی بھکھی کے ٹیلہ پر امیر سنگھ کا مڑھ تھا جو زمانہ کے ہاتھوں مسمار ہو کر رہ گیا۔

۷۔ جے سنگھ

اس کے باپ کا نام اتم سنگھ اور دادا کا نام بلاقی تھا۔ جے سنگھ بڑا بہادر سپاہی تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے جب لاہور پر قبضہ ۱۷۹۹ء میں کیا تو جے سنگھ اس کی فوج میں شامل تھا۔ مہاراجہ کی فوج میں شامل ہو کر اس نے بہت سی لڑائیوں میں بہادری دکھائی۔ مہاراجہ نے چالیس ہزار روپے مالیت کی جاگیریں ضلع شیخوپورہ میں سعد منی اور بھاؤ وال میں حاصل کیں۔

جے سنگھ کی اولاد میں تین لڑکے منگل سنگھ جیمل سنگھ اور امر سنگھ تھے۔

۸۔ جمعدار خوشحال سنگھ

گوڑ برہمن تھا۔ خوشحال سنگھ کا باپ ہرگوبند ایک غریب دکاندار تھا اور اکری (Ikri)

پرگنہ سردھنہ ضلع میرٹھ کا رہنے والا تھا۔ خوشحال سنگھ کا ابتدائی نام خوشحال تھا۔ قسمت آزمائی کے لئے خوشحال ۱۸۰۷ء میں لاہور آیا اور پانچ روپے مشاہرہ پر دھونکل سنگھ والا رجمنٹ میں بھرتی ہوگیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے رجمنٹ کا معائنہ کیا تو خوشحال کو ایک خوبصورت اور وضعدار انسان پاکر اپنا اردلی بنالیا۔ گنگاسنگھ اور جاتری کے رسوخ سے ڈیوڑھی بان مقرر ہوا اور جمعدار کہلایا۔ ایک رات خوشحال گانا گا رہا تھا۔ مہاراجہ اس کی سریلی آواز سے بڑا متاثر ہوا۔ مہاراجہ کو اپنے میں دلچسپی لیتے پاکر ۱۸۱۲ء میں اس نے سکھ مت قبول کرلیا اور خوشحال سنگھ نام پایا۔ ۱۸۱۸ء میں خوشحال سنگھ کو وصولی خراج و نذرانہ کے لئے ملتان روانہ کیا گیا۔ مظفرگڑھ میں تھانہ قائم کرکے خوشحال سنگھ کی تحویل میں دے دیا بعد میں مقبرہ شمس تبریز کا کمانڈر مقرر کیا۔ خوشحال سنگھ نے پاکپتن فتح کیا تو یہ ضلع جمعدار خوشحال سنگھ کی تحویل میں دے دیا۔ مگر حضرت فرید شکر گنج کے مزار کی وجہ سے یہ علاقہ مزار کے سجادہ نشین شیخ یار محمد کے سپرد کردیا اس شرط پر کہ وہ نو ہزار روپیہ سالانہ بطور خراج مہاراجہ کو ادا کیا کرے گا۔

شہزادہ شیر سنگھ خطہ کشمیر کا صحیح انتظام نہ کرسکا۔ اسے معزول کرکے خوشحال سنگھ کو اس نظامت پر مقرر کیا۔ خوشحال سنگھ بھی انتظام نہ کرسکا۔ اس کے دور میں کشمیر اجڑ گیا۔ لوگ لاہور، امرتسر، لدھیانہ اور گورداسپور میں نقل مکانی کرکے آباد ہوگئے۔ خوشحال سنگھ کی جگہ جنرل مہان سنگھ کو کشمیر کا ناظم مقرر کیا۔ خوشحال سنگھ لاہور آیا تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور ایک ماہ تک دربار میں حاضر ہونے کی ممانعت کی۔ ایک ماہ بعد راجہ دھیان سنگھ اور راجہ گلاب سنگھ کی سفارش سے مہاراجہ کی ناراضگی دور ہوئی۔

Jean Francois Allard رنجیت سنگھ کی فوج میں تین ہزار گھوڑ سوار کا کمانڈر تھا۔ وہ رخصت لے کر اپنے ملک سپین جانا چاہتا تھا۔ رنجیت سنگھ نے جمعدار خوشحال سنگھ کو حکم دیا کہ وہ لارڈ کے پاس جائے اور اسے اپنی تنخواہ کے بدلے میں ۳۰ ہزار روپے کا پشمینہ (کشمیری شال) قبول کرنے پر مجبور کرے۔ لیکن لارڈ نے اس کو رد کردیا بعد میں خوشحال سنگھ کے ساتھ بھائی گرمکھ سنگھ کو اس کے پاس بھیجا کہ وہ اپنے وطن جانے کا ارادہ ملتوی کردے۔ لیکن اس نے اپنا ارادہ ملتوی نہ کیا۔ خوشحال سنگھ نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ایک فوجی کمانڈر ونتورا (Ventura) کے ساتھ مل کر فوجی مہمات سرانجام دی تھیں۔ خوشحال

سنگھ کے مشورہ سے مہاراجہ نے لاہور قلعہ کے سامنے حضوری باغ میں بارہ دری تعمیر کی۔

خوشحال سنگھ نے محلہ شیخ اسحاق میں ایک قلعہ نما رہائش گاہ تعمیر کی تھی جس نے حویلی راجہ شیخوپوریاں کے نام سے شہرت پائی۔ یہ حویلی تعمیر کرتے وقت غریب غرباء کے مکانات مفت میں چھین لئے تھے۔ جس روز مہاراجہ شیر سنگھ نے تخت لاہور پر قبضہ کیا اور سکھ فوج اپنے دشمنوں کی خبر لینے لگی تو جمعدار خوشحال سنگھ کو بھی وہ پکڑنے لگے مگر مستحکم حویلی کے سبب وہ بچ گیا کیونکہ اس نے دونوں طرف توپیں لگا رکھی تھیں۔ آخر سکھوں نے خوشحال سنگھ کے باغ پر اپنا غصہ نکالا۔ باغ لاہور کے درختوں کو کاٹ اور عمارات گرا کر میدان بنا ڈالا۔ یہ باغ لاہور کے مشہور باغوں میں سے تھا۔

خوشحال سنگھ کا ایک بھائی رام لعل تھا جو رنجیت سنگھ کا باڈی گارڈ تھا۔ مہاراجہ کی خواہش تھی کہ رام لعل سکھ مت قبول کرلے۔ رام لعل بھاگ کر دریائے ستلج پار کرگیا۔ اسی دوران مہاراجہ نے جمعدار خوشحال سنگھ پر پابندی لگادی۔ مسر دیوان چند کے مشورہ سے مہاراجہ نے دونوں بھائیوں پر پچاس ہزار جرمانہ کردیا۔ رام لعل موقعہ کی نزاکت کا اندازہ کرتے ہوئے لاہور آگیا اور سکھ مت قبول کرلیا۔ دونوں بھائیوں کو معاف کردیا۔ خوشحال سنگھ کو اس کی جاگیر مل گئی اور چار ہزار جوانوں کا کمانڈر مقرر ہوا۔ رام لعل چیت سنگھ بٹالین کا کماندار مقرر ہوا۔

خوشحال سنگھ ۱۸۴۴ء میں مرگیا۔ اس کی بیوی اس کے ساتھ ستی ہوگئی۔ اس کی جاگیر اس کے دو لڑکوں سردار بھگوان سنگھ اور سردار ہربنس سنگھ میں تقسیم ہوئی۔

۹۔ راجہ ہربنس سنگھ

نودھ سنگھ کی دوسری بیوی سے تھا۔ ۱۸۴۸ء میں پیدا ہوا۔ اس کی پیدائش پر راجہ تیجا سنگھ (م ۱۸۶۲) نے اسے اپنا متبنّٰی بنالیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ۱۸۵۹ء میں راجہ تیجا سنگھ کے ہاں ایک بیٹا نریندر سنگھ پیدا ہوا۔ وراثت میں جھگڑا پیدا ہوا۔ ۱۸۸۶ء میں ایک معاہدہ ہوا۔ جس کی رو سے جائیداد کا کچھ حصہ نریندر سنگھ کو ملا۔ ہربنس سنگھ ۱۸ برس کی عمر میں جائیداد کا وارث قرار پایا۔ ۱۸۹۱ء میں قلعہ شیخوپورہ کا ایک بڑا جاگیردار تھا۔ شیخوپورہ میں ہربنس سنگھ باقاعدہ اجلاس کیا کرتا تھا۔ جہلم کا اردو اخبار' سراج الاخبار ۲۲ فروری ۱۸۸۶ء کو

ایک خبر دیتا ہے کہ شیخوپورہ میں راجہ ہربنس سنگھ کا اجلاس ہوتا ہے۔ جہاں کے لوگ راجہ صاحب ممدوح کے ثناخواں پائے جاتے ہیں۔ ہربنس سنگھ کی امرتسر میں بھی جاگیر تھی۔ مجسٹریٹ درجہ دوم اور اسسٹنٹ کمشنر کے خصوصی اختیارات حاصل تھے۔ ہربنس سنگھ ۱۸۵۵ء میں مرگیا' اس کی جاگیر اس کی بیوہ اور دو لڑکوں میں تقسیم ہوئی۔ ہربنس سنگھ کا بڑا بیٹا کرتھی سنگھ تھا۔ جو ۱۹۰۶ء میں لاولد مرگیا کرتھی سنگھ کے بعد اس کا چھوٹا بھائی راجہ فتح سنگھ وارث ہوا۔ نریندر سنگھ ۱۹۰۲ء میں مرگیا۔ پنجاب یونیورسٹی اور ینٹل کالج کی جانب سے ایم۔اے سنسکرت میں اول آنے والے طالب علم کو راجہ ہربنس سنگھ ایچی سن گولڈ میڈل دیا جاتا تھا۔ ۱۸۹۶ء میں منسا رام کو یہ میڈل ملا تھا۔

۱۰۔ رام چند

رتن چند ۱۸۲۹ء میں مرگیا تو اس کا پوتا رام چند بارہ برس کا تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے رام چند کو اپنا مہربردار بنالیا۔ رنجیت سنگھ کی موت ۱۸۳۹ء کے بعد رام چند نے عام ملکی معاملات میں دخل نہیں دیا اور اکال گڑھ میں رہ کر ۲۴۰۰ روپے پنشن لیتا رہا۔ رام چند بڑا فیاض تھا۔ ننکانہ صاحب میں بڑے بڑے تالاب تعمیر کرائے۔ امرتسر میں ایک سنسکرت سکول کھولا۔ زندگی کے آخری سالوں میں رام چند نے بنارس میں رہائش اختیار کی اور اسی شہر میں وفات پائی۔

۱۱۔ دھیان سنگھ

بڑا لائق اور ذہین انسان تھا۔ ۱۸۲۸ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اسے اپنا وزیر مقرر کیا اور راجہ راجگان راجہ ہندپت راجہ بہادر لقب قرار پایا۔ ۱۸۳۴ء میں مہاراجہ نے راجہ کلاں بہادر کا خطاب دیا۔ مہاراجہ رنجیت ۲۷ جون ۱۸۳۹ء کو مرگیا تو راجہ دھیان سنگھ مہاراجہ کی چار رانیوں کے ساتھ ستی ہونا چاہتا تھا۔ مہاراجہ کے بعد شہزادہ کھڑک سنگھ راجہ بنا تو دھیان سنگھ اس کا وزیر مقرر ہوا۔ شیر سنگھ ۱۸ جنوری ۱۸۴۱ء کو کھڑک سنگھ کے بعد تخت نشین ہوا تو دھیان سنگھ ہی اس کا وزیر مقرر ہوا۔ مہاراجہ شیر سنگھ کے ہمراہ دھیان سنگھ کو

بھی سرداران سندھانوالیہ نے ۱۵ ستمبر ۱۸۴۳ء کو قتل کر دیا۔ رانی نیکائن کے مرنے کے بعد جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کھڑک سنگھ کے سر پر پگڑی باندھی تو دھیان سنگھ نے کھڑک سنگھ کو تحفہ میں ۱۱ پارچہ جات اور ایک گھوڑا بمعہ طلائی زین دیا۔ دھیان سنگھ کا ایک بھائی سچیت سنگھ تھا جسے ہیرا سنگھ نے ایک لڑائی میں قتل کر ڈالا تھا۔ سچیت سنگھ کی ایک بڑی حویلی ٹبی بازار کے قریب تھی جہاں اس کی رہائش تھی۔ دھیان سنگھ کا دوسرا بھائی گلاب سنگھ تھا جو جمعدار خوشحال سنگھ کی فوج میں گھوڑ سوار تھا۔ دھیان سنگھ کا لڑکا راجہ جواہر سنگھ تھا۔ لارنس گارڈن لاہور میں ۱۸۶۶ء میں منٹگمری ہال تعمیر کیا تھا۔ اس کی تعمیر میں امرائے پنجاب و حکام نے حصہ لیا تھا۔ شیخوپورہ کے راجہ دھیان سنگھ نے بھی ایک خطیر رقم تعمیر کے سلسلہ میں دی تھی۔

لاہور میں دھیان سنگھ کی ایک بڑی حویلی تھی جس میں ضلع سکول قائم ہوا تھا۔ اسی حویلی کے ایک حصہ میں یکم جنوری ۱۸۶۴ء کو گورنمنٹ کالج لاہور کی ابتدا ہوئی۔ حویلی کی پہلی منزل ہی میں کالج کا ہوسٹل قائم کیا گیا۔ اپریل ۱۸۷۱ء میں یہاں سے کالج انارکلی کے قریب بڑے منتقل ہوا۔ شیخوپورہ میں بھی راجہ دھیان سنگھ کی ایک حویلی (کوٹھی) تھی جس سے ملحقہ ایک بڑا باغ تھا بقول حاجی نذیر احمد ورک سابقہ ممبر قومی اسمبلی دھیان سنگھ کی کوٹھی میں ایک پرائمری سکول تھا جس میں انہوں نے تعلیم حاصل کی تھی۔

۱۲۔ جودھ سنگھ

ٹھاکر سنگھ کا لڑکا اور عطر سنگھ کا پوتا تھا۔ ضلع شیخوپورہ میں ایک گاؤں روسہ آباد کیا۔ روایت ہے کہ روسہ نام کا ایک سدھو جٹ دہلی سے سفر کر کے ضلع لاہور میں آیا اور ایک گاؤں روسہ آباد کیا۔ اس کی اولاد میں عطر سنگھ کا لڑکا ٹھاکر سنگھ اوینہ بیگ صوبیدار پنجاب کی سرکار میں رسالدار تھا۔ آقا کے مرنے کے بعد ٹھاکر سنگھ خود سر ہو گیا اور اضلاع گوگیرہ اور گوجرانوالہ میں اس نے ایک بڑے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ ۱۷۶۵ء میں دوہری سنگھ بھنگی اور جے سنگھ کنھیا کے ساتھ قصور کی مہم پر گیا جہاں وہ مارا گیا۔ اس کا بیٹا لکھمیر سنگھ اس کے بعد صرف ایک سال زندہ رہا۔ لکھمیر سنگھ کا دوسرا بھائی جودھ سنگھ کل علاقہ پر متصرف ہو گیا۔ جودھ سنگھ کی سردار سوبھا سنگھ لاہور والے سے لڑائی ہو گئی۔ اس کی دشمنی سے بچنے

کے لئے جودھ سنگھ گوجرانوالہ چلا گیا جہاں سردار چڑت سنگھ نے اس کو تھانیدار مقرر کردیا۔ جودھ سنگھ نے موضع روَسہ کو پھر آباد کیا اور ایک اور گاؤں روَسہ نام کا ضلع شیخوپورہ میں آباد کیا۔ چڑت سنگھ کے مرنے کے بعد سردار سوبھا سنگھ نے علاقہ روسہ کے نصف پر قبضہ کرلیا۔ جودھ سنگھ نے کچھ مقابلہ نہ کیا وہ مہان سنگھ اور رنجیت سنگھ کے ماتحت گوجرانوالہ میں ملازمت کرتا رہا۔ جودھ سنگھ کی نسل میں عطر سنگھ' سنت سنگھ اور امیر سنگھ ہوئے۔ عہد انگریزی میں سنت سنگھ' امیر سنگھ اور ان کی ماں کو تین سو روپیہ پنشن ملتی تھی۔ سردار عطر سنگھ کو میجر لارنس اور ان کے عیال کو بحفاظت پہنچانے کے صلے میں انگریزی حکومت نے چھ سو روپیہ سال کی پنشن دی۔

۱۳۔ جوالا سنگھ

رنجیت سنگھ کی موت (۲۹ جون ۱۸۳۹ء) کے بعد شیر سنگھ کے دور حکومت میں بدامنی' انتشار اور لوٹ کھسوٹ شروع ہوئی۔ اس دور میں جوالا سنگھ ابھرا اور خوب فائدہ اٹھایا۔ جوالا سنگھ وزارت کا امیدوار تھا۔ اس نے شیر سنگھ کو مشورہ دیا کہ وہ اسے راجہ دھیان سنگھ کا عہدہ دے دے تاکہ وہ اس کی بھرپور مدد کرسکے۔ شیر سنگھ نے ایسا ہی کیا۔ جوالا سنگھ نے بڑے سرداروں سے مشورہ کیا۔ دو لاکھ نقد روپیہ ان میں تقسیم کیا اور آٹھ روپے سے بارہ روپے ماہوار تنخواہ بڑھانے کا وعدہ کیا اور اس طرح فوجی دستوں کی حمایت حاصل کی۔ دستوں نے دو سو توپیں چلاکر اس کی طرفداری کا اعلان کیا۔ شیر سنگھ اور جوالا سنگھ میں ان بن ہوگئی۔ جوالا سنگھ قلعہ چھوڑ کر چلا گیا۔ شیر سنگھ کے بلانے پر اس نے آنے سے انکار کردیا۔ فوج کا ایک بڑا دستہ اسے گرفتار کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ گرفتار کرکے اسے لاہور لایا گیا۔ چونکہ یہ بڑے اثر و رسوخ کا مالک تھا۔ اس لئے اسے عام موت کی سزا دینا ممکن نہ تھا۔ اس لئے اسے چالیس روز تک شیخوپورہ قلعہ میں بند کیا گیا۔ اس بندی خانہ کے دوران اسے جسمانی اذیت اور بھوک سے ختم کیا۔

۱۴۔ بچنا

بچنا موضع جنڈیالہ شیر خاں پرگنہ شیخوپورہ کا جاٹ تھا۔ راجہ ہیرا سنگھ (م ۲۲ نومبر

۱۸۴۴ء) کا یہ ملازم تھا۔ مہاراجہ شیر سنگھ کی وفات ستمبر ۱۸۴۳ء تک پنڈت جھلا کے تحت راجہ ہیرا سنگھ کے پہاڑی علاقہ کا مینجر رہا۔ ہیرا سنگھ کے وزیر ہونے پر پنڈت جھلا لاہور چلا گیا تو اس کی جگہ بچنا پہاڑی علاقے کا انچارج مقرر ہوا اور اسے وزیر کا خطاب ملا۔ راجہ گلاب سنگھ نے جنوری ۱۸۴۵ء میں علاقہ جسروٹہ لاہور دربار کو دیا تو بچنا خزانہ دینے کے لئے وہاں موجود رہا تھا اس کے بعد اسے لاہور بلوالیا۔

پہاڑی علاقہ میں جب بدامنی ہوئی تو بچنا کو پھر جسروٹہ کا ناظم مقرر کیا۔ اس نے جموں میں بھی کچھ عرصہ خدمات انجام دیں۔ بچنا بڑا قابل شخص تھا۔ پہاڑی لوگ اس کی نرم مزاجی اور دیانت داری کی وجہ سے اسے عزیز رکھتے تھے۔

۱۵۔ ہنری اسٹین باخ (Henry Stein Bach)

یہ پروشیا کا ایک فوجی تھا۔ خالصہ فوج میں ۱۸۳۶ء میں بٹالین کمانڈر کی حیثیت سے چھ سو روپے ماہوار پر ملازم ہوا۔ ۱۸۴۱ء میں آٹھ سو روپے تنخواہ ہوگئی۔ ۱۸۳۶ اور ۱۸۴۱ء میں یہ پشاور میں تھا۔ ۱۸۴۱ء میں اس نے کشمیر بٹالین کی کمانڈ کی تھی۔ ایک سال کی رخصت پر یہ یورپ گیا۔ مئی ۱۸۴۴ء میں واپس آیا اور محسوس کیا کہ دربار کو اب اس کی ضرورت نہیں۔ اس نے دوبارہ ملازمت کے لئے درخواست دی لیکن ناکام رہا پھر اس نے کشمیر میں گلاب سنگھ کو درخواست دی۔ گلاب سنگھ نے دو بٹالین کی کمان اس کے سپرد کردی۔ چار برس تک اس نے کشمیر میں خدمات انجام دیں۔ ۱۸۵۱ء تک یہ گلاب سنگھ کے پاس رہا۔ ۱۸۵۱ء میں اس کی جگہ ایک ہندوستانی کو کمانڈر مقرر کیا تو اس نے اس کے خلاف لارڈ ڈلہوزی (۱۸۵۶ ۔ ۱۸۴۸) سے اپیل کی۔ وہ خود بھی ذاتی طور پر حاضر ہوا۔ لیکن انگریزوں نے مداخلت کرنے سے انکار کردیا۔ مجبوراً اس نے ۱۸۵۱ء میں استعفیٰ دے دیا۔ اس کے یورپ جانے کے بعد وہ فوج Gardine کی کمان میں دے دی۔ ۱۸۳۹ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے جنازہ میں یہ شریک تھا۔

مہارانی نیکائن کے مرنے کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۲۵ جولائی ۱۸۳۸ء کو کرنل گلاب سنگھ کو حکم دیا کہ کھڑک سنگھ شیخوپورہ کے قریبی گاؤں خان پور سے کنارہ کشی اختیار کرلے۔ چند دنوں بعد مہاراجہ نے نکائن کی حدود سے خان پور گاؤں اسٹین باخ کو تنخواہ کے

صلے میں دے دیا۔

کرنل اسٹین باخ ادبی ذوق کا بھی حامل تھا۔ اس نے سکھ دور سے متعلق انگریزی میں ایک کتاب The Punjab تصنیف کی جسے لارنس نے شائع کرنے کی اجازت نہ دی۔ ۱۸۴۶ء میں لندن سے اسمتھ ایلڈر اینڈ کمپنی نے اسے شائع کیا۔ ۱۹۷۶ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کراچی نے ۱۶۴ صفحات پر اسے شائع کیا ہے۔

۱۶۔ راجہ ہیرا سنگھ

راجہ ہیرا سنگھ پڑھا لکھا اور خوبصورت بارہ سالہ لڑکا تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا منظور نظر تھا۔ مہاراجہ کے سامنے کرسی نشین ہوتا تھا۔ خوش مذاق تھا۔ ۲۵ برس کی عمر میں مہاراجہ کا وزیر مقرر ہوا۔ اجیت سنگھ کے قتل کے بعد ستمبر ۱۸۴۳ء میں اسے وزارت کا منصب تفویض ہوا تھا۔ فوجی جاگیردار تھا۔ خالصہ فوج کے دوسرے حصہ کی کچھ افواج اس کے کنٹرول میں تھی۔ ہیراسنگھ کے تحت الیگزینڈر گارڈ نیر (م سیالکوٹ ۲۲ جنوری ۱۸۷۷ء) نے کام کیا تھا۔ جواہر سنگھ اس کا بھائی تھا اور رانی جنداں اس کی بہن تھی۔

سکھوں نے جب مہاراجہ رنجیت سنگھ کے چھوٹے لڑکے دلیپ سنگھ کو مہاراجہ بنایا تو ہیرا سنگھ اس کا وزیر مقرر ہوا تھا۔ ہیرا سنگھ' پنڈت جھلا کے زیر اثر تھا۔ راجہ ہیرا سنگھ اور پنڈت جھلا ۲۲ نومبر ۱۸۴۴ء کو بعداز دوپہر لاہور سے جموں جانے کے لئے نکلے تو ان کے پاس خزانہ سے بھرے ہوئے پانچ ہاتھی تھے۔ خزانہ میں سونے کی مہریں اور روپے تھے۔ دروازہ پر موجودہ پہریداروں نے دریائے راوی کے پار ان کو پکڑ لیا۔ ہیرا سنگھ نے خزانہ کے تھیلوں کے منہ کھول دیئے اور سڑک کے کنارے اشرفیاں بکھیر دیں۔ چھ میل تک یہ دوڑتے گئے۔ جنگ ہوئی پنڈت جھلا تو گھوڑے سے نیچے گرا اور قتل ہوا۔ ہیراسنگھ ایک گاؤں میں چھپ گیا۔ پیاس کی شدت سے باہر نکلا اور ایک دیہاتی سے پانی طلب کیا مگر پہچان لیا گیا اور قتل کردیا گیا۔

جواہر سنگھ ۱۴ مئی ۱۸۴۵ء کو وزیر بنا۔ گلاب سنگھ اس کا برادر عم تھا۔ دونوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا۔ جواہر سنگھ ۲۱ ستمبر ۱۸۴۵ء کو قتل ہوگیا۔ ایک یورپی سیاح اس کی موت کے سلسلہ میں لکھتا ہے کہ:

"جودھا رام جس کے تحت جنرل ایوی ٹیبل کے بریگیڈ کی کمان تھی' نے جواہر سنگھ کے منہ پر جوتی دے ماری۔ گارڈ منیر کے ذریعہ اس نے جواہر سنگھ کا ناک' کان اور انگوٹھے کٹوا دیئے۔"

۱۷۔ مان سنگھ

مان سنگھ کا تعلق مانانوالہ ضلع شیخوپورہ سے ہے۔ اس کا جداعلیٰ سرجا سنگھ (وفات ۱۷۶۳ء) تھا۔ سرجاسنگھ کے چار لڑکے تھے۔ جے سنگھ' مانا سنگھ' نارسنگھ اور پہاڑ سنگھ اجے سنگھ (وفات ۱۸۱۲ء) اس کے خاندان نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد حکومت میں بڑی طاقت حاصل کرلی تھی۔ اس کے تین لڑکے تھے دیوان سنگھ' مہرسنگھ اور جودھ سنگھ۔

(ا) دیوان سنگھ: (وفات ۱۸۵۱ء) اس کا لڑکا فتح سنگھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا اردلی تھا بعد میں توپ خانہ کا ایڈجوننٹ ہوا۔ ۱۸۴۸ء کی بغاوت میں کیپٹن نکلسن سے جاملا۔ فتح سنگھ ۱۸۶۲ء میں گوجرانوالہ کا اعزازی مجسٹریٹ ہوا۔ ۱۸۸۷ء میں اس کا انتقال ہوا۔ دیوان سنگھ کا دوسرا لڑکا جمعیت سنگھ پراونشل درباری تھا۔ ذیلدار اور ممبر میونسپل کمیٹی گوجرانوالہ اس کا لڑکا سردار بہادر کرپال سنگھ ملازم فوج رڑکی سے انجینئرنگ کی اور سیئر محکمہ انہار' سات برس تک ریاست کپور تھلہ میں اسسٹنٹ انجینئر' بہت دولت کمائی' اٹھارہ ہزار گھاؤں اراضی خریدی۔ مانانوالہ کا ذیلدار' ڈویژنل درباری وفات ۱۹۱۸ء مانانوالہ میں کرپال سنگھ کی ایک بڑی حویلی تھی۔ کرپال سنگھ' کا لڑکا منگل سنگھ تحصیل دار تھا' منگل سنگھ کا بیٹا نونہال سنگھ ذیلدار' اعزازی مجسٹریٹ درجہ اول' پنجاب اسمبلی کا ممبر اور پراونشل درباری تھا۔ کرپال سنگھ کا دوسرا لڑکا سردار جگجیت سنگھ تعلیم اچی سن کالج میں پائی۔ اعزازی مجسٹریٹ سول جج' پنجاب اسمبلی کا ممبر اور ڈویژنل

درباری۔

جمعیت سنگھ کا پوتا اور گوپال سنگھ (وفات ۱۹۰۲ء) کا لڑکا سردار صاحب سنگھ (ولادت ۱۸۹۲ء) تھا۔ اس نے جنگ عظیم اول میں بہت سے رنگروٹ بھرتی کرائے۔ حکومت نے نئے سال کے موقعہ پر ۳۱ دسمبر ۱۹۳۲ء کو سردار صاحب کا خطاب دیا۔

(ii) مہر سنگھ: (وفات ۱۸۵۴ھ) اس کا ایک لڑکا کاہن سنگھ (م ۱۸۶۰) تھا۔

(iii) جودھ سنگھ: (وفات ۱۸۷۴ء) اس کی اولاد نے بڑی شہرت حاصل کی بڑا لڑکا انوپ سنگھ (وفات ۱۸۸۷ء) پہلی سکھ کیولری میں ملازم ہوا جو بعد میں Probynis Horse کہلائی۔ یہ نیا نام اگست ۱۸۵۷ء میں ملا تھا۔ قبضہ لکھنؤ اور قبضہ دہلی کے موقعہ پر انوپ سنگھ موجود تھا۔ اسی رجمنٹ میں Cool Determined Courage کی وجہ سے شہرت حاصل کی۔ لڑائیوں میں یہ چار دفعہ زخمی ہوا اور اس کی ران کے نیچے تین گھوڑے مرگئے۔ جنوری ۱۸۶۰ء میں رجمنٹ کے ساتھ چین بھی گیا۔ میدان جنگ میں بوجہ بہادری دو دفعہ تمغہ آرڈر آف میرٹ ملا۔ ایک جاگیر مالیتی ۵۰۰ روپیہ سالانہ عطا ہوئی۔ اولاد نرینہ نہ تھی۔

مان سنگھ میجر ہڈسن کے کیولری دستہ میں بھی شامل تھا۔ جب میجر ہڈسن نے ۲۲ ستمبر ۱۸۵۷ء کو دہلی پر قبضہ پر کیا اور مغل بادشاہ' بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کیا تو سردار مان سنگھ بھی مدد کرنے والے فوجیوں میں شامل تھا۔ جب ہڈسن نے ۲۱ ستمبر ۱۸۵۷ء کو ۳ مغل شہزادوں (مرزا مغل' مرزا کشری' ابوبخت) کو قتل کیا۔ تو مان سنگھ اس موقعہ پر بھی موجود

تھا۔ مان سنگھ ہنگامہ آزادی میں دو بار زخمی ہوا تھا۔ انگریزوں کے لئے جاسوسی کرنے والے لوگوں میں مان سنگھ بھی تھا۔ یہ شخص مان سنگھ ہی تھا جو ہنگامہ آزادی کے دوران لاہور آیا اور پانچ سو جوان بھرتی کئے۔ ان جوانوں کو وہ دہلی لے گیا اور انگریزوں کی مدد کی۔ امن قائم ہونے پر حکومت نے آرڈر آف میرٹ CIE اور سردار بہادر کے خطابات سے نوازا۔ اودھ اور پنجاب میں جاگیر بھی دی۔

۲۔ ماہنا سنگھ (وفات ۱۸۰۷) اس کے پانچ لڑکے تھے۔
سدا سنگھ' امیر سنگھ' شام سنگھ' حکم سنگھ اور بدھ سنگھ۔

سدا سنگھ : جاگیردار علاقہ مناور میں ایک حصہ مالیتی بارہ ہزار روپیہ' لاولد۔

امیر سنگھ : (وفات ۱۸۴۰ء) فوج میں سب سے خوبصورت آدمی تھا۔ جرنیل بنایا گیا' جاگیر ملی۔

شام سنگھ : فوج میں کرنل تھا' مشاہرہ پانچ ہزار روپیہ سالانہ۔

حکم سنگھ : کمیدان تھا۔

بدھ سنگھ : (وفات ۱۸۵۶ء) امیر سنگھ لاولد تھا۔ اس کی جاگیر ۱۱ ہزار روپیہ کی بدھ سنگھ کو ملی اور جرنیل کا عہدہ بھی۔ بدھ سنگھ ۱۸۱۶ء میں مہاراجہ کا اردلی مشاہرہ ۳۸۰۰ روپیہ سالانہ مقرر ہوا تھا۔ بھائی سدا سنگھ کی وفات پر ۳۰ سواروں کا کمیدان ہوگیا اور سترہ ہزار روپیہ کی جاگیر ملی۔ بدھ سنگھ ستلج کی لڑائی میں شریک تھا۔ میجر نکلسن اور میجر

ایبٹ کی بڑی خدمت کی۔ بڑے نازک وقت میں
انگریزوں کا دل سے مددگار رہا۔ امن قائم ہونے پر اس کو
۶۳۴۰ روپے کی جاگیر تاحیات ملی۔ یہ جاگیر اس کی اولاد
نرینہ کو نسلاً" بعد نسل عطا ہوئی۔ اس کا پوتہ اور سردار
لابھ سنگھ کا لڑکا صوبے دار میجر کپتان گورو دیال سنگھ تھا
جس نے ۱۹۳۷ء میں کارونیشن میڈل حاصل کیا۔

۳۔ ناہر سنگھ اس کے تین لڑکے تھے عطر سنگھ، رتن سنگھ اور بھگیل سنگھ۔

۴۔ پہاڑ سنگھ بہت نامور ہوا، بہت کچھ اس کی بدولت اس کے بھائیوں کو دنیا میں عروج حاصل ہوا۔ چڑت سنگھ کے سواروں میں شامل تھا۔ بہادری کی وجہ سے ۴ گاؤں جاگیر میں حاصل کیے۔ سردار کا خطاب بھی ملا۔ چٹھوں کے خلاف بہت سی لڑائیوں میں اس نے بڑی بہادری دکھائی۔ رنجیت سنگھ کے ساتھ کئی لڑائیوں میں شریک رہا۔ ۱۸۱۲ء میں اس کی وفات کے وقت اس کی جاگیر دو لاکھ سے زیادہ کی مالیت کی تھی۔ اولاد میں ایک نابالغ لڑکا ہری سنگھ تھا۔

مان سنگھ گھرانے کے بڑے بڑے لوگوں کی حویلیاں آج بھی مانانوالہ میں موجود ہیں مثلاً سردار کرپال سنگھ، سردار صاحب سنگھ، سردار پرتھی پال سنگھ، بلونت سنگھ، رنجودھ سنگھ اور سردار سندر پال سنگھ۔ سکھ سرداروں کے ہمراہ گوجرانوالہ کے گاؤں مغل چک سے نقل مکانی کرنے والے مغل برلاس کے چند گھرانے بھی تھے جو مانانوالہ میں آکر مستقل آباد ہوئے مثلاً مرزا عظیم بیگ ولد سردار بیگ۔

۱۸۔ فتح سنگھ راجہ

۱۸۸۳ء میں پیدا ہوا۔ تعلیم یافتہ تھا۔ لاہور میں ۱۹۱۰ء میں ہسٹاریکل سوسائٹی قائم ہوئی تھی۔ راجہ فتح سنگھ اس کا رکن تھا۔ اس کا ایک لڑکا ہرچرن سنگھ تھا جو ۱۹۰۶ء میں پیدا ہوا تھا۔ راجہ فتح سنگھ کا باپ راجہ ہربنس سنگھ اور دادا کا نام نودھ سنگھ تھا۔

۱۹۔ ادینہ بیگ

شرق پور کا رہنے والا تھا۔ والد کا نام چنوں تھا۔ ارائیں گھرانہ سے تعلق تھا۔ تربیت مغل گھرانہ میں ہوئی اس لئے بیگ کا لاحقہ نام کے ساتھ لگ گیا ہوشیارپور باجواڑہ میں کچھ عرصہ بسر کیا۔ الہ آباد جاکر عام فوجی کی حیثیت سے زندگی کا آغاز کیا۔ وہاں اس نے مال گزاری کا کام سیکھا۔ واپس پنجاب آیا۔ لدھیانہ کے قریب کنک (Kanak) میں پٹواری کی ملازمت حاصل کی اور مالیہ جمع کرنے لگا۔ ہوشیاری سے اس نے سلطان پور کی کارداری حاصل کرلی۔ نادر شاہ کے حملہ کے وقت ادینہ بیگ کاردار تھا۔ اس نے مرہٹوں کو لاہور پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ مرہٹوں نے ۱۷۵۸ء میں سکھوں کو شکست دے کر لاہور پر قبضہ کرلیا۔ صلہ میں ادینہ بیگ لاہور کا گورنر مقرر ہوا۔ بٹالہ میں ادینہ بیگ ۱۷۸۵ء میں مارا گیا۔ اولاد سے محروم تھا۔ ضلع گورداسپور میں ادینہ نگر آباد کیا۔

ب۔ جدید عہد
مصنّفین، مؤلفین اور شعراء



شیخوپورہ شہر میں اور اس کے قصبات میں بہت سے اردو اور پنجابی کے شاعر ہیں جو شاعری کی شمع کو جلائے ہوئے ہیں۔ متعدد کے مجموعہ ہائے کلام چھپ چکے ہیں۔ شہر میں علمی و ادبی تنظیمیں قائم کرنے میں بھی ان اصحاب کا بڑا عمل دخل ہے۔ مثلاً صدیق شاہد، سلمان گیلانی، امین الدین گیلانی، انور علیمی، جواز جعفری، صابر نوید، اکرم سعید، شاہین عباس، اظہر عباس، شہباز خاں، رائے عابد علی، جاوید اقبال چوہان، غلام رسول آزاد، محمد ارشد نعیم، زاہد نعیم زاہد، مقصود ناصر، بشیر باوا، افضل حسین علوی۔ تحقیق کے مرد میدان بہت کم ہیں اس میدان میں ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی سرفہرست ہیں جن کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ بہت ہی قابل ذکر ہے۔ پروفیسر عبدالجبار شاکر بھی تحقیق کا ذوق رکھتے ہیں۔ انگریزی میں سائنس کے موضوعات پر تحقیق کرنے والے اصحاب کا ذکر گورنمنٹ کالج شیخوپورہ اور جنڈیالہ شیر خاں کے حالات میں کر دیا ہے۔

اردو اور پنجابی کے قابل ذکر مصنّفین، مؤلفین اور شعرا کا ذکر ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ احمد جوہر ثانی شیخ۔

۲۔ احمد دین مولوی

۳۔ امین الدین گیلانی۔

۴۔ پریم وار برٹنی۔

۵۔ خورشید حسین بخاری سید۔

۶۔ خورشید عالم۔

۷۔ روشن دین مولوی۔

۸۔ سلطان محمود حسین سید ڈاکٹر۔

۹۔ صدیق علی مرزا۔

۱۰۔ عبدالجبار شاکر

۱۱۔ عبدالستار مولوی۔

۱۲۔ محمد شیر کرنل۔
۱۳۔ غلام دستگیر نامی۔
۱۴۔ غلام رسول آزاد۔
۱۵۔ غمناک۔
۱۶۔ محبوب علی ورک۔
۱۷۔ محمد اشرف پال۔
۱۸۔ محمد تقی خاں۔
۱۹۔ محمد خادم حسین سید۔
۲۰۔ محمد یونس حسرت۔
۲۱۔ مظہر محمود شیرانی ڈاکٹر۔
۲۲۔ وارث شاہ۔

۱۔ احمد جوہر کانی شیخ

چوہڑکانہ (موجودہ فاروق آباد) کے رہنے والے تھے۔ یہیں پیدا ہوئے۔ بڑے اچھے خوش نویس تھے۔ مرزا امام ویردی (وفات ۱۸۸۰ء) کے شاگرد تھے جو لاہور میں بڑے معروف خوش نویس اور بہترین کاتب تھے۔ شیخ احمد ابتدا میں بندوبست کے رجسٹروں کے عنوانات لکھا کرتے تھے۔ بھاٹی دروازہ لاہور کے اندر تحصیل بازار میں رہائش رکھتے تھے۔ ایک مسجد میں امامت کراتے تھے۔ یہیں وفات پائی۔ میاں محمد حیات نقاش مسجد وزیر خاں لاہور کے پاس شیخ احمد کے ہاتھ کا لکھا ہوا ۱۲۸۵ء کا قطعہ اب تک موجود ہے۔

۲۔ احمد دین مولوی

موضع بھکھی کے رہنے والے تھے۔ درویش صفت انسان تھے۔ پنجابی نظم میں متعدد کتب لکھیں۔ مجموعہ نعت رسول' فراق محمدی' مدح دین رسول اللہ' سی حرفی کلمہ طیب' ڈولی نامہ جھوک محمدی' فریاد سسی' شمع ایمان' نماز رزوحانی' چراغ نماز' احکام نماز' جھوک مولاوی' معجزات حبیب اللہ' نصیحت نامہ' چٹھی عملاں دی' گلزار فدائے' مصطفیٰ (سوانح عمری غازی علم الدین شہید)

۳۔ امین الدین گیلانی

خاندان سادات شیخ عبدالقادر گیلانی کی اولاد میں سے ہیں۔ والد کا نام نصیرالدین ولد جمال الدین اور پرداوا کا نام علاؤالدین گیلانی ہے۔ امرتسر کے محلہ کڑاہ بھائی سنت سنگھ میں رہائش تھی۔ اسی محلہ میں مولانا ثناء اللہ امرتسری اور شیخ حسام الدین احراری رہائش رکھتے تھے۔ امین الدین ۲۳ ستمبر ۱۹۲۰ء کو ترنتارن میں پیدا ہوئے کیونکہ یہاں آپ کے والد ماجد تھانیدار تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر اور مولانا ثناء اللہ سے حاصل کی۔ ۱۴ اگست سے قبل ان کے والدین پاکستان میں آچکے تھے۔ یہ اعلان آزادی سنتے ہی اکیلے گھر سے نکلے۔ پہلی ریل گاڑی سے لاہور پہنچ گئے۔ دو روز بعد شیخوپورہ احباب کی دعوت پر آگئے اور اسی شہر کو

مستقل رہائش گاہ بنالیا۔
پندرہ سولہ برس کی عمر ہی سے شعر کہنے شروع کردیئے تھے۔ جوش اور جگر کی سخن گوئی سے متاثر تھے۔ مشاعروں میں باقاعدہ جایا کرتے۔ فلم بت تراش کے آٹھ نو گانے آپ ہی نے لکھے ہیں۔ اس سلسلہ میں کئی برس فلمی نگر بمبئی قیام پذیر رہے۔ ۱۹۴۶ء میں فسادات ہونے پر بمبئی سے چلے آئے۔ شعری مجموعہ اور نثری کتب جو زیور طباعت سے آراستہ ہوچکی ہیں درج ذیل ہیں۔ نقش حساس ۴۶ ـ ۱۹۴۵ء' امید و یاس' سوئے مقتل' صنم کدے میں اذاں' حق گوئی' نثری کتب: بخاری کی باتیں' مشتاقان حرم ۱۹۵۷ء میں بذریعہ بس حج کی سعادت حاصل کی تھی۔ دو بزرگ' پیران عیار' قدرت کے کرشمے' حدیث خواب' غلط فہمی۔
۱۴ اگست کے بعد شہر شیخوپورہ میں ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ کس قسم کا سلوک ہوا گیلانی صاحب اس کے چشم دید گواہ ہیں۔ شیخوپورہ میں آپ نے ۱۹۴۷ء میں مجلس تحفظ ختم نبوت قائم کی۔ اگلے برس ایوان اردو قائم کردی۔ صدر چوہدری عطا محمد تھے۔ پندرہ برس ہوئے یہ تنظیم ختم ہوگئی ہے۔

۴۔ پریم وار برٹنی

وار برٹن ضلع شیخوپورہ کا رہنے والا ہے۔ صحیح حالات زندگی اور نام کا علم نہیں۔ تقسیم ملک کے بعد بھارت نقل مکانی کرگئے تھے۔ اردو کے شاعر ہیں۔ تخلص پریم وار برٹنی کرتے ہیں۔ رومانوی شاعر ہیں آپ کے کلام سے قنوطیت چھلکتی ہے۔ کیونکہ آپ ساری عمر مایوسی اور ناکامی سے دوچار رہے۔ شاعری کی ابتدا نظم سے ہوئی۔ فلم کے لئے بھی غزل لکھی تھی۔ مجموعہ کلام "خوشبو کا خواب" آپ نے اپنی زندگی میں خود شائع کیا تھا۔ ماضی کی یادوں میں ڈوب کر شعر کہنا انہی کا وصف ہے۔ ان کی دو نظموں کھوٹا سکہ اور بن باس نے شعری حلقوں میں خاصی شہرت حاصل کی۔ غزل کا ایک مصرعہ ملاحظہ ہو۔

عمر باد صبا سے کہئے گزرے ذرا ادب سے

پنجابی میں بھی شعر کہتے ہیں۔ پنجابی کا مجموعہ کلام بھی چھپ چکا ہے۔ دور درشن کیندر امرتسر سے ۷ جنوری ۱۹۹۵ء کو اس شاعر کے کلام پر تبصرہ نشر ہوا تھا۔ لندن میں مقیم تھے۔ وفات پاچکے ہیں۔

۵۔ خورشید حسین بخاری سید

سادات بخاری گھرانے سے تعلق ہے۔ آبائی وطن تراوڑی ضلع کرنال ہے۔ ہجرت کر کے شیخوپورہ چلے آئے۔ آپ کے والد ماجد سید بشیر حسین پسر راحت حسین بن سرفراز حسین نے ۱۹۵۲ء میں طارق ہائی سکول میں مدرس کی حیثیت سے عملی زندگی کا آغاز کیا۔ ۱۹۵۷ء میں لیاقت میموریل ہائی سکول میں ملازمت اختیار کرلی۔

خورشید حسین ۵ اپریل ۱۹۴۳ء کو تراوڑی میں پیدا ہوئے۔ لیاقت ہائی سکول سے ۱۹۵۸ء میں میٹرک' گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول شیخوپورہ سے ۱۹۶۰ء میں انٹرمیڈیٹ' گورنمنٹ ڈگری کالج شیخوپورہ سے ۱۹۶۳ء میں بی اے اورینٹل کالج لاہور سے ۱۹۶۴ء میں ایم اے فارسی' پرائیویٹ ایم اے اردو ۱۹۶۶ء میں اور یونیورسٹی لاء کالج سے ۱۹۷۰ء میں ایل ایل بی' تہران یونیورسٹی ایران کے وظیفہ پر ۱۹۷۸ء میں تہران سے ڈپلومہ ان ماڈرن پرشین حاصل کیا۔ ملازمت کی ابتدا اسلامیہ کالج سانگلہ ہل میں ۹ ستمبر ۱۹۶۶ء کو لیکچرار فارسی سے کی۔ ننکانہ اور شیخوپورہ کے کالجوں میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد سانگلہ ہل کالج میں ۲۳ اکتوبر ۱۹۹۳ء سے بطور پرنسپل خدمات انجام دے رہے ہیں۔ کتاب سے محبت کرنے والے انسان ہیں۔ متعدد کتب کے مصنف ہیں : مطالعہ ادبیات ایران تاج فصاحت و بلاغت ریاض التاریخ' الکمال' تذکرہ حضرت شاہ سکندر کیتھل' شعرائے کلاسک فارسی' دہلی کا ایک یادگار مشاعرہ۔

۶۔ خورشید عالم

پیشہ کے لحاظ سے آپ ایک وکیل ہیں۔ ایک خوبصورت کتاب "آپ کے نام" کے مصنف ہیں۔ اس کتاب میں موصوف نے مختلف عنوانات کے تحت زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد اور اداروں سے متعلق اپنے ذاتی تاثرات بیان کئے ہیں۔ خوش قسمتی سے آپ نے ابتدائی صفحات میں خودنوشت حالات بھی محفوظ کردیئے ہیں۔ اپریل ۱۹۹۵ء میں ۱۷۴ صفحات پر یہ کتاب شائع ہوئی' ۱۰ صفحات پر تصاویر بھی ہیں۔

خورشید عالم ۸ نومبر ۱۹۳۱ء کو چوہدری مہردین نارو راجپوت کے گھر میں موضع بھیانوالہ کلاں نزد مریدکے میں پیدا ہوئے۔ قریبی گاؤں کے سرکاری مدرسہ میں پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔ شیخوپورہ کے ملک محمد انور ایڈووکیٹ کے ان کے گھرانے سے روابط تھے۔ ملک صاحب ان کو حصول تعلیم کے لئے شیخوپورہ لے آئے ۱۹۵۰ء میں آپ نے میٹرک کیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے آنرز اور یونیورسٹی لاء کالج سے ۱۹۵۴ء میں ایل ایل بی کیا۔ اگلے برس سے باقاعدہ پریکٹس کا آغاز کردیا۔ ۱۹۶۰ء میں شیخوپورہ بار ایسوسی ایشن کی طرف سے جیورسٹ کانفرنس میں نمائندگی کی۔ ۱۹۸۷ء میں ضلع کونسل شیخوپورہ کے رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۹۱ء میں کوئٹہ میں چیف جسٹس آف پاکستان کی طرف سے منعقدہ اعلیٰ سطحی جوڈیشل کانفرنس میں پنجاب کی نمائندگی کی۔ ۱۴ مئی ۱۹۹۴ء کو آپ نے اس فانی دنیا سے کوچ کیا۔ ملک محمد انور کے گھر میں ان کو ہر طرح کی آزادی تھی۔ یہاں ان کو اپنوں کی سی محبت اور خلوص ملا۔

۷۔ روشن دین مولوی

آپ ضلع گورداسپور کے گاؤں گھمن خورد میں ۱۸۳۶ء میں مولوی محمد طیب قریشی کے گھر پیدا ہوئے۔ باپ کی طرح روشن دین بھی درویش صفت انسان تھے۔ گاؤں میں بچوں کو پڑھاتے تھے۔ لوگوں میں وعظ و نصیحت کرتے تھے۔ اپنی شاعری کو بھی تبلیغ کا ایک ذریعہ بنایا۔ جوانی میں ایک عشقیہ داستان قصہ دل خورشید لکھا۔ ۱۹۲۲ء میں آپ نے موضع سُھیالی ضلع شیخوپورہ میں وفات پائی۔ پنجابی میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور لوگوں کو نیکی کے راستے پر لانے کے لئے یہ قصے لکھے۔

شمع محمدی، سراج محمدی، باغیچہ محمدی، فضائل محمدی، ہجرت محمدی، شان محمدی، نقارہ محمدی، تبلیغ اسلام، وچھوڑا موت، قصہ ایوب صابر، احوال آخرت، جدائی موت، رمزحقانی، اسرار حقانی، قصہ جابر۔

روشن دین کی اولاد محمد حسین، عبدالعزیز، دین محمد اور عبدالقادر وفات ۶۲۔ ۱۹۶۱ء اور فاطمہ بی بی۔ روشن دین کے پوتے محمد اسلم صدیقی، پسر دین محمد گلی نمبر ۷ گھنگ روڈ شیخوپورہ میں آباد ہیں۔

۸۔ سلطان محمود حسین سید ڈاکٹر

تفصیلی حالات زندگی تذکار محمود' مطبوعہ اظہار سنز' اردو بازار لاہور ۱۹۹۸ء میں بیان کردیئے ہیں۔ مختصر یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

والد کی جانب سے بٹالہ کے خاندان سید بخاری سے تعلق ہے اور والدہ مغل گھرانہ سے تعلق رکھتی ہے۔

والد کا نام سید تاج حسین پسر سید الٰہی بخش پسر غلام محی الدین پسر کرم شاہ پسر اکبر شاہ

والدہ اقبال بیگم بنت مرزا شہاب الدین پسر گلاب بیگ پسر شادا بیگ پسر تاجو بیگ۔

جون ۱۹۳۶ء میں شکور بستی نزد دہلی میں پیدا ہوا۔ ریلوے ہائی سکول سکھر سے ۱۹۵۱ء میں مڈل' کرسچین انسٹی ٹیوٹ رائے ونڈ سے ۱۹۵۳ء میں میٹرک کیا۔ گورنمنٹ انٹر کالج' گلبرگ لاہور سے ۱۹۵۸ء میں ایف ایس سی کیا۔ اس کے بعد محکمہ ریلوے میں بطور اسسٹنٹ سٹیشن ماسٹر ملازم ہوگیا۔ ۱۱ اگست ۱۹۵۹ء سے ۲۷ ستمبر ۱۹۷۶ء تک ریلوے کی ملازمت کی۔ ملازمت کے دوران اسلامیہ کالج سکھر سے ۱۹۶۶ء میں بی اے' ۱۹۶۸ء میں ایم اے اردو' ۱۹۷۰ء میں ایم اے انگریزی اور ۱۹۷۶ء میں اردو میں پی ایچ ڈی کی۔

پنجاب پبلک سروس کمیشن کے ذریعہ اردو کا لیکچرار منتخب ہوا۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۷۶ء سے ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۷ء تک محکمہ تعلیم میں ملازمت کرنے کے بعد ساٹھ برس کی عمر پر گورنمنٹ کالج شیخوپورہ سے ریٹائر ہوا۔ آٹھ تحقیقی کتب شائع ہوچکی ہیں۔ بورڈ اور یونیورسٹی کے امتحانوں میں میٹرک سے لے کر پی ایچ ڈی تک نائب ممتحن' صدر ممتحن اور پرچہ مرتب کی حیثیت سے خدمات انجام دی ہیں۔ علامہ اقبال یونیورسٹی اسلام آباد میں اردو اور اقبالیات میں ایم فل کرنے والے طلباء کا نگران اور ممتحن رہا۔ چار پروفیسر صاحبان میری نگرانی میں تحقیق کرکے ایم فل کی اسناد لے چکے ہیں۔

ریٹائرمنٹ کے بعد مستقل طور پر شیخوپورہ میں رہائش پذیر ہوں۔ گھنگ روڈ گلی نمبر ۱۲ میں شمال جانب' میرے پڑوسی شاہد پرویز خان ولد شبیر علی خاں ہیں۔

اولاد : صائمہ سلطان (۱۷ جون ۱۹۷۲ء) ایم ایس سی باٹنی' ایم فل باٹنی۔ شادی کردی ہے

فروری ۱۹۹۸ء کو خاوند عمار اسماعیل۔ ایک بیٹی ۱۳ جولائی ۱۹۹۹ء کو پیدا ہوئی۔ نام حریم فاطمہ۔

۲۔ ضیاء محمود (یکم دسمبر ۱۹۷۴ء) ایم اے انگریزی بی ایڈ ایم اے فرنچ پارٹ II کا اس سال امتحان دیا ہے۔

۳۔ طلعت سلطان (۲۰ فروری ۱۹۷۶ء) ایم اے اردو ۱۹۹۹ء۔ طالبہ ایم فل اقبالیات

۴۔ فیصل محمود (۱۸ فروری ۱۹۸۰ء) اس سال بی ایس سی میں کامیاب ہوا ہے۔

تاریخ شیخوپورہ مکمل ہوچکی تھی فوٹو سٹیٹ کرانے کے لئے مسودہ دیا ہوا تھا۔ ایک حوالہ کے سلسلہ میں راقم لاہور میوزیم کے کتب خانہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ پاس پڑی ہوئی کتابوں کی الماری میں سے تحقیقات چشتی لے کر ورق گردانی کرنے لگا۔ کتاب میں سیلانی شاہ کا ذکر مل گیا۔ اسے پڑھا تو خوشی و حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ مولوی نور چشتی اپنی اس کتاب تحقیقات چشتی میں تحریر کرتے ہیں کہ سیلانی شاہ کا اصل نام احمد شاہ تھا اور یہ مغل بادشاہ' محمد شاہ (۱۷۴۸ ـ ۱۷۱۹) کا بیٹا تھا۔ محمد شاہ کے عہد میں جب نادر شاہ نے ۱۷۳۹ء میں ہندوستان پر حملہ کیا تو فروری کے مہینے میں کرنال کے مقام پر جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں احمد شاہ المعروف سیلانی شاہ موجود تھا۔ شکست کے بعد یہ میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ دینانگر میں مرزا فیض بخش کی دختر سے شادی کی۔ اس سے تین لڑکے ہوئے۔ جندے شاہ' رحمان شاہ اور ستار شاہ یہ تینوں اپنے باپ کے مرید تھے۔ جندے شاہ بگڑا ہوا نام معلوم ہوتا ہے۔ میں نے اپنی کتاب تذکار محمود کے صفحہ ۱۷۵ اور ۱۷۶ پر اس کا نام زیدی شاہ تحریر کیا ہے۔ یہ جندے شاہ میرے خسر مکرم مرزا ولایت بیگ(۱۹۸۹ ـ ۱۹۱۸) کا پردادا تھا اس طرح میری شریک حیات شفقت سلطان کا سلسلہ نسب مغل بادشاہ' محمد شاہ' محمد معظم شاہ' شاہ عالم اول' اورنگ زیب عالمگیر سے جا ملتا ہے۔ شفقت سلطان بنت مرزا ولایت بیگ بن جلال بیگ بن لال بیگ بن جندے شاہ بن سیلانی شاہ (احمد شاہ) بن محمد شاہ مغل بادشاہ

تحقیقات چشتی میں سیلانی شاہ کے حالات ملاحظہ فرمائیں:

سیلانی شاہ

مولد اس کا ہندوستان' اصلی نام اس کا احمد شاہ چونکہ یہ شخص ہمیشہ سیلانی رہتا تھا۔ اس واسطے اس کا نام سیلانی شاہ مشہور ہوگیا۔ ابتدا میں چندے دینانگر میں رہا۔ وہاں شادی اپنی

دختر مرزا فیض بخش سے کی جس سے یہ تین بیٹے پیدا ہوئے۔

بیٹوں سے روایت

آپ کے تین بیٹوں (جندے شاہ' رحمٰن شاہ و ستار شاہ) نے بارہا اپنے باپ سیلانی شاہ سے پوچھا کہ تم کون اور کس خاندان سے ہو؟ وہ صرف اتنا ہی فرماتے تھے:

"بیٹا ہم فقیر ہیں۔ ایک روز بدرجہ کمال دق کر کے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں محمد شاہ بادشاہ دہلی کا بیٹا ہوں۔ جب نادر شاہ ایران سے دہلی میں آیا اور مہم کرنال پیش ہوئی تو میں بسر کردگی افواج مرہٹہ ہمراہ تھا۔ جب شکست ہوئی تو میں کہیں کا کہیں نکل آیا۔ بعدہ چندے قصور میں رہا اور پھر کوہسان جموں کو چلا گیا' وہاں راجہ سنیار چند نے شہزادہ خیال کر کے مجھ کو بارہ برس اپنے پاس رکھا اور خرچ ضروری دیتا رہا۔ پھر شوق فقیری ہوا لہٰذا سب مال و اسباب براہ خدا لٹا کر مستان شاہ کا خادم بمقام ملتان ہوا اور شوق فقیری یوں ہوا کہ ایک رات خواب میں ان کو صورت مستان شاہ کی نظر آئی۔ اس کی تلاش کرتے کرتے ملتان میں جا پہنچے۔ جب وہاں گئے تو اس شکل کا ایک سوداگر نظر آیا۔ جب اس نے ان کو دیکھا تو تمام دولت لٹادی اور ان کو مرید کیا پھر دونوں صاحب لاہور میں آئے۔ نام ان کا عہد شہزادگی میں احمد شاہ تھا"۔

لاہور میں

جب وہ لاہور میں آئے تو چنداں مشہور نہ تھے۔ مستانہ روش پھرتے ہوئے بمقام موضع دسیر' غرب رویہ موضع سادہ جہاں اب ہندوؤں کی مڑھیاں میں جا کر سکونت اختیار کی۔ چونکہ یہ مسلمان تھے ہندوؤں کو ان کا یہاں بیٹھنا گوارا نہ ہوا۔ انہوں نے کہا کہ تم یہاں سے اٹھ جاؤ۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس جگہ اپنا مکان و تکیہ مکان سکونت بنادیں گے۔ جب ہندوؤں نے نہایت تنگ کیا تو انہوں نے بددعا دی کہ اچھا ہم تو اٹھ جاتے ہیں مگر

تم کو ہمیشہ تکلیف رہے گی۔ آپ نے وہاں سے اٹھ کر موضع وسیر کے شمال رویہ اپنا مکان تکیہ تعمیر کیا۔

مکان کی تعمیر

یہ مکان شرق رویہ موضع بابو سابو لاہور سے بفاصلہ تین کوس گزشتہ نیرت میں واقع ہے۔ بعدازاں سن بارہ سو تیس میں (خاکی شاہ و سیلانی شاہ فقیر) یہ لوگ اٹھ کر موضع بابو سابو میں جا آباد ہوئے۔ سیلانی شاہ نے اپنا تکیہ بنایا۔ چار کوٹھے تعمیر کئے اور چند درخت لگائے اور بطرف مغرب ایک چاہ قدیمی ہے جو پہلے مدفونہ تھا۔ سیلانی شاہ نے کھدواکر جاری کرایا۔ اب وہاں رحمان شاہ پسر سیلانی شاہ رہتا ہے۔ وہاں کے نمبردار اس کی پرورش کرتے ہیں۔

موراں طوائف اور سیلانی شاہ

بعدازاں موراں طوائف محبوبہ مہاراجہ کے در پر یہ ضد کرکے بیٹھا کہ یا مجھ سے نکاح کر یا کانجوں کے بیضے منگوا دے۔ اس ایام میں یہ حضرت مست مجذوب تھے۔ حتی کہ یہ حال تھا کہ بحالت مستی موریوں کا پانی پینا اور چھلکے خربوزوں اور تربوزوں کے کھانے۔ موراں کو اس معاملے میں ایسا تنگ کیا کہ اس نے لاہور میں منادی کرادی کہ کوئی اس کو روٹی نہ دیوے۔ اتفاقاً اسی اثنا میں موراں کو رنجیت سنگھ نے قید کرلیا۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ یہ اس فقیر روشن ضمیر کی رجعت ہے۔ اس وقت نام سیلانی شاہ کا کونجاں والا فقیر مشہور ہوگیا تھا۔ اس حالت میں موراں نے اقرار کیا کہ اگر خدا مجھ کو رہائی دیوے تو میں اس فقیر کو خوش کردوں۔ خدا کی قدرت الٰہی سے وہ قید سے چھوٹ گئی۔ ایک روز پابرہنہ آپ کے پاس حاضر ہوئی اور بہت لجاجت سے عرض کیا کہ یا حضرت کونجوں کے انڈے تو ملنے مشکل ہیں کچھ اور فرمایئے۔ آپ نے کہا ایک پنگھوڑا منگوا' اس میں مع مولاں ہمشیرہ خود بیٹھ اور ہم کو بھی بٹھلا اور مستان شاہ میرامرشد بھی اس میں بیٹھے اور سات دفعہ اس پنگھوڑے کو جھلا۔ اس طرح ہمارا نکاح ہوجائے گا۔ چنانچہ موراں نے ایسا ہی کیا۔ پھر اس

نے ایک کشتی طلب کی۔ وہ بھی اس نے نذر کی۔ ماسوا اس کے ایک ہزار کمبل اور ایک ہزار لنگوٹ فقرا میں تقسیم کرایا۔ پھر کشتی نہ لی مگر پنگھوڑا لے کر لب دریا متصل بیگم کوٹ جالگایا۔ اس وقت نام ان کا عوام میں پنگھوڑے والا فقیر مشہور ہوگیا۔ یہ سیلانی شاہ ایک سو باسٹھ سال کا ہوکر فوت ہوا۔ باوجود اس قدر عمر طویل کے ایک دانت تک اس کا اکھڑا نہ تھا' بارہ سو انہتر میں تاریخ ہفتم ربیع الاول سیلانی شاہ فوت ہوگیا تو اس کی قبر اس تکیہ میں ہی بنی۔ تحصیلدار لاہور پنڈت اجودھیا پرشاد نے حکم دیا تھا۔

سلسلہ فقیری

جندے شاہ و رحمان شاہ و ستار شاہ پسران و مریدان سیلانی شاہ وہ خادم مستان شاہ کا اور وہ ابراہیم شاہ کا اور وہ پیارے شاہ اور وہ راجن شاہ کا اور وہ ---------خواجہ بایزید۔

تکیہ

اب یہ تکیہ ایک ٹیلہ پر واقع ہے۔ زمین اس تکیہ کی تین گھماؤں تین کنال دس مرلہ۔ بہت سے درخت ہیں۔ قبر سیلانی شاہ کی تکیہ کے بیانہ میں بنی ہوئی ہے۔ ایک قبر خام امیر شاہ کی اسی میں ہے۔ وہ مرشد بھائی سیلانی شاہ کا تھا۔ اس تکیہ کے ساتھ زمین مزارعہ لمعہ بیگھ دو کنال دس مرلہ تاحین ہرسہ پسران سیلانی شاہ معاف ہے اور چاہ پختہ چرخی دار جس پر چرخ چوب ہے' جاری ہے' ہرسہ پسران سیلانی شاہ متفق ہوکر چودہ بیگھ زمین میں زراعت کرتے ہیں۔ مہاراجہ کے زمانہ میں یہ زمین ان کو معاف تھی۔

(تحقیقات چشتی' تالیف نور احمد چشتی' صفحہ ۲۷۴'۲۷۵ ۔ الفیصل' غزنی سٹریٹ' اردو بازار' لاہور)

علمی و ادبی خدمات

خطبات گاسیں دتاسی ترتیب و تعلیقات (اردو پی ایچ ڈی کا موضوع)

نگران: ڈاکٹر سید یحیٰ احمد ہاشمی' پروفیسر اردو' سندھ یونیورسٹی' حیدر آباد۔

تحقیقی مقالہ جانچنے والے پروفیسر صاحبان:
ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب، صدر شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی حیدر آباد۔
ڈاکٹر ابواللیث صدیقی صاحب صدر شعبہ اردو کراچی یونیورسٹی، کراچی۔

تصانیف کی تفصیل

۱۔ اردو کی نثری تاریخ میں سرسید کا مقام، فیروز سنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۷۱ء انیس انٹرپرائزز، روگراں دہلی، ۱۹۷۶ء، قیمت چھ روپے

۲۔ تاریخ رائے ونڈ، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز اردو بازار، لاہور، ۱۹۷۷ء ۱۵ روپے۔

۳۔ تاریخ پسرور، سنگ میل پبلی کیشنز، اردو بازار لاہور، ۱۹۸۱ قیمت پچاس روپے۔

۴۔ علامہ اقبال کے استاد شمس العلماء مولوی سید میر حسن (حیات و افکار) اقبال اکادمی۔ پاکستان لاہور، ۱۹۸۱ء قیمت ۲۸ روپے، داؤد ادبی انعام یافتہ اس کا دوسرا ایڈیشن زیر طبع ہے۔

۵۔ یورپ میں اردو کے مراکز مجلس ترقی ادب، لاہور ۱۹۸۴ء قیمت پندرہ روپے۔

۶۔ اقبال کی ابتدائی زندگی، اقبال اکادمی، پاکستان لاہور۔ ۱۹۸۶ء ۸۰ روپے طبع دوم ۱۹۹۶ء قیمت ۱۵۰ روپے۔

۷۔ تعلیقات خطبات گارسیں دتاسی (مقالہ پی ایچ ڈی) مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۸۷ء قیمت ستر روپے۔

۸۔ تذکار محمود، اظہار سنز، اردو بازار لاہور، ۱۹۹۸ء ۳۰۰ روپے۔

رسائل جن میں تحقیقی مقالے شائع ہوئے۔

قومی زبان کراچی، نگار پاکستان کراچی، مجلہ تحقیق پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج میگزین۔ ماہ نو اقبال ریویو، اقبالیات، صحیفہ اقبال، تہذیب الاخلاق (لاہور)
اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، جلد ۲۱ مقالہ مولوی محمد سید میر حسن

۹۔ صدیق علی، مرزا

مرزا اللہ دتہ پسر خیرالدین کے بیٹے ہیں۔ آبائی وطن ضلع سیالکوٹ ہے۔ صدیق علی ۲۴

مئی ۱۹۴۳ء کو پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج' لائل پور سے ۱۹۵۵ء میں بی-ایس-سی پاس کیا۔ پنجاب یونیورسٹی ۱۹۶۱ میں ایم اے علوم اسلامیہ اور ۱۹۶۳ء میں ایم اے اردو کیا۔ کمیشن کے ذریعہ منتخب ہوئے اور گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول گلبرگ لاہور میں ۹ نومبر ۱۹۶۳ء کو لیکچرار اردو تعینات ہوئے۔ یکم جون ۱۹۶۴ء کو گورنمنٹ ڈگری کالج شیخوپورہ تبدیل ہوکر آئے۔ ۲۱ فروری ۱۹۸۸ء کو بطور پرنسپل ننکانہ صاحب کالج میں اور ۱۸ اپریل ۱۹۸۹ء کو سانگلہ ہل کالج تبدیل ہوئے۔ ۲۳ مئی ۱۹۹۳ء کو آپ ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ ۱۹۷۵ء سے مستقل رہائش شیخوپورہ میں ہے۔ اردو کے ایک اچھے شاعر ہیں۔ باقاعدہ کسی سے اصلاح نہیں لی۔ زیادہ تر غزل کہتے ہیں۔

مطبوعہ مجموعہ کلام: صحرا میں سمندر ۱۹۸۵ء' رنج سفر ۱۹۹۰ء اک سخن اور ۱۹۹۴ء۔

۱۰۔ عبدالجبار شاکر

شہر شیخوپورہ کی ایک شخصیت جو اپنے ذاتی کتب خانہ اور علوم اسلامی پر گہری نظر رکھنے کی وجہ سے اپنے ملک کے علاوہ غیرممالک میں بھی جانی جاتی ہے۔

آپ کے والد عبدالعزیز اور دادا میاں قادر بخش بھٹی تھے۔ عبدالجبار یکم جنوری ۱۹۴۷ء کو ضلع قصور میں پیدا ہوئے۔ پتوکی کے ہائی سکول سے ۱۹۶۲ء میں میٹرک کیا۔ ۱۹۶۶ء میں گورنمنٹ کالج ساہی وال سے بی اے کیا۔ پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۶۸ء میں ایم اے اردو اور ۱۹۷۸ء میں ایل ایل بی کی سند حاصل کی۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی' اسلام آباد سے ۱۹۹۵ء میں اقبالیات میں ایم فل کیا۔ موضوع اقبال کی غیرمدون نثر معہ حواشی و تعلیقات نگران ڈاکٹر رحیم بخش شاہین تھے۔

یکم جولائی ۱۹۶۹ء کو میونسپل کالج پتوکی میں اردو کے لیکچرار مقرر ہوئے۔ پنجاب پبلک سروس کمیشن کے ذریعہ منتخب ہوکر ۳ فروری ۱۹۷۱ء کو گورنمنٹ کالج لیاقت پور میں لیکچرار اردو تعینات ہوئے۔ یکم جنوری ۱۹۷۶ء کو گورنمنٹ کالج شیخوپورہ تبدیل ہوکر آگئے۔ یہاں آپ ۲۱ ستمبر ۱۹۸۲ء تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۸۲ء سے ڈائریکٹر پبلک لائبریریز پنجاب مقرر ہوگئے۔ ایک بڑے نجی کتب خانہ کے مالک ہیں۔ سات ہزار کے قریب کتب ہیں۔ سینکڑوں عربی' فارسی اور اردو کے قلمی نسخے ہیں۔ ۱۹۸۶ء میں اسلام آباد میں

نمائش کتب میں دس ہزار روپیہ نقد وزارت مذہبی امور پاکستان نے انعام میں دیا۔ قدیم سکے فرامین اور قدیم تہذیبوں کے زیورات بھی آپ کے پاس محفوظ ہیں۔ آپ کے کتب خانہ سے اردو' فارسی اور عربی کے محقق بھی استفادہ کرتے ہیں۔ ایک پرائیویٹ درسگاہ کے ذریعہ تعلیم کی شمع بھی روشن کئے ہوئے ہیں۔ اردو اور پنجابی میں شعر بھی کہتے ہیں۔ ملک کے ایک بہترین مقرر بھی ہیں۔ جمعہ کے روز خطبہ بھی دیتے ہیں۔ پانچ کتب اور سکول کے بچوں کے نصاب کے لئے ۱۲ کتب لکھ چکے ہیں۔

۱۱۔ عبدالستار مولوی

پنجابی زبان کے مشہور شاعر ہیں۔ ۱۸۳۳ء میں موضع کھاریاں والا ضلع شیخوپورہ میں میاں مردان ورک جٹ کے ہاں پیدا ہوئے۔ میاں مردان نو مسلم تھے اور بافندوں کا کام کرتے تھے۔ چالیس برس کی عمر تک باپ کے ساتھ اسی پیشہ سے وابستہ رہے' چالیس برس کی عمر کے بعد عبدالستار کو لکھنے پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ آپ نے عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ اسی دوران انہیں شاعری سے بھی دلچسپی پیدا ہوئی۔ ۱۳۰۰ھ میں سورہ والضحیٰ کی منظوم تفسیر "اکرام محمدی" لکھی۔ ۱۳۱۳ھ میں یوسف زلیخا کی ضخیم داستان پنجابی نظم میں قصص المحسنین لکھی۔ دوسری تصانیف: چرخہ رنگ رنگیلا' مجموعہ اشعار عبدالستار' مہیں نامہ' عبرت نامہ' تین نامہ' بارہ ماسہ' سی حرفیاں' مداح نبی کریم' مدح پیران پیر۔ آخری عمر میں موضع فیروز وٹواں میں آبسے تھے اور یہیں ۲۱ مارچ ۱۹۱۳ء کو اس فانی دنیا سے کوچ کیا۔

۱۲۔ عمر شبیر' کرنل

آپ کے والد ماجد چوہدری محمد خاں ولد علی اکبر موضع پھواڑی تحصیل شکرگڑھ کے رہنے والے تھے۔ راجپوت منہاس گھرانہ سے تعلق ہے۔ والد ماجد محکمہ پولیس میں ملازم تھے۔ ۱۹۷۱ء میں یہ گھرانہ شیخوپورہ نقل مکانی کر آیا۔ مستقل رہائش گورنمنٹ کالج شیخوپورہ کے قریب ہے۔

عمر بشیر ۱۲ اگست ۱۹۵۰ء کو پیدا ہوئے۔ شکر گڑھ کالج سے ۱۹۶۶ء میں ایف اے کیا۔ گارڈن کالج راولپنڈی سے ۱۹۶۸ء میں بی ۔ اے۔ پنجاب یونیورسٹی سے اکنامکس اور انگریزی میں ایم ۔ اے کیا۔ قانون کی ڈگری ایل ایل بی بھی حاصل کی۔ ڈیفنس اینڈ سٹریٹجک اسٹڈیز میں ایم ایس سی کیا۔ ۱۳ اپریل ۱۹۷۸ء کو پاک فوج میں کمیشن حاصل کیا۔ آج کل آپ لیفٹیننٹ کرنل کے عہدہ پر فائز ہیں۔ لکھنے لکھانے کا شوق طالب علمی ہی کے زمانے سے تھا۔ آپ کا ایک ناول مارچ ۱۹۹۸ء میں "منزل" شائع ہوا ہے۔ یہ خوبصورت اور اصلاحی ناول ۵۳۱ صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۳۔ غلام دستگیر نامی

پیر حامد شاہ کے صاحبزادے تھے۔ موضع رتہ پیراں، ضلع شیخوپورہ کے رہنے والے تھے۔ سلسلہ نسب لاہور کے معروف سہروردی بزرگ حضرت شیخ عبدالجلیل چودہ بندگی سے جا ملتا ہے۔ نامی کے جداعلیٰ حمیدالدین کیچ مکران کے حکمران تھے۔ ان سے حضرت جلیل ہوئے۔

غلام دستگیر کیم مئی ۱۸۸۳ء کو پیدا ہوئے۔ اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ لاہور سے ۱۹۰۳ء میں میٹرک کیا۔ محکمہ ریلوے، ڈاکخانہ، تعلیم اور ضلع کچہری لاہور میں ملازمت کی۔ ۱۶ دسمبر ۱۹۶۲ء کو اس فانی دنیا سے کوچ کیا۔ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ "تاریخ جلیلہ" ان کی معروف کتاب ہے۔ نامی کی زوجہ حمید سلطانہ بنت اشرف شاہ تھی۔ مریدکے مسلم لیگ کے صدر سیدانور علی حمید سلطانہ کے بہنوئی تھے۔ نامی کی اولاد، پیر محمد افضل شاہ (وفات ۱۹۴۴ء) پیر محمد اجمل شاہ۔ ۱۹۴۷ء سے قبل وفات پاگئے۔ پیر محمد ابوبکر ہاشمی، محکمہ زراعت سے ۱۹۸۲ء میں ریٹائر ہوئے ہیں۔ مریدکے میں رہائش پذیر ہیں۔ نامی صاحب نے شاہ مراد کے دیوان کو شائع کرایا ہے۔

۱۴۔ غلام رسول آزاد

گورنمنٹ کالج شیخوپورہ کے پرنسپل ہیں۔ دیکھئے کالج۔

۱۵۔ غمناک

نام چوہدری گھسیٹا مل اور تخلص غمناک۔ موضع گلانوالہ' ضلع شیخوپورہ میں ۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کو پیدا ہوئے۔ باپ زمیندر اور ساہوکار تھے۔ ۱۸۹۰ء کے سیلاب میں ان کا گاؤں دریابرد ہوگیا۔ نقل مکانی کرکے لاہور آگئے اور بھاٹی دروازہ میں رہائش رکھی۔ لاہور میں استاد گاموں خاں ولد نواب قائل خاں کے شاگرد ہوئے۔ پنجابی کے کئی قصے منظوم کئے مثلاً قصہ بھرتری ہری' قصہ راجہ گوپی چند' قصہ سوہنی مہینوال' قصہ دل خورشید' قصہ پرتابی۔ راجپوتاں دے کارنامے اور سوانح ہری سنگھ نلواہ

۱۶۔ محبوب علی ورک

آپ کے والد چوہدری اللہ دتہ ولد شاہ محمد ولد شہریار نورپور ورکاں کے زمیندار تھے۔ محبوب علی ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۶ء میں مڈل کا امتحان پاس کیا۔ اپنی قوم ورک کی بھلائی وبہتری کے لئے بڑے سرگرم رہے ہیں۔ ۱۹۷۶ء میں آپ نے تاریخ ورک لکھی جو ورکوں کو یکجا کرنے کی ایک اچھی کوشش ہے۔

۱۷۔ محمد اشرف پال

ان کے جداعلیٰ سکھ تھے۔ دادا بوٹا سنگھ جسپال جٹ گھرانہ سے تعلق رکھتا تھا۔ محمد اشرف کے والد نے ۱۹۳۸ء میں اسلام قبول کیا اور غلام محمد نام پایا۔ محمد اشرف نے یکم جنوری ۱۹۳۹ء کو مسلمان گھرانے میں آنکھ کھولی۔ ہیلی کالج لاہور سے ۱۹۶۸ء میں ایم کام کیا۔ پنجاب یونیورسٹی لاء کالج سے ۱۹۷۲ء میں ایل ایل بی کیا اور شیخوپورہ میں پریکٹس کرنے لگے۔ لکھنے پڑھنے سے گہرا شغف رکھتے ہیں۔ اردو اور پنجابی میں شاعری کرتے ہیں۔ اردو شاعری میں صدیق شاہد اور پنجابی میں تنویر بخاری سے اصلاح لی۔ فکر جدید اور مواخذہ کی ادارت بھی کی۔

تصانیف: سدھراں دا کھوہ' آپ بیتی (ناول) ۱۹۷۰ء' پنجابی نثر کے علاوہ آپ کے چھ شعری

رانتی حصوں ۹ پرلکھا

۱۸۔ محمد تقی خاں

ایک افسانہ نگار' پیشہ کے لحاظ سے ایڈووکیٹ ہائی کورٹ و سپریم کورٹ۔ محمد تقی خاں کے والد محمد شفیع ولد غلام محمد خاں' لدھیانہ کے راجپوت گھرانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آبائی پیشہ تجارت اور ٹھیکیداری ہے۔ قیام پاکستان کے بعد اوکاڑہ میں آباد ہوئے۔ محمد تقی ۱۴ اپریل ۱۹۳۴ء کو پیدا ہوئے۔ دیال سنگھ کالج' لاہور ۱۹۵۶ء میں بی۔اے کیا۔ کالج میں سید عابد علی عابد اور مظفر علی سید کے ہمراہ کالج میگزین مرتب کیا۔ بزم علم و ادب کے سیکرٹری رہے۔ ۱۹۵۸ء میں لاہور میں قانونی پریکٹس شروع کردی۔ چھ سات برس تک سرکاری وکیل کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ ۱۹۶۷ء میں آپ شیخوپورہ میں تعینات تھے۔ جب آپ نے اس ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور ذاتی پریکٹس کرنے لگے۔ شیخوپورہ بار کونسل کے علاوہ' لاہور ہائی کورٹ بار کونسل کی فلاح و بہبود کمیٹی کے چیئرمین' مجلس عاملہ کے ممبر' سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن کے ممبر ہیں۔ انٹرنیشنل بار ایسوسی ایشن' کامن ویلتھ بار ایسوسی ایشن' لاایشیاء اور سارک لاء کے رکن بھی ہیں۔ چاربار بیرون ملک ملک کی نمائندگی کرچکے ہیں۔ قانون کے علاوہ آپ کو علم و ادب سے بھی لگاؤ ہے۔ ملک کے نامور جرائد میں آپ کے اردو میں افسانے چھپتے رہے۔ ان کے افسانوں کا مجموعہ "اجنبی تیرے شہر میں" کے نام سے ۱۹۷۱ء میں الحمرا پبلشنگ کمپنی لاہور سے شائع ہوا۔

۱۹۔ محمد خادم حسین سید

چورہ شریف' ضلع اٹک کے روحانی نقشبندی گھرانہ کے فرد ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب: محمد خادم حسین ولد سید احمد شاہ گیلانی ولد دیدار شاہ ولد خواجہ دین محمد ولد نور محمد۔ نور محمد شاہ' چورہ شریف کے بانی ہیں۔ نسب نامہ شاہ عبدالقادر گیلانی سے جاملتا ہے۔ نور محمد شاہ ۱۸۶۰ء میں چورہ شریف میں تشریف لائے اور یہیں ۱۸۷۲ء میں اس فانی دنیا سے کوچ کیا۔ آپ

ماخوذ، ص ۲۸۰

مجموعے بھی چھپ چکے ہیں مثلاً کیرنے، تپنی اکھ، تھیا تھیا، گلو کڑی اور اردو شعری مجموعے برگ ویرا اور دم دید۔

کے مزار اقدس پر ہر سال مارچ کی آخری جمعرات اور جمعہ کو عرس ہوتا ہے۔

سید محمد خادم حسین نے ۱۹۷۱ء میں شہر شیخوپورہ میں رہائش اختیار کی کیونکہ یہاں آپ کی زرعی اراضی تھی۔ خادم حسین ۱۹۲۱ء میں چورہ شریف میں پیدا ہوئے۔ ۱۵ مئی ۱۹۸۴ء کو شیخوپورہ میں آپ نے وفات پائی۔ چورہ شریف میں تدفین ہوئی۔

آپ کی اولاد:

۱۔ سید محمد کلیم احمد خورشید' ایڈووکیٹ' شیخوپورہ لاہور۔

۲۔ سید منظور آصف طاہر' پنڈی کیمپ میں پروفیسر تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد گدی نشیں ہوگئے۔

۳۔ سید مظہر جمیل احمد' کاروبار کر رہے ہیں۔

۴۔ ڈاکٹر عزیزالغنی' اسلام آباد میں پریکٹس کر رہے ہیں۔

تحریک پاکستان کے دوران دوسرے آزادی کے متوالوں' پیر صاحب مانکی شریف' پیر معصوم شاہ' مولانا شبیراحمد عثمانی اور عبدالقیوم خاں کے ساتھ مل کر خادم حسین نے صوبہ سرحد میں ریفرنڈم میں مسلم لیگ کو کامیاب کرانے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔

محمد خادم حسین کی تصانیف' حدیث دل اور المیت۔

۲۰۔ محمد یونس حسرت

۱۳ اپریل ۱۹۳۳ء کو ریاست پٹیالہ کے ایک گاؤں "چوپٹہ" میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام چوہدری شاہ نواز خاں اور دادا کا نام طورے خاں پسر کرم الٰہی ہے۔ دسویں جماعت کے طالب علم تھے کہ ملک تقسیم ہوگیا۔ ہجرت کرکے ننکانہ صاحب آگئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کی۔ ۱۹۵۰ء میں گورنمنٹ ہائی سکول واربرٹن سے میٹرک کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور سے ۱۹۵۴ء میں بی ایس سی کیا۔ ۱۹۶۷ء میں ایم اے اردو کیا۔ ایک طویل عرصہ تک مجلس زبان دفتری حکومت پنجاب سے منسلک رہے۔ ۱۹۷۵ء میں اردو کے لیکچرار منتخب ہوئے۔ ۱۹۸۴ء تک گورنمنٹ جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ میں اور ۱۹۸۵ سے ۱۹۹۳ء تک گورنمنٹ گورونانک ڈگری کالج ننکانہ صاحب میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۲ اپریل

۱۹۹۳ء کو ننکانہ صاحب کالج سے ریٹائر ہوئے۔ حسرت صاحب کو اردو ادب سے شروع ہی سے دلچسپی رہی ہے۔ بچوں کے لئے لکھنے والے ادیبوں میں سے صف اول کے ادیب ہیں۔ بچوں کے لئے ان کا سب سے پہلا ناول "سلیم کی آپ بیتی" ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا تھا۔ بچوں کے لئے چینی اور جاپانی کہانیاں بھی اردو میں منتقل کی ہیں۔ اردو کی کلاسیکی داستانوں کو بھی بچوں کے لئے آسان زبان میں تحریر کیا ہے۔ اردو شاعری سے بھی گہرا لگاؤ ہے۔ نظم کی طرف زیادہ راغب ہیں۔ ان کا مجموعہ کلام نشاط البیان شائع ہوچکا ہے۔ اسی سے زیادہ کتب شائع ہوچکی ہیں۔ پاکستان ٹیلی ویژن پر ان کی کہانیاں سیریل کی صورت میں پیش کی جاچکی ہیں۔ ضلع شیخوپورہ کو اپنے اس سپوت کے تخلیقی کاموں پر ناز ہے۔ صد افسوس حرکت قلب بند ہو جانے سے ستمبر ۱۹۹۹ء میں اس دنیا سے چل بسے۔

۲۱۔ مظہر محمود شیرانی، ڈاکٹر

پروفیسر حافظ محمود شیرانی کے پوتے اور اختر شیرانی کے فرزند ہیں۔
مظہر محمود ۹ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو اپنے ننھیالی گاؤں ڈھانی شیرانیاں ضلع ناگور راجستھان، بھارت میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ ہائی سکول شیخوپورہ سے ۱۹۵۲ء میں فرسٹ ڈویژن میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ دو سال بعد اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور سے انٹرمیڈیٹ اعزاز کے ساتھ پاس کیا اور وظیفہ حاصل کیا۔ ۱۹۵۶ء میں اسی کالج سے بی اے کیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۹۵۸ء میں ایم اے، تاریخ اور ۱۹۶۰ء میں یونیورسٹی اورینٹل کالج سے ایم اے، فارسی کیا۔ ایڈہاک بنیاد پر اکتوبر ۱۹۶۰ء میں لیکچرار فارسی تعینات ہوئے۔ پنجاب پبلک سروس کمیشن کے ذریعہ منتخب ہوکر مئی ۱۹۶۱ء میں گورنمنٹ ڈگری کالج مظفر گڑھ میں تقرری ہوئی۔ دو برس بعد انٹر کالج شیخوپورہ تبدیل ہوکر آگئے۔ ان دنوں کالج کے پرنسپل خواجہ عبدالوحید تھے۔ ۱۹۶۶ء میں گورنمنٹ ڈگری کالج شیخوپورہ میں تبدیل ہوگئے۔ اسی کالج سے آپ ۸ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو ملازمت سے سبکدوش ہوئے صدر شعبہ فارسی کی حیثیت سے۔
پنجاب یونیورسٹی سے آپ نے ۱۹۸۷ء میں اردو میں پی ایچ ڈی کی سند فضیلت حاصل کی۔ تحقیق کا موضوع حافظ محمود شیرانی اور ان کی علمی و ادبی خدمات ہے نگران ڈاکٹر وحید قریشی صاحب تھے۔ مجلس ترقی ادب لاہور کی جانب سے یہ پر مغز مقالہ دو جلدوں میں جون ۱۹۹۳ء

اور جون ۱۹۹۵ء میں شائع ہوچکا ہے۔ مظہر محمود صاحب نے آٹھ جلدوں میں مقالات حافظ محمود شیرانی کو مرتب کیا ہے۔ پہلی جلد ۱۹۶۶ء میں مجلس ترقی ادب کی جانب سے طبع ہوئی تھی۔ ۱۹۸۱ء میں حافظ صاحب کے مکاتیب کو مرتب کیا' جسے مجلس یادگار حافظ شیرانی لاہور نے شائع کیا۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند پنجاب یونیورسٹی لاہور میں حصہ کشمیر کے فارسی شعرا کا مقالہ بھی آپ کا تحریر کردہ ہے۔ علمی و ادبی رسائل میں آپ کے تحقیقی مقالات شائع ہوتے رہتے ہیں اور قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ خاکہ لکھنے میں بھی آپ کو کمال حاصل ہے۔ کتاب سے محبت کرنے والے انسان ہیں۔

۲۲۔ وارث شاہ

پنجابی کے سب سے نامور شاعر جنہیں داستان ہیر رانجھا کی بناء پر عالمی ادب میں ایک بلند مقام حاصل ہے۔

وارث شاہ جنڈیالہ شیر خاں میں ایک سید گھرانہ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام گل شیر شاہ ہے۔ آپ کے سال پیدائش میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ حفیظ تائب نے آپ کا سال ولادت ۱۱۲۲ھ بتایا ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم جنڈیالہ شیر خاں ہی میں حاصل کی۔ مزید تعلیم کے لئے قصور میں مولانا مرتضٰی قصوری کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کیا۔ قصور سے وابستگی آخری عمر تک رہی۔ لاہور میں بھی کچھ عرصہ گزارا۔ ۱۱۷۱ھ /۱۷۵۷ء کے قریب پاک پتن گئے۔ یہاں دو سال تصوف کا علم حاصل کرنے کے بعد واپس اپنے آبائی وطن آنے لگے تو راستہ میں ملکہ ھانس پہنچے اور محلہ مجاہد کی مسجد میں قیام کیا۔ یہاں آپ کو ایک ہندو عورت بھاگ ونتی ملی۔ اس ہندو عورت کے حسن و جمال سے آپ بڑے متاثر ہوئے اور ایک عشقیہ داستان ہیر رانجھا کو نئے سرے تخلیق کیا۔ ملکہ ہانس سے وارث شاہ واپس جنڈیالہ شیر خاں آگئے اور تادم مرگ یہیں مقیم رہے۔ آپ کا سال وفات ۱۷۹۸ء قرار دیا جاتا ہے۔ اصل میں یہ داستان فارسی میں لکھی گئی تھی۔ مغل دور میں کئی شعراء نے اس عشقیہ قصہ کو نظم کی صورت میں پیش کیا لیکن وارث شاہ نے ۱۱۸۰ھ بمطابق ۱۷۶۶ میں پنجابی نظم میں لکھ کر خود بھی زندہ جاوید ہوگئے' ہیر وارث شاہ میں بہت سے اشعار میں فحش پن پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے اسے روحانی قدروں سے ملانا اچھی بات نہیں۔ ہیر وارث شاہ میں نادر شاہ'

احمد ابدالی، سکھوں کی لوٹ مار، قتل و غارت اور لاہور، قصور، دیپالپور وغیرہ کے حکمرانوں کی جنگوں کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے قصیدہ بردہ کا ترجمہ کیا۔ سی وارث شاہ معہ دوہڑ جات بھی آپ کی منظوم تصنیف ہے۔

چند دوسرے مصنفین وغیرہ

۱۔ افضل حق چوہدری، معشوقہ پنجاب یعنی ہیر رانجھا، شیخوپورہ ۱۹۸۵ء۔
۲۔ اللہ دتہ بھٹی چوہدری، حسین دی بھین اوگند ڈاکخانہ اجنیانوالہ ۱۹۴۷۔
۳۔ برکت علی نوشاہی، نارنگ منڈی داطوفان، کشمیری بازار، لاہور
۴۔ سرفراز قاضی، نویں نظم، فکر جدید پبلی کیشنز، شیخوپورہ ۱۹۷۶ء
۵۔ سندرداس، شاہی قولاں، شیخوپورہ ۱۹۱۹ء ص ۷۱۔
راجہ رسالو کی بیوی قولاں کی پاکبازی کے بارے میں لاہور سے چھپی۔
۶۔ عبدالحق، بھائیاں دی لڑائی، کوٹ پنڈی داس ضلع شیخوپورہ۔
۷۔ غلام فاطمہ، سی حرفی، ظفر بک سٹال، شیخوپورہ
۸۔ محمد ایوب حشمت نین نامہ (شیخوپورہ) کشمیری بازار لاہور ص ۴۸
۹۔ محمد ایوب، مناظرہ، زمین آسمان، ص ۳۲
۱۰۔ محمد صادق صوفی، گل سن لے الڑ میارے (سانگلہ ہل) کشمیری بازار، لاہور۔
۱۱۔ محمد عالم کپور تھلوی، ڈوھنگے ویہناں دا شاعر، (شاہ کوٹ) لاہور ۱۹۷۳ء
۱۲۔ محمد عباس، باراں ماہ ور محبت حضرت محمد و در فراق حسین، (مرادے کلاں) لاہور۔
۱۳۔ محمد عبداللہ، نجات المومنین، (برج اٹاری)
۱۴۔ نام نامعلوم، نسخہ عنایت ٹھٹھہ، ضلع شیخوپورہ، محمد ابراہیم ۱۹۲۴ء
(حوالہ پنجابی کتب ڈاکٹر شہباز ملک، اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد ۱۹۹۱ء)
۱۵۔ اظہر عباس، سبز رتوں کے خواب، ہائیکو کا شعری مجموعہ ۱۹۹۸ء۔
۱۶۔ ارشاہ فیروز پوری۔ موضع روسہ کے رہنے والے مصنف، امرکہانی،

پرچھانویں۔ پنڈ تے شہر وسیبا

۱۷ ۔ خالد پرویز ملک ایڈووکیٹ شیخوپورہ مصنف شیخوپورہ کے سرسید چوہدری عبدالغنی، عمر پبلشرز میاں مارکیٹ لاہور ۱۹۹۸ء۔

۱۸ ۔ نذیر حسین، محمد بوٹا ولد الف دین مہاجر کے لڑکے متوطن چک ۴ رسالہ ضلع شیخوپورہ خدا مدد کتاب گھر شیخوپورہ میں قائم کر کے متعدد پنجابی منظوم قصے شائع کئے۔

۱۹ ۔ بشیر احمد باوا، موضع کڑیال، عبداللہ ولد کرم الٰہی ولد محمد یار کے بیٹے پنجابی کے شاعر، مطبوعہ کلام، دکھ ساگر نوں لایاں ڈیکاں، ۱۹۹۷ء، سکھ دے شو وچ تارگئی اے ۱۹۹۸ء۔

۲۰ ۔ مقصود ناصر ایڈووکیٹ، مصنف تاریخ شیخوپورہ، مہندی، پنجاب دے لوک گیت

۲۱ ۔ عبدالغفار شیخ ایڈووکیٹ، ابتدا میں لیکچرار انگریزی تھے۔ مصنف، تاجدار مدینہ ۔

۲۲ ۔ میاں مقبول احمد، ریٹائرڈ پرنسپل انٹرمیڈیٹ اردو طلباء کے لئے، تعمیر ادب مرتب کی۔

شخصیات

(۴) سیاسی' سماجی اور دیگر مشاہیر

۱۔ ۔ انور علی' سید۔
۲۔ تحمل واحد' شیخ
۳۔ خورشید عالم ملک' ڈاکٹر
۴۔ خوشی محمد۔
۵۔ دسوندھی خاں۔
۶۔ روشن دین۔
۷۔ ریاض الحسن شاہ گیلانی۔
۸۔ زیرا۔
۹۔ شاہ محمد' بیرسٹر
۱۰۔ عالم الدین۔
۱۱۔ عبدالغنی چوہدری
۱۲۔ عنایت اللہ سلیمی' ڈاکٹر
۱۳۔ غلام باری سلیمی۔
۱۴۔ غلام حیدر۔
۱۵۔ کرامت علی شیخ۔
۱۶۔ گنگارام' سر۔
۱۷۔ محبت خاں' وا ہگہ۔
۱۸۔ محمد ابراہیم چوہدری۔
۱۹۔ محمد انور ملک۔
۲۰۔ محمد حسین شیخ۔
۲۱۔ محمد رفیع چوہدری۔

۲۲۔ محمد شفیع سالار۔
۲۳۔ محمد ظریف، ڈاکٹر۔
۲۴۔ مراد خاں بلوچ۔
۲۵۔ وار برٹن۔



ا۔ انور علی، سید

سید ہاشمی گھرانہ سے تعلق ہے آپ کے والد پیر گنج بخش موضع ملک پور نزد بدو ملہی کے رہنے والے تھے۔ سید انور علی کا نسب نامہ چھٹی پشت میں حضرت عبدالجلیل چوہڑ بندگی (لاہوری) سے جاملتا ہے۔

سید انور علی ۱۸۹۸ء کو ملک پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد ۱۹۱۶ء میں نارمل اور ۱۹۱۸ء میں سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے سینئر ورنیکلر کا امتحان پاس کیا۔ محکمہ تعلیم میں مدرس کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا۔ ۱۹۱۸ء سے ۱۹۴۰ء تک مدرس رہے۔ ملازمت کے دوران گورنمنٹ مڈل سکول میرودال اور آخری دور میں مریدکے کے سکول میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ دوران ملازمت مسلم لیگ سے وابسطہ ہوگئے یہاں تک کہ آپ ہی کی کوششوں سے مریدکے میں مسلم لیگ کی ایک شاخ قائم ہوئی اور آپ اس کے صدر منتخب ہوئے۔ دسمبر ۱۹۳۸ء میں پٹنہ میں مسلم لیگ کے اجلاس میں شرکت کی۔ اجلاس میں راجہ صاحب محمود آباد کی خدمت میں ایڈریس پیش کیا۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور کے شرکت کی تھی اور قائداعظم سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ۱۹۴۲ء میں سیالکوٹ میں مسلم لیگ کے اجلاس میں شرکت کے لئے قائداعظم تشریف لے گئے۔ راستہ میں مریدکے میں ایک جلسہ کا اہتمام سید صاحب نے کیا اور قائداعظم نے وہاں لوگوں کے ایک بڑے اجتماع سے خطاب کیا۔

۸ جون ۱۹۷۵ء کو آپ نے مریدکے میں وفات پائی اور پیروں کا قبرستان میں دفن ہوئے

۱۹۲۱ء میں دربار حضرت عبدالجلیل چوہڑبندگی کے سجادہ نشین پیراشرف عالم کی صاحبزادی مبارک سلطانہ سے آپ کی شادی ہوئی مبارک سلطانہ نے ۱۹۶۶ء میں وفات پائی۔

اولاد ۔ پیر عبدالغفور شاہ، مریدکے میں رہائش پذیر ہیں یونین کونسل کے چیئرمین اور بلدیہ مریدکے کے کونسلر رہے ہیں۔ آپ کا بیٹا زبیر فرید شاہ آج کل بلدیہ مریدکے کا وائس چیئرمین ہے۔

۲۔ پیر نعیم اظہر شاہ، لاہور میں رہتے ہیں۔ شعری مجموعہ منکشف ۱۹۹۵ء میں ۱۱۲ صفحات پر چھپ چکا ہے۔

۳۔ اصغری سلطانہ ۱۹۷۰ کے قریب آپ کا انتقال ہوا۔
غلام دستگیر نامی انور علی کے عزیز تھے۔ نامی کی زوجہ حمید سلطانہ بھی اشرف عالم شاہ کی دختر تھی۔ انور علی نے ایک کتاب "عبدہ" بھی لکھی ہے جس کا ترجمہ سعودی عرب میں بھی شائع ہوا۔

۲۔ تجمل واحد، شیخ

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے لاگریجویٹ تھے۔ غلام باری سلیمی کے ساتھ ہی علی گڑھ میں پڑھتے تھے۔ تجمل واحد نے فارمن کرسچین، لاہور سے ایف اے کیا تھا۔ شیخوپورہ ڈسٹرکٹ کورٹس میں آپ کے والد ماجد شیخ عبدالواحد کا پیسنگ ایجنٹ تھے۔ سر عبدالقادر سے بھی عزیزداری تھی۔ تجمل واحد کے دوسرے بھائی اجمل واحد بھی لاگریجویٹ تھے۔ شیخ عبدالواحد کی ہمشیرہ اصغر علی (ICS) فائنینشل کمشنر پنجاب کی بیوی تھی۔ شیخ اصغر علی کے صاحبزادے جمیل اصغر لاہور ہائی کورٹ کے جج تھے۔
شیخ عبدالواحد، ڈاکٹر عنایت اللہ سلیمی کے بڑے عزیز دوست تھے اور قصور سے تعلق تھا۔

۳۔ خورشید عالم ملک، کیپٹن، ڈاکٹر

آبائی وطن چک امرال اور ادھ مرال نزد راولپنڈی ہے۔ ان کے جداعلیٰ عبداللہ اعوان کا مزار امرال میں ہے۔ ان کے ایک بزرگ امرنام کے تھے۔ اس نام کی نسبت سے گاؤں کا نام چک امرال پڑا۔ خورشید عالم کے والد ڈاکٹر محمد دین ولد ملک الف دین لاہور میڈیکل سکول کے تعلیم یافتہ "۱۹۰۳ء" تھے اور فوج میں ملازم تھے ڈاکٹر محمد دین نے پہلی جنگ عظیم کے بعد فوج کی ملازمت چھوڑ دی۔ لس بیلہ بلوچستان میں سول ڈسپنسری میں سب اسسٹنٹ سرجن کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ ۱۹۱۹ء میں آپ فورٹ منڈیمن میں سب اسسٹنٹ سرجن تھے ہسپتال میں ژوب ملیشیاء میں اچھی کارکردگی کی بناء پر حکومت نے ۱۹ اپریل ۱۹۱۶ء کو آپ کو ایک تعریفی سند دی۔ یکم جنوری ۱۹۳۴ء کو خان صاحب کا خطاب عطا

ہوا۔ ڈاکٹر محمد دین نے ۱۹۴۴ء کے لگ بھگ وفات پائی۔

اولاد' ڈاکٹر خورشید عالم' محبوب عالم' سعید عالم اور رشید عالم۔

ڈاکٹر خورشید عالم یکم جنوری ۱۹۱۵ء کو پیدا ہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۳۰ء میں میٹرک کیا۔ دو برس بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے ایف ایس سی کیا لاہور ہی سے ۱۹۴۰ء میں ایم بی بی ایس کی ڈگری حاصل کی۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران فوج کی میڈیکل برانچ میں ملازمت اختیار کی۔ ۱۹۴۵ء میں فوج سے مستعفی ہوکر شہر شیخوپورہ میں پریکٹس کرنے لگے کیونکہ آپ کی شادی شیخوپورہ میں بیرسٹر شاہ محمد کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ شہر کی سیاست کے ساتھ ساتھ ملک کی سیاست میں بھی حصہ لیتے تھے۔ ۱۹۵۴ء میں آپ بلدیہ شیخوپورہ کے ممبر منتخب ہوئے تھے۔ سید شہید حسین سہروردی کی پاکستان عوامی لیگ کی سنٹرل ورکنگ کمیٹی کے فعال رکن تھے۔ ڈاکٹر خورشید عالم نے ۹ مئی ۱۹۷۹ء کو وفات پائی۔ رانا شاہ جمال قبرستان میں دفن ہوئے۔ اولاد : ڈاکٹر کامران رشید' عرفان خورشید' فرحان رشید' عذرا بیگم' نیلم بیگم' الماس بیگم اور زمرد بیگم۔

۴۔ خوشی محمد

خوشی محمد پیشے کے لحاظ سے ایک پرائمری سکول میں مدرس تھے۔ لیکن ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کے مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ لاہور میں پوری لیگ کی مدد کرکے تاریخ میں نام پیدا کرلیا ہے ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ :

> "۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو منٹوپارک لاہور میں مسلم لیگ کا اجلاس شروع ہوگیا۔ اجلاس میں شریک مسلم لیگیوں کے دوپہر کے کھانے کا کوئی بندوبست نہیں کیا گیا تھا۔ جلسہ کے منتظمین بڑے پریشان تھے۔ اس موقعہ پر مسلم لیگ کے ایک کارکن خوشی محمد نے دو بوری چاول اور ایک کنستر گھی فراہم کردیا اس طرح یہ پریشانی دور ہوئی۔"

خوشی محمد کے والد میاں مولا بخش اور دادا کا نام گامو اور پردادا حاکم علی تھے۔ آبائی وطن پنڈیاں (Pindian) تحصیل ترنتارن' ضلع امرتسر ہے۔ خوشی محمد ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو آبائی گاؤں پنڈیاں میں پیدا ہوئے قصور کے نارمل سکول سے ۲۴ ـ ۱۹۲۳ء میں ورنیکلر کے

بعد تربیت حاصل کی اور محکمہ تعلیم میں مدرس کی حیثیت سے تقرری ہوئی۔ شاہ پور کے پرائمری سکول میں یکم جنوری ۱۹۲۵ء کی ڈیوٹی لی۔ اینگلو ورنیکلر سکول بالی رام میں ۳۱ ـ ۱۹۳۰ء میں تھے۔ اینگلو ورنیکلر سکول نواں پنڈ ۳۶ ـ ۱۹۳۳ء نواں پنڈ خالصہ ہائی سکول ۴۰ ـ ۱۹۳۷ء سیالکوٹ چھاؤنی ۱۹۴۴ء' اس کے بعد لاہور چلے آئے اور صدر کے اسلامیہ ہائی سکول میں ۱۹۶۵ء تک ہائی کلاسوں کو اردو اور فارسی پڑھاتے رہے' آخری عمر میں چھ ماہ تک ڈاکٹر محمد اسلم کے زیرعلاج رہے۔ ۱۴ دسمبر ۱۹۹۱ء کو اس فانی دنیا سے کوچ کر گئے۔

اولاد: حسن اختر' حسن اصغر' ڈاکٹر عبدالغفور' مسعود اختر' ثریا اختر اور نسیم اختر

۱۔ حسن اختر (پ ۶ اپریل ۱۹۳۷ء) پاکستان ایئرفورس میں اسکوارڈن لیڈر تھے۔ سرگودھا میں ایک فضائی حادثہ میں ۹ اگست ۱۹۷۴ء کو شہید ہوئے۔ اولاد' راحیلہ اختر' ابیلہ اختر' بشریٰ اختر اور طارق حسن اختر۔

۲۔ حسن اصغر' (۱۱ اکتوبر ۱۹۳۸ء) زوجہ مقصودہ اصغر بنت چوہدری غلام رسول۔

اولاد: عزیز اصغر' فرزانہ اصغر' شبانہ اصغر' تنویر اصغر' (بی ایس سی) ریحانہ اصغر۔

حسن برادرز ڈائنگ اینڈ فنشنگ انڈسٹریز کے نام سے ایک ادارہ چلا رہے ہیں۔ لاہور سرگودھا روڈ پر کوٹ عبدالمالک سے ۳ کلومیٹر دور ۱۳ کلومیٹر پر یہ انڈسٹری ہے۔ ۱۹۸۱ء سے یہ صنعتی یونٹ ہے۔ حسن اصغر انتہائی مخلص اور ملک و قوم کا درد رکھنے والے انسان ہیں۔ مستقل رہائش' بی ۲ آفیسرز کالونی غازی روڈ لاہور چھاؤنی۔

۳۔ عبدالغفور (۲۰ اگست ۱۹۴۳ء) ڈاکٹر ہیں۔

اولاد ـ آصفہ غفور' عابدہ غفور' فائزہ غفور' عالیہ غفور' رابعہ غفور' بشریٰ غفور' صبا غفور۔

۴۔ مسعود اختر (۱۴ اپریل ۱۹۵۰ء)۔

اولاد: صوفیہ مسعود' فرح مسعود' حسن مسعود اور احسن مسعود۔

۵۔ ثریا اختر' خاوند چوہدری بشیر احمد۔

اولاد: آمنہ بشیر' نعیمہ بشیر' عمر بشیر' بشریٰ اختر' مریم بشیر۔

۶۔ نسیم اختر' خاوند چوہدری منیر احمد۔

اولاد : کاشر منیر' ماریہ' سدرہ اور بلال منیر' خوشی محمد ارائیں گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے دو بھائی علی محمد' محمد شفیع اور دو بہنیں زینب بی بی اور برکت بی بی تھیں۔

میں تحریک پاکستان کے اس کارکن یعنی ماسٹر خوشی محمد کی تلاش میں مدتوں سے سرگرداں تھا۔ گورنمنٹ کالج شیخوپورہ کے آفس میں بیٹھے ہوئے ۱۹۹۷ء میں کالج کے DPE محمود خالد ولد غلام محمد نے ان کی نشاندہی کی کیونکہ محمود خالد خوشی محمد کے گاؤں ڈلہ ننگل چک ۸۳ نزد شاداب ٹیکسٹائل ملز طارق انڈسٹریز شاہ کوٹ کے رہنے والے تھے۔ اس نشاندہی پر راقم کو انتہائی خوشی ہوئی محمود خالد کا میں بہت مشکور و ممنون ہوں۔

۵۔ دسوندھی خاں

ورک گھرانہ سے تعلق تھا۔ باپ کا نام جھنڈا اور دادا کا نام بہادر تھا۔ شیخوپورہ کا ذیلدار تھا۔ اکتوبر ۱۹۱۹ء میں جب شیخوپورہ کو نوٹیفائیڈ ایریا قرار دیا گیا تو ۱۵ جنوری ۱۹۲۰ء کے اجلاس میں آپ نے بطور رکن شرکت کی تھی۔ دوسرے میونسپل کمشنر منہت جیون داس تھے۔ سوندھی خاں ۱۹۲۵ء تک لگاتار کمیٹی کے رکن رہے۔ پرانے شہر میں مرکزی جامع مسجد اہلحدیث محلہ ورکاں میں ہے اسے دسوندھی خان کے بھائی فیض بخش نے پختہ تعمیر کرایا تھا۔ ۱۹۳۰ء کا زمانہ تھا۔

۶۔ روشن دین

سجن بھنگو کے لڑکے تھے۔ حکومت نے خان بہادر کا خطاب دیا تھا۔ راجپوت سلوترہ کی گوت بھنگو سے تعلق ہے۔ آبائی گاؤں مڑھ بھنگواں ہے۔ تعلیم معمولی تھی لیکن عقل و فراست کے مالک تھے۔ ۲۳ فروری ۱۹۳۸ء کو آپ بلدیہ شیخوپورہ کے ممبر مقرر ہوئے تھے۔ ۱۹۴۴ء کے اجلاس میں بلدیہ کے پریذیڈنٹ کے لئے روشن دین نے شیخ کرامت علی کو نامزد کیا تھا۔ شیخ صاحب ہی کامیاب ہوئے تھے۔ اپریل ۱۹۴۸ء میں بھی آپ بلدیہ کے رکن تھے۔ ۱۹۵۰ - ۱۹۵۲ء میں بھی آپ رکن تھے۔ مسلم لیگ سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے۔ تحریک

پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کی اولاد نے بھی مسلم لیگ سے تعلق قائم رکھا۔

خان بہادر مولوی روشن دین نے ۵۲ - ۱۹۵۱ء میں ۶۵ برس کی عمر میں وفات پائی آپ کے دوسرے بھائی نذیر احمد زمیندار تھے جن کا انتقال ۱۹۶۳ - ۱۹۶۴ء میں مڑھ بھنگواں میں ہوا۔

روشن دین کی اولاد:

۱۔ فقیر محمد زمیندار وفات ۱۹۸۰ء ان کا ایک بیٹا افتخار احمد جونیجو کے دور میں ممبر صوبائی اسمبلی۔
۲۔ عطا اللہ' وفات ۱۹۸۸ء ممبر ضلع کونسل۔
۳۔ سردار بیگم خاوند علی حسین ولد نذیر احمد پسر بجن بھنگو' ان کا بیٹا اعجاز حسین بھنگو گورنمنٹ کالج شیخوپورہ میں پروفیسر نفسیات ہے۔
۴۔ نواب بیگم' خاوند غلام علی بھنگو۔

۷۔ ریاض الحسن شاہ

گیلانی سادات گھرانے سے تعلق ہے۔ آپ کے مورث اعلیٰ سید ابوالحسن علی گیلانی قادری مغل بادشاہ نصیرالدین ہمایوں کے ہمراہ ایران سے برصغیر میں وارد ہوئے۔ ہمایوں اور اکبر اعظم کے دور میں اعلیٰ فوجی مناصب پر فائز رہے۔ ۹۷۷ھ میں کلانور میں ایک جنگ میں کام آئے۔ آپ کی اولاد عہد مغلیہ میں قاضی القضاء کے مناصب جلیلہ پر مدتوں فائز رہی۔ سکھ دور میں اس گھرانے کے ایک بزرگ سید مطیع اللہ گیلانی ملتان سے نقل مکانی کرتے ہوئے شاہ کوٹ میں قیام پذیر ہوئے۔

شاہ کوٹ ہی میں سید محمد حسین کے ہاں سید ریاض الحسن ۳ دسمبر ۱۹۱۳ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد سید محمد حسین محکمہ انہار میں ضلع دار تھے۔ ۱۲' ۱۳ برس کی عمر تھی کہ والد چل بسے۔ جامعہ پنجاب سے میٹرک پاس کیا۔ میڈیکل کالج پٹیالہ سے طب و جراحت کی سند حاصل کی۔ شاہ کوٹ ہی میں طبابت شروع کردی۔ روحانی علوم کی تکمیل آپ نے سید محمد ذاکر حسین شاہ گیلانی شاہ کوٹی سے کی۔ ۱۹۳۰ء میں وادی کشمیر میں ڈوگرہ حکومت کے کشمیری

مسلمانوں پر ظلم و ستم کے خلاف تحریک میں بھرپور حصہ لیا' گرفتار ہوئے اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ شاہ کوٹ میں انجمن رضائے مصطفیٰ قائم کی۔ شیخوپورہ میں مسلم لیگ قائم ہوئی تو آپ کئی برس تک اس کے عہدہ دار رہے۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو منٹو پارک لاہور میں جب قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو آپ نے ضلع شیخوپورہ کے مسلم لیگ کے ممبر کی حیثیت سے شرکت کی تھی۔ بلدیہ شاہ کوٹ کے بڑے فعال رکن تھے۔ ۱۹۵۳ء سے ۱۹۶۵ء تک بلدیہ کے بلامقابلہ چیئرمین منتخب ہوتے رہے۔ میونسپل ہائی سکول اور میونسپل کالج کے قیام میں بڑے سرگرم رہے۔ شاہ کوٹ سے ایک طبی ماہنامہ حکمت ۳۰ برس تک نکالتے رہے۔ ۱۹۳۶ء سے شاہ کوٹ میں اپنا مطب جاری رکھا۔ طب پر آپ کی ایک کتاب اکسیرالامراض بڑی مفید کتاب ہے۔ ۲۱ فروری کی درمیانی شب ۱۹۸۶ء کو شاہ کوٹ یہ مایہ ناز سپوت اس فانی دنیا سے کوچ کرگیا۔

اولاد: سید محمد امتیاز الحسن گیلانی شاہ کوٹ بلدیہ کے کونسلر۔

۸۔ زہرا (Zabra)

انگریزوں نے ۲۹ مارچ ۱۸۴۹ء کو پورے پنجاب پر قبضہ کرلیا لاہور کے زہرا نامی شخص نے مدد ضرور کی ہوگی اس کا باپ فیض طلب' ذات شیخ' لاہور کا کمان بردار تھا۔ یکم نومبر ۱۸۵۳ء کو انگریزی حکومت نے صلہ میں زہرا کو موضع پنڈی باوریاں پرگنہ شیخوپورہ' ضلع گوجرانوالہ میں ایک سو پچاس روپے سالانہ کی جاگیرعطا کی تھی۔ زہرا کی عمر ۵۰ برس کی تھی۔ لاہور سیکریٹریٹ آرکائیوز میں جاگیر کی سند موجود ہے۔

۹۔ شاہ محمد بیرسٹر

آپ کے والد ماجد ملک کریم بخش اور دادا ملک احمد خاں پسر ملک بلاخاں تھے۔ اعوان گھرانہ سے تعلق ہے۔ شہر لاہور میں کوٹلی کے رہنے والے ہیں۔ آبائی پیشہ زمیندارہ ہے۔ شاہ محمد ۱۸۸۵ء کے قریب لاہور میں پیدا ہوئے۔ انجمن حمایت اسلام ہائی سکول لاہور سے انٹرنس (میٹرک) کا امتحان پاس کیا۔ انہی دنوں آپ کے والد ملک کریم بخش کا چیف کورٹ

لاہور میں جانا ہوا۔ وہاں وکلاء کے لباس سیاہ گون اور مدعی دیہاتیوں اور شہریوں کا ان کا پیچھا کرنا' ان کا مقدمہ لڑنے کے لئے ان کی منت سماجت کرنا بھلا لگا۔ ان کی شخصیت سے بڑے متاثر ہوئے۔ اپنے بیٹے شاہ محمد کو بھی بیرسٹر بنانے کا پختہ عزم کیا۔ ان کے تعلیمی اخراجات کے لئے مال مویشی فروخت کئے اور بیٹے کو لندن روانہ کردیا۔

شاہ محمد بیرسٹری کی سند فضیلت حاصل کرکے ۱۹۱۴ء میں وطن لوٹے' دو سال تک لدھیانہ میں قانونی پریکٹس کی۔ لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔ شیخوپورہ ضلع بننے پر ۱۹۲۰ء میں شیخوپورہ چلے آئے اور یہیں مستقل رہائش اختیار کرلی۔ ضلعی عدالتوں میں پریکٹس کے ساتھ ساتھ آپ شیخوپورہ کے بلدیہ میں بھی حصہ لینے لگے۔ ۱۹۲۱ء میں بلدیہ کے رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۲۷ء تک رکن رہے۔ ضلع شیخوپورہ کے نمائندہ کی حیثیت سے صوبائی انتخاب میں حصہ لیا اور ۱۹۳۰ء کے انتخاب میں ممبر آف دی لیجسٹلیٹو کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔ زندگی نے زیادہ وفا نہ کی۔ ۵ ستمبر ۱۹۳۴ء کو اس دارفانی سے کوچ کرگئے۔ آپ کی زوجہ زینب بی بی پتوکی کے اعوان گھرانہ کی تھیں۔ شاہ محمد اولاد نرینہ سے محروم تھے۔ دو لڑکیاں ممتاز بیگم اور محمودہ بیگم تھیں۔

۱۔ ممتاز بیگم شیخوپورہ میں ڈاکٹر خورشید عالم' سے بیاہی گئی۔ اولاد میں ایک دختر عذرا بیگم تھیں جو شوکت علی ولد قادر بخش سے بیاہی گئی۔ ان کی دختر شہلا ہے جو پروفیسر محمد اظہر کی زوجہ ہے۔

۲۔ محمودہ بیگم۔ شادی نہیں کی' گورنمنٹ گرلز ہائی سکول شیخوپورہ میں ۱۹۴۵ء میں ٹیچر تھیں۔ اگست ۱۹۷۲ء سے ۱۰ جنوری ۱۹۸۲ء تک سکول کی ہیڈ مسٹریس رہیں۔ ۱۰ جنوری کو آپ کا انتقال ہوا۔

بیرسٹر شاہ محمد کے ایک بڑے بھائی محمد عالم تھے' زمیندار تھے ان کی اولاد ملک اکبر علی' ملک نیاز علی اور ملک نشان علی تھے۔ شاہ محمد کے چھوٹے بھائی ملک برکت علی شیخوپورہ میں ۴۲ ۔ ۱۹۴۳ء میں ایڈووکیٹ تھے۔ مسلم لیگ کے فعال رکن تھے۔ ۲۶ جون ۱۹۶۲ء کو وفات پائی آپ کی اولاد میں دو پسر ملک محمد یحییٰ سلیم ایڈووکیٹ ہائی کورٹ و سپریم کورٹ' ملک نعیم زکریا' ایڈووکیٹ ہائی کورٹ اور دو دختران ہیں۔ نعیم زکریا کا انتقال ۱۹۸۹ء میں ہوا۔

۱۰۔ عالم الدین

بیرسٹر تھے، بی اے ایل ایل بی وکیل لاہور ہائی کورٹ۔ آپ کی ایک بڑی حویلی کے مین گیٹ پر ۱۵ نومبر ۱۹۲۲ء کا لگا ہوا کتبہ ان کی یاد دلاتا ہے۔ بلدیہ شیخوپورہ کے فعال رکن تھے۔ ۲۲ دسمبر ۱۹۲۸ء کو بطور رکن بلدیہ آپ نے حلف اٹھایا۔ ۱۹۳۱ء میں آپ بلدیہ کے قانونی مشیر مقرر ہوئے۔ آپ کی زوجہ فاطمہ بی بی نے ۶۰ برس کی عمر میں ۲۹ جون ۱۹۴۴ء کو وفات پائی۔

۱۱۔ عبدالغنی چوہدری

جٹ ہرل گھرانے سے ان کا تعلق ہے۔ آباؤ اجداد ضلع سرگودھا کے رہنے والے تھے۔ والد کا نام فضل احمد اور دادا کا نام فتح عالم ہے۔ سکھ عہد میں ان کے جداعلیٰ گجرات نقل مکانی کر گئے۔ گجرات میں جب یہ گھرانہ پھولا پھلا تو گھرانے کے افراد نے باہر کا رخ کیا۔ شیخوپورہ میں عبدالغنی کے تایا مولوی غلام حیدر وکیل تھے۔ عبدالغنی یکم اپریل ۱۹۱۲ء کو گجرات میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۵ء میں آپ چھٹی جماعت میں تھے کہ تایا کے پاس شیخوپورہ آگئے۔ گورنمنٹ ہائی سکول شیخوپورہ سے ۱۹۲۹ء میں میٹرک کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور سے ۱۹۳۳ء میں انٹرمیڈیٹ اور ۱۹۳۵ء میں بی اے کیا۔ پنجاب یونیورسٹی سے ایل ایل بی کر کے شیخوپورہ میں وکالت شروع کی۔ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ ۴۵ - ۱۹۴۴ء میں شیخوپورہ میں ینگ مسلم فیڈریشن قائم ہوئی تو اس کے رکن بنے۔ تحریک پاکستان میں اس تنظیم کے تحت بھرپور حصہ لیا۔ مسلم مہاجرین کی آبادکاری میں پیش پیش رہے۔ ۱۹۴۷ء کے آخری پانچ ماہ سپیشل مجسٹریٹ کی حیثیت سے کام کر کے مہاجرین کی آبادکاری کو کامیاب بنایا۔ ۱۹۵۱ء میں M.P.A منتخب ہوئے۔ ون یونٹ کے قیام پر بھی صوبائی اسمبلی کے ممبر رہے۔

غریب بچوں کو تعلیم سے آراستہ کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ فاطمہ جناح گرلز سکول قائم کیا۔ لیاقت ہائی سکول کے قیام میں ان کی کوششوں کو بڑا دخل حاصل ہے۔ ۱۹۶۶ء میں

لڑکیوں کے لئے فاطمہ جناح ڈگری کالج قائم کیا۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ نوجوانوں میں کھیلوں کا فروغ بھی ان کا محبوب شغل رہا ہے۔ ۱۹۳۸ء میں شیخوپورہ جم خانہ کرکٹ کلب کی بنیاد رکھی۔ کئی سال کرکٹ اور ہاکی کے ضلعی صدر رہے ہیں۔

چوہدری صاحب اولاد نرینہ سے محروم تھے۔ ایک بیٹی شہناز فلسفہ کی پروفیسر ہیں۔

۱۲۔ عنایت اللہ سلیمی، ڈاکٹر

موضع انوکھروال، تحصیل نواں شہر، ضلع جالندھر کے رہنے والے ہیں۔ ارائیں گھرانہ سے تعلق ہے۔

نسب نامہ: عنایت اللہ پسر چوہدری عمر دین پسر نظام دین پسر چوہدری ماہی۔

عنایت اللہ ۱۹۲۲ سے ۱۹۲۶ء تک شیخوپورہ میں ویٹرنری ڈاکٹر رہے۔ ۱۸ دسمبر ۱۹۷۰ء کو ۸۴ برس کی عمر میں شیخوپورہ میں آپ کا انتقال ہوا۔ سرکاری ملازمت سے سبکدوشی کے بعد شیخوپورہ میں ہومیو کی پریکٹس شروع کی۔ شیخوپورہ میں ملازمت کے دوران آپ نے ۱۹۳۰ء میں ضلعی ہسپتال کے سامنے شمالی جانب ساڑھے پانچ کینال کا ایک قطعہ اراضی سرکاری نرخ پر خرید کر ایک کوٹھی تعمیر کی۔ آپ کے والد کا نام چوہدری عمر دین اور دادا کا نام چوہدری نظام دین تھا۔ شیخوپورہ میں مسلم لیگ قائم کرنے میں پیش پیش تھے۔ لیگ کے باقاعدہ فعال رکن تھے اور لاہور کے ۲۳ مارچ کے اجلاس میں شرکت کی تھی۔

اولاد: غلام باری سلیمی ایڈووکیٹ، کموڈور اسلام باری سلیمی، حمیدہ بیگم اور ڈاکٹر انعام باری سلیمی۔

عنایت اللہ میاں اردو میں شعر بھی کہتے تھے۔ تصانیف 'تمہید و توصیف' ۱۹۶۸ء، معروضات سلیمی' ۱۹۶۸ء۔

۱۳۔ غلام باری سلیمی

غلام باری سلیمی ۱۴ جولائی ۱۹۱۴ء کو انوکھروال میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے انٹرمیڈیٹ کیا۔ مزید تعلیم کے لئے علی گڑھ چلے گئے اور ۳۵ - ۱۹۳۴ء میں بی اے تک

تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۳۶ء میں قانون کی ایل ایل بی کی سند لی۔ ۱۹۳۷ء کے اواخر میں ضلع جالندھر میں پراسی کیوٹنگ سب انسپکٹر پولیس کی حیثیت سے ملازم ہوگئے۔ ۱۹۴۶ء میں آپ فیروزپور میں تھے کہ مستعفی ہوگئے۔ اس کے بعد وکالت شروع کردی۔ شیخوپورہ میں قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۷ء میں وکالت کا آغاز کیا۔ آج کل لاہور ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں سینئر وکیل ہیں۔ علی گڑھ میں تعلیم کے دوران آپ نے قائداعظم سے ملاقات کی تھی۔ ۱۹۳۴ء میں قائداعظم مسلم یونیورسٹی میں تشریف لائے تھے۔ آپ نے دو گھنٹہ تک انگریزی میں تقریر کی۔ یونیورسٹی کے طلباء نے سوال کیا کہ ایک اچھے وکیل کی خصوصیات کیا ہیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا:

Integrity' Honesty, Hardwork with Intelligence.

ایک اور سوال کے جواب میں فرمایا:

Lawyer is student of law and remains such till he is put in the grave

۳۴ ۔ ۱۹۳۵ء میں یونیورسٹی کے طلباء نے یونیورسٹی کے لئے فنڈ اور مسلم لیگ کے لئے کام کرنے کے لئے بمبئی جانے کا پروگرام بنایا۔ وفد نے قائداعظم کو مالابار خط تحریر کیا کہ وہ ان کو Receive کریں۔ آپ نے اپنی لائبریری میں وفد سے ملاقات کی اور ان کے خط پر ناراضگی کا اس طرح اظہار کیا:

I thought my lords are coming.

اصفہانی صاحب بمبئی پریذیڈنسی کی مسلم لیگ کے سیکرٹری تھے۔ انہوں نے اس وفد کی رہائش کا انتظام کیا۔ وفد کا قیام ایک ماہ تک رہا۔ وفد میں ایک اسسٹنٹ پروفیسر اکنامکس محمد مشاغل الہ آباد' غلام باری سلیمی اور سید محمد انور امرتسر شامل تھے۔ تعلیم کے دوران ہی باری صاحب نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کرلی تھی۔ لاہور کے اجلاس میں منعقدہ ۲۲ مارچ ۱۹۴۰ء کو لیگ کے ممبر کی حیثیت سے شرکت کی تھی۔ ۲۵ اگست ۱۹۹۷ء کی ملاقات میں آپ نے بتایا کہ شیخوپورہ کے مولوی غلام حیدر ایڈووکیٹ اور چوہدری شاہ محمد ایڈووکیٹ نے بھی مذکورہ اجلاس میں شرکت کی تھی۔ غلام باری سلیمی ان دنوں A۔ ۱۱ نیو مسلم ٹاؤن لاہور میں رہائش پذیر ہیں۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور حصول پاکستان کے لئے جو جدوجہد کی گئی تھی۔ اس کو یاد کرتے ہوئے آنکھیں نمناک ہوگئی تھیں۔

۱۴۔ غلام حیدر، مولوی

چوہدری عبدالغنی مرحوم کے تایا تھے۔ فضل احمد ولد فتح عالم کے بڑے بھائی، ضلع بننے پر شیخوپورہ آگئے اور وکالت کے پیشہ کو اپنایا۔ انجمن اسلامیہ کے بانیوں میں سے تھے۔ ۲۹ جنوری ۱۹۲۴ء کو آپ نے ٹاؤن کمیٹی شیخوپورہ کو سیکرٹری انجمن اسلامیہ کی حیثیت سے کچہری کے شمالی جانب ایک مسجد کی تعمیر کے لئے درخواست دی تھی۔ یہ مسجد آج بھی موجود ہے اور مسلمان طلباء کی ایک بڑی تعداد کو دینی تعلیم دے رہی ہے۔ آپ ہی کے پاس چوہدری عبدالغنی ۱۹۲۷ء کے لگ بھگ یہاں آئے تھے۔ ۱۶ نومبر ۱۹۲۷ء کو آپ نے بلدیہ کے ایک رکن کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ ۱۹۴۴ء تک آپ بلدیہ کے رکن رہے۔ ۲۷ فروری ۱۹۴۵ء کے اجلاس میں سردار سنتوکھ سنگھ کی تجویز اور پنڈت گیان چند کی تائید سے بلدیہ کے پریذیڈنٹ منتخب ہوئے۔ ۱۹۴۷ء، ۱۹۴۹ء، ۱۹۵۳ء میں بھی آپ بلدیہ کے فعال رکن تھے۔

۱۵۔ کرامت علی، شیخ

شیخ صاحب نارووال کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد ماجد شیخ غلام محمد کاروبار کرتے تھے۔ کرامت علی نے فارمن کرسچین کالج لاہور سے بی اے کیا۔ پنجاب یونیورسٹی سے ایل ایل بی کیا۔ منٹگمری میں کچھ عرصہ وکالت کی۔ ۱۹۲۰ء میں شیخوپورہ جب ضلع بنا تو آپ شیخوپورہ میں آگئے اور ڈسٹرکٹ کورٹس میں وکالت کرنے لگے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ بلدیہ کے امور میں بھی حصہ لینے لگے۔ ۱۹۲۵ء میں آپ بلدیہ کے رکن تھے۔ ۱۹۲۷ء میں بلدیہ کے شعبہ پی ڈبلیو ڈی سے وابستہ تھے۔ اس کام میں آپ کے ساتھ سیٹھ برکت رام اور لالہ دیوان چند بھی تھے۔ جولائی ۱۹۳۱ء میں حکومت نے شیخ کرامت علی اور پنڈت منشی رام پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جو ہسپتال اور ڈسپنسری کو اپنی تحویل میں لینے کا فیصلہ کرے گی۔ ۱۹۳۲ء میں بھی شیخ صاحب بلدیہ کے رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۳۴ء میں پہلی بار بلدیہ کے اراکین میں سے بلدیہ کا پریذیڈنٹ اور وائس پریذیڈنٹ چنا گیا۔ سردار آتما سنگھ پریذیڈنٹ منتخب ہوئے۔ مقابلہ میں شیخ کرامت علی تھے۔ دونوں کو برابر کے ووٹ ملے۔

فیصلہ قرعہ اندازی کے ذریعہ ہوا۔ فروری ۱۹۳۸ء میں آپ بلدیہ کے صدر منتخب ہوئے اور ملک محمد انور نائب صدر ہوئے۔ ۱۹۴۴ء میں بھی آپ صدر منتخب ہوئے تھے۔ ۱۵ اپریل ۱۹۴۸ء کو آپ بلدیہ شیخوپورہ کی ممبرشپ سے مستعفی ہوگئے۔ آپ کی جگہ خاں علاؤالدین کو حکومت نے ممبر نامزد کیا۔

صوبائی و ملکی سطح پر بھی آپ سیاست میں حصہ لینے لگے تھے۔ شیخ صاحب کے صاحبزادے خواجہ افتخار علی کے مطابق کرامت علی نے آزاد امیدوار کی حیثیت سے ۱۹۳۵ء کے الیکشن میں ننکانہ صاحب سے کامیابی حاصل کی تھی بعد میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی اور بڑی سرگرمی سے حصہ لینے لگے۔ اپریل ۱۹۳۸ء میں پنجاب پروونشل مسلم لیگ کے سلسلہ میں آرگنائزنگ کمیٹی میں جو ۳۵ اصحاب تھے ان میں شیخ کرامت علی بھی تھے۔ شیخ صاحب قرارداد پاکستان کے بعد مسلمانوں کی سیاسی زندگی میں بڑی سرگرمی سے حصہ لینے لگے۔ مسلم لیگ میں بڑے فعال رکن تھے۔ ان کے مشوروں کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔ ملاپ' لاہور جنوری ۱۹۴۱ء کی ایک خبر ملاحظہ ہو:

> "شیخ کرامت علی شیخوپورہ کے کامیاب وکیل ہیں۔ نہایت فصیح مقرر' اسمبلی میں اہم معلومات پر عندالطلب تقریریں کرتے ہیں۔ لیکن راج دربار میں زبانی رسائی نہیں۔ جب کانگرس پارٹی نے عدم اعتماد کی تحریک پیش کی تھی تو انہوں نے حکومت کے حق میں عدم اعتماد کی تحریک پیش کردی تھی۔ نہایت خوش طبع اور ملنسار دوست ہیں غیرزراعت پیشہ ہیں۔ لائق آدمی ہیں۔ اتحاد پارٹی کے ممبر ہیں۔"

۲۸ اگست ۱۹۴۴ء کو آپ نے ایک بیان میں خضرحیات خاں سے مقابلہ میں انہیں شکست دینے کے عزم کا اظہار کیا۔ مارچ ۱۹۴۵ء میں وائسرائے ہند لارڈ ویول نے شملہ میں ایک کانفرنس منعقد کی۔ لیکن اس میں کوئی سمجھوتہ نہ ہوسکا۔ آپ نے لدھیانہ میں ۳۱ جولائی ۱۹۴۵ء کو تقریر کرتے ہوئے کہا کہ شملہ میں کانگرس نے ملک خضرحیات کو اپنا آلہ کار بنالیا ہے۔ وزیراعظم پنجاب نے اسلامیان ہند کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ ملک صاحب کی اختیار کردہ پالیسی میرے لئے ایک معمہ ہے۔ ۲۳ جون ۱۹۴۵ء کو قائداعظم نے نواب ممدوٹ اور شیخ کرامت علی کو ایک اہم معاملہ کے سلسلہ میں تار دے کر اپنے پاس بلایا تھا۔ ۱۹۴۵ء

میں منٹو پارک لاہور میں مسلم لیگ کا اجلاس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو حکومت نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اس سلسلہ میں ۱۶ فروری کو شیخ صاحب نے ایک اخباری بیان جاری کیا:

"جلسے یہاں پہلے بھی ہوتے تھے۔ اگر میلوں سے اس کی گھاس خراب نہیں ہوئی تو لیگ کی تقریب سے کیسے خراب ہو گی۔"

اس سال شیخ صاحب نے مسلم لیگ کے نمائندہ کی حیثیت سے بیانات جاری کئے۔ احراری لیڈر مولانا مظہر علی اظہر کے مقابلہ میں ۱۹۴۵ء میں صوبائی الیکشن میں کامیابی حاصل کی۔ ممدوٹ وزارت میں آپ ۱۹۴۷ء میں پنجاب کے وزیر تعلیم تھے۔ آپ ہی کی کوششوں سے ۱۹۴۸ء میں پنجاب یونیورسٹی میں ایم اے۔ اردو کی کلاس کا اجرا ہوا تھا۔ ۸ ستمبر ۱۹۵۱ء کو شیخوپورہ میں آپ کا انتقال ہوا۔ شاہ جمال کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۶۲ برس کی تھی۔ شیخ کرامت کے صاحبزادے خواجہ افتخار علی ڈی سی روڈ' گوجرانوالہ میں مستقل رہائش پذیر ہیں۔

۱۶۔ گنگا رام' سر

سر گنگا رام ہسپتال لاہور کا بانی گنگا رام مانگٹانوالہ تحصیل ننکانہ صاحب میں دولت رام کے گھر بیساکھی کے روز ۱۳ اپریل ۱۸۵۱ء کو پیدا ہوا۔ گورنمنٹ ہائی سکول امرتسر میں دسویں جماعت تک پڑھا۔ کلکتہ یونیورسٹی سے میٹرک پاس کر کے گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۸۶۹ء میں انٹرمیڈیٹ کیا۔ حکومت نے نمایاں پوزیشن حاصل کرنے پر ۵۰ روپے ماہوار وظیفہ سے نوازا۔ تھامسن انجینئرنگ کالج رڑکی سے ۱۸۷۳ء میں انجینئرنگ کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد لاہور میں اسسٹنٹ انجینئر کی حیثیت سے ملازم ہو گئے۔ ۱۹۰۰ء میں سپرنٹنڈنٹ آف ورکس مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۳ء میں آپ سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہو گئے۔ سبکدوشی کے بعد ضلع شیخوپورہ میں ایک گاؤں گنگاپور آباد کیا۔ اس میں جدید مشینوں کے ذریعہ کاشت کی جاتی تھی۔ یہ ایک مثالی گاؤں تھا۔ ہندوستان کے وائسرائے اور پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر نے اس گاؤں کا خصوصی دورہ کیا۔ ۱۹۲۲ء میں حکومت نے آپ کو سر کے خطاب سے نوازا۔ ۱۹۲۵ء میں امپیریل بینک آف انڈیا کے نارتھ سرکل کے گورنر اور ساتھ

ساتھ امپیریل ایگریکلچرل کمیشن کے ممبر نامزد ہوئے۔ لندن ہی میں ۱۰ جولائی ۱۹۲۷ء کو ضلع کی یہ نامور اور ہردلعزیز شخصیت انتقال کرگئی۔ لندن ہی میں آخری رسومات ادا کی گئیں۔ ان کا بیٹا سیوک رام ان کی راکھ لے کر ۱۴ اگست کو ہندوستان آیا۔ اگلے روز لاہور لاکر سمادھی بنادی۔ چوالیس لاکھ روپے کی جائیداد قوم کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کی۔ گنگارام نے جنگ عظیم اول کے موقعہ پر وارفنڈ میں پچاس ہزار روپے اور آپ کے لڑکے سیوک رام نے گنگاپور سے ایک لاکھ روپیہ دیا تھا۔ حکومت صلہ میں سیوک رام کو رائے بہادر کا خطاب دیا۔

(تفصیلی حالات و خدمات کے لئے دیکھئے اورینٹل کالج میگزین لاہور اکتوبر ۱۹۹۲ء اور گورنمنٹ کالج شیخوپورہ کا مجلہ مرغزار جلد ۱۵ شمارہ ۱۷ مئی ۱۹۹۱ء)

۱۷۔ محبت خاں' وا ہگہ

مسلم لیگ کے ممبر کی حیثیت سے لاہور میں ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کے اجلاس میں شریک ہوئے آپ پنجاب لیجس لیٹو کونسل کے ممبر بھی تھے۔ حکومت نے آپ کو خان بہادر کے خطاب سے نوازا تھا۔ سر سکندر حیات خاں اور سر چھوٹو رام کڑکن میں محبت خاں کے ہاں آئے تھے۔

محبت خاں وا ہگہ کے والد مل تھے چناب کالونی گیزیٹر ۱۹۰۴ء میں ملیا (Malia) درج ہے۔ مل کے والد مسن (Massan) تھے جنہوں نے بھٹیوں سے شکست کھائی تھی۔ آپ نے ۱۸۲۵ء میں وفات پائی۔ مسن کا بیٹا ملیا احمد خاں کھرل کے پاس مدد کے لئے گیا تھا۔ حکومت نے شمالی بار کے علاقہ کو چکوک میں تقسیم کیا تو حکومت نے ملیہ کو ۱۰۰ ایکڑ اراضی عطا کی۔ ملیہ موضع کڑکن میں رہنے لگا۔ ملیہ کے دوسرے بھائی بلا اور شیرا تھے۔ محبت خاں کو ضلع میں بڑی عزت حاصل تھی۔ آپ کی اولاد خان محمد' محمد خاں اور ملک سلطان محمد ہوئے۔ خان محمد کے لڑکے ملک غلام علی پنجاب اسمبلی کے ممبر ۶۱ ۔ ۱۹۶۰ء میں صدر ایوب کے دور میں ہوئے۔ ان کے لڑکے غلام عباس وا ہگہ شیخوپورہ' ۶ سول لائن میں رہتے ہیں۔

۱۸۔ محمد ابراہیم' چوہدری

ناخواندہ تھے، لیکن عقل و فراست کی وجہ سے معاشرے میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ کے والد کا نام فیض بخش دادا کا نام جھنڈا اور پردادا کا نام بہادر تھا۔ ورک گھرانہ سے تعلق ہے دسوندھی شیخوپورہ کا زیلدار تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا سید محمد زیلدار ہوا۔ سید محمد کے مرنے کے بعد اس کا چچازاد محمد ابراہیم زیلدار ہوا۔

۲۰ اکتوبر ۱۹۳۴ء کے حکومت کے ایک نوٹیفکیشن ۳۳۶،۳۳۵ کے مطابق آپ بلدیہ شیخوپورہ کے ممبر مقرر ہوئے۔ ۵ نومبر ۱۹۳۴ء کے اجلاس میں پہلی بار وائس پریذیڈنٹ چنا گیا۔ چوہدری ابراہیم نے ملک محمد انور کا نام تجویز کیا۔ شیخ کرامت علی نے تائید کی۔ ۱۹۴۸ء میں محمد ابراہیم بلدیہ کے وائس پریذیڈنٹ منتخب ہوئے۔ ۲۴ مئی ۱۹۵۰ء میں آپ بلدیہ کے پریذیڈنٹ منتخب ہوئے۔ ستمبر ۱۹۵۴ء میں بھی آپ بلدیہ کے چیئرمین چنے گئے تھے۔ ۱۱ ستمبر ۱۹۶۵ء کو آپ اس فانی دنیا سے کوچ کر گئے آپ کا ایک بیٹا سخی محمد میٹرک ہی میں وفات پا گیا تھا۔ دوسری اولاد

۱۔ عبدالعزیز زمیندار تھے وفات ۳ دسمبر ۱۹۹۷ء اولاد خالد محمد' ابن مسعود' عبدالخالق اور چھ دختران۔

۲۔ عبدالرحمٰن زمیندار' حیات ہیں۔ اولاد میں د پسر حفیظ الرحمٰن اور سعیدالرحمٰن یہ تین پسر برکت بی بی سے تھے۔

محمد ابراہیم کی دوسری بیوی سرداراں بیگم تھی، جس سے دو لڑکیاں سائرہ بی بی اور آمنہ بی بی ہوئیں۔ برکت بی بی کا انتقال دسمبر ۱۹۷۰ء میں اور سرداراں بیگم ۱۹۹۶ء میں چل بسی۔ دونوں بہنوں کی شادی یکے بعد دیگر چودھری غلام رسول خان آف مچھرالہ سے ہوئی تھی۔

۱۹۔ محمد انور ملک

ملک شاہ محمد کے لڑکے ہیں۔ راجپوت بھٹی گھرانے سے تعلق ہے۔ باپ' دادا موضع

سکیاں، ضلع لاہور کے زمیندار تھے۔ ملک محمد انور ۲۹ اگست ۱۹۰۰ء کو اپنے آبائی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ نزدیکی گاؤں لکھوڈیر کے پرائمری سکول میں پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔ سنٹرل ماڈل ہائی سکول لاہور سے ۱۵ ۔ ۱۹۱۴ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۹۱۷ء میں انٹرمیڈیٹ، ۱۹۱۹ء میں بی اے اور ۱۹۲۱ء میں ایم اے اکنامکس کیا۔ حصول تعلیم کے بعد ایک برس تک نواب آف ہوتی مردان کے پرسنل سیکرٹری رہے۔ لاہور سے قانون میں ڈگری لے کر شیخوپورہ کی ضلعی عدالتوں میں پریکٹس کرنے لگے۔ یہ ۱۹۳۳ء کا دور ہے۔ ضلعی مسلم لیگ، شیخوپورہ میں سرگرمی سے حصہ لینے لگے۔ ۱۹۴۶ء کی سول نافرمانی تحریک میں پیش پیش تھے۔ گرفتار ہوئے قید کی صعوبتیں برداشت کیں۔ ۱۹۴۶ء کے انتخاب میں مسلم لیگ کے ممبر کی حیثیت سے کامیابی حاصل کی۔

۱۹۵۰ء میں گورنر راج قائم ہوئی۔ سردار عبدالرب نشتر پاکستان کے پہلے گورنر مقرر ہوئے۔ انٹرنیشنل کانفرنس میں ملک کی نمائندگی کی۔ ۱۹۶۵ء میں صدر محمد ایوب خان نے آپ کو مغربی پاکستان مسلم لیگ کا صدر نامزد کیا۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران حکومت نے آپ کو مغربی پاکستان کا ریلیف کمشنر مقرر کیا۔ آپ کار سے واپس آرہے تھے کہ لاہور شیخوپورہ روڈ پر کار کے حادثہ کا شکار ہوگئے۔ لاہور میں زیرعلاج رہے لیکن جانبر نہ ہوسکے۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۶۵ء کو اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ اگلے روز قبرستان پیر فتح دین میں آپ کی تدفین ہوئی۔

اکتوبر ۱۹۳۴ء میں حکومت پنجاب نے آپ کو بلدیہ شیخوپورہ کا ممبر نامزد کیا۔ آپ ہی نے شیخ کرامت علی کا نام پریذیڈنٹ شپ کے لئے تجویز کیا تھا۔ ۲۳ فروری ۱۹۳۸ء کو بلدیہ کے نئے اراکین مقرر ہوئے تھے۔ ملک محمد انور وائس پریذیڈنٹ منتخب ہوئے۔ ۱۹۴۴ء میں قیام پاکستان کے وقت اور ۱۹۴۸ء میں بھی آپ بلدیہ کے رکن تھے۔ ۲۴ اپریل ۱۹۴۸ء کے اجلاس میں آپ بلدیہ کے پریذیڈنٹ منتخب ہوئے تھے۔ گورنر کا مشیراعلیٰ مقرر ہونے پر ملک صاحب نے ۲۵ مئی ۱۹۵۰ء کو پریذیڈنٹ شپ سے استعفیٰ دے دیا۔

اولاد: ملک محمد اکرم، ملک محمد اختر، ملک محمد اشرف، ڈاکٹر ملک محمد اصغر، ملک محمد اسلم، سعید انور اور محمودہ بیگم۔

پاکستان کی مشہور سیاسی شخصیات مثلاً لیاقت علی خاں، سردار عبدالرب نشتر، ملک

فیروز خاں نون' راجہ غضنفر علی' نواب ممدوٹ' صدر ایوب خاں اور گورنر ملک محمد امیر خاں' آپ کے ہاں آچکے ہیں۔ تحریک پاکستان کے سلسلہ میں حکومت نے ۱۴ اگست ۱۹۸۹ء کو آپ کو بعد از وفات طلائی تمغہ عطا گیا ہے۔

۲۰۔ محمد حسین شیخ

اقبال بوٹ ہاؤس والے' پرانے مسلم لیگی۔ والد شیخ سلطان بخش ولد غلام محی الدین ایمن آباد کے رہنے والے تھے۔ محمد حسین ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئے۔ کاروبار کے سلسلہ میں ۱۹۲۹ء میں شیخوپورہ چلے آئے اور جوتوں کی دکان کرنے لگے۔ ۱۹۳۵ء میں مسلم لیگ شیخوپورہ میں شمولیت اختیار کی اور ضلعی تنظیم کے فنانس سیکرٹری مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۰ء میں ان کی جگہ حاجی محمد علی ہوئے اور یہ شہر شیخوپورہ کے۔ محمد حسین کا کہنا ہے کہ ۱۹۴۲ء میں جب قائداعظم لائل پور تشریف لے گئے تھے تو ان کے جملہ ریل کے اخراجات شیخوپورہ مسلم لیگ نے ادا کیے تھے۔ آزادی وطن کے موقعہ پر مسلم لیگ کے تحت آپ نے مہاجرین کی آبادکاری اور خوردو نوش کا انتظام کیا۔ ۲۴ دسمبر ۱۹۹۱ء کو آپ نے وفات پائی۔

۲۱۔ محمد رفیع' چوہدری

راجپوت سلہریہ گھرانہ سے آپ کا تعلق ہے۔ آپ کا نسب نامہ ملاحظہ ہو:

محمد رفیع ولد چوہدری فضل دین ولد منصب داد ولد امیر بخش ولد مراد بخش۔

آپ کے آباؤاجداد موضع سجان پور (SuJan Pur) گورداسپور کے رہنے والے تھے اور زمیندار تھے۔

محمد رفیع نے گورنمنٹ کالج لاہور سے انٹرمیڈیٹ کیا اور محکمہ پولیس میں ملازم ہوگئے۔ قیام پاکستان سے قبل آپ شیخوپورہ پولیس سی آئی اے میں تعینات تھے۔ ۱۹۴۷ء میں آپ کے عزیز و اقارب ہجرت کرکے شیخوپورہ میں آگئے اور مختلف مقامات پر آباد ہوگئے۔ محمد رفیع نے بھی موضع ایشر کے نزد فاروق آباد زرعی الاٹ کرالی اور مستقل رہائش شیخوپورہ میں اختیار کی۔ سرکاری ملازمت سے مستعفی ہوگئے۔ مہاجرین کی آبادکاری میں دوسرے لوگوں کا

بڑا ساتھ دیا۔ ۵۴ ۔ ۱۹۵۳ء کے سیلاب میں متاثرہ لوگوں کی بڑی مدد کی۔ حکومت نے اس خدمت پر ایوارڈ سے نوازا۔ ۲۹ ستمبر ۱۹۵۴ء کو حکومت کے ایک حکمنامہ کی رو سے آپ نے بلدیہ شیخوپورہ کے رکن کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ بلدیہ کے صدر چوہدری محمد ابراہیم تھے۔ ۳۱ اگست ۱۹۶۷ء کو آپ بلدیہ کے وائس پریذیڈنٹ منتخب ہوئے۔

ایک طویل عمر پاکر آپ نے ۱۹ جون ۱۹۸۶ء کو اس دارفانی سے کوچ کیا۔

چوہدری محمد رفیع کے بڑے بھائی چوہدری محمد شفیع جو موضع گھنگ میں آباد تھے۔ شہر میں بھی جانے پہچانے جاتے تھے۔ ۲۳ جولائی ۱۹۴۹ء کو آپ نے ٹاؤن کمیٹی شیخوپورہ کے ایک رکن کی حیثیت سے حلف اٹھایا تھا۔ ۸ اگست ۱۹۵۷ء کو محمد شفیع بلدیہ کے پریذیڈنٹ منتخب ہوئے تھے اس عہدہ کے لئے تجویز کنندہ غلام ربانی اور تائید کنندہ علاؤالدین تھے۔ محمد شفیع کا انتقال ۱۹۸۴ء میں ہوا۔ محمد رفیع نے شہر میں ۱۹۷۲ء میں گلستان سینما اور ۱۹۸۶ء میں کیپری سینما تعمیر کیا۔

اولاد میں تین پسر محمد زاہد ایڈووکیٹ' محمد ظفر' محمد اظہر پروفیسر اور چار دختران نسیم بانو' ثریا بانو' ارشد بانو' اور پروین اختر ہیں۔

محمد رفیع کی زوجہ سکینہ بی بی بنت چوہدری عبدالعزیز سفید پوش نے ۱۹۸۳ء میں وفات پائی۔ محمد شفیع کی اولاد محمد نصیب زمیندار اور محمد عظیم حبیب بینک میں مینجر ہیں ان کے علاوہ ۵ لڑکیاں ہیں۔ محمد رفیع کے ایک بھائی چوہدری محمد بشیر فاروق آباد میں رہائش رکھتے ہیں۔ وہ مدتوں بلدیہ فاروق آباد کے چیرمین رہے ہیں۔

۲۲۔ محمد شفیع سالار

سالار کے نام سے معروف ہیں۔ والد کا نام چوہدری مراد بخش اور دادا کا نام چوہدری ودھاوا ولد نواب مصری ہے۔ روپڑ ضلع انبالہ کے جٹ زمیندار گھرانے سے تعلق ہے۔ لائل پور شہر کے قیام کے دوران حکومت نے یہاں لوگوں کو آباد کرنے کے لئے زرعی اراضی الاٹ کی تو ان کے والد تایا اور چچا نقل مکانی کرکے یہاں آباد ہوگئے۔ یہ ۱۸۹۸ء کی بات ہے۔ محمد شفیع ۱۹۰۳ء میں فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔ پرائیویٹ طور پر اپنے والد کے منشی سے تعلیم حاصل کی۔ والد کی رحلت کے بعد ۱۹۳۱ء میں فیلڈ اسسٹنٹ کوآپریٹو سوسائٹی

کی سیتیت سے ملازم ہوگئے۔ ۱۹ جنوری ۱۹۳۵ء کو شیخوپورہ آگئے اور سیاسی لوگوں سے روابط پیدا کئے۔ مسلم لیگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور کے اجلاس میں شرکت کی اور مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے سالار اعلیٰ مقرر ہوئے۔ مسلم لیگ کے زعماء کانفرنس میں شرکت کے لئے جہاں بھی جاتے محمد شفیع مسلم لیگ کے گارڈز لے کر ان سے قبل پہنچ جاتے۔ اپنے رہنماؤں کو سلامی دیتے اور اپنے جلوس کانفرنس کی مقرر جگہ پر ان کو لے جاتے۔ قرارداد لاہور کے موقعہ پر ملک محمد انور' شیخ کرامت علی محمد ابراہیم ورک پیر ظفر حسین (رتہ پیراں) شریف خان (حیدر آبادی)' حکیم محمد عاشق (ننکانہ صاحب)' میاں عالم الدین بیرسٹر اور محمد حسین کے ہمراہ موٹر کے ذریعہ لاہور گئے تھے۔ شملہ میں ۱۹۴۵ء میں لارڈ ویول کی صدارت میں جو سیاسی کانفرنس منعقد ہوئی تھی یہاں بھی آپ گارڈز لے کر گئے تھے۔ ۱۹۴۲ء میں قائداعظم بذریعہ ریل گاڑی لائل پور گئے تھے۔ آپ نے نیشنل گارڈز کے ہمراہ شیخوپورہ سے لائل پور تک ان کا ساتھ دیا تھا۔ گزراوقات کے لئے قیام پاکستان سے قبل ان کی ایک سوڈا واٹر فیکٹری اور ایک سوپ فیکٹری تھی۔ مستقل طور پر جہانگیر آباد شیخوپورہ میں قیام تھا۔ اولاد میں دو لڑکے محمد امان اللہ اور محمد انعام اللہ ہیں۔

محمد شفیع نے ۱۱ فروری ۱۹۹۴ء کو اس فانی دنیا سے کوچ کیا۔

۲۳۔ محمد ظریف' ڈاکٹر

یوپی کے شہر میرٹھ کی تحصیل غازی آباد کے راجپوت گھرانے سے آپ کا تعلق ہے۔ موضع صدرپور کے نمبردار نور محمد تھے۔ نور محمد کے دو بیٹے مولوی محمد اشرف اور نجم الدین تھے۔ مولوی محمد اشرف نے گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کیا اور محکمہ تعلیم سے ریٹائر ہوئے۔ محمد اشرف کے بیٹے محمد ظریف اپریل ۱۸۹۹ء میں پیدا ہوئے۔ آگرہ کالج سے ۱۹۲۶ء میں LMP کی سند حاصل کی۔ قیام پاکستان سے قبل ہی ملازمت کے سلسلہ میں اس طرف آگئے تھے۔ شیخوپورہ کو مستقل رہائش گاہ بنا۔ موضع کرکن میں ڈسپنسری کے لئے آپ کی تقرری ہوئی تھی۔ اس کے بعد سینی بار کی ڈسپنسری میں کام کیا۔ یہاں سے آپ کا تبادلہ ۱۹۴۴ء میں واربرٹن کی ڈسپنسری میں ہوا۔ یہاں سے آپ ملازمت سے قبل ازوقت ۱۹۴۶ء میں ریٹائر ہوئے اور شہر شیخوپورہ میں پریکٹس کرنے لگے۔ ۲۹ مئی ۱۹۷۰ء کو اس فانی دنیا سے

کوچ کیا۔ پیر سید جماعت علی شاہ کے خلفا میں سے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے دو شادیاں کیں۔ دوسری بیوی سے لئیق،خلیق، تصدیق اور ۳ لڑکیاں ہوئیں۔ پہلی بیوی کی اولاد کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ محمد توفیق، (پ ۱۹۳۶ء) شیخوپورہ میں پبلک میڈیکل سٹور چلا رہے ہیں۔ فٹبال، کرکٹ اور بیڈمنٹن کے بہترین کھلاڑی رہے ہیں۔ شیخوپورہ کے کھلاڑیوں سے متعلق وسیع معلومات رکھتے ہیں۔

۲۔ محمد عتیق ڈی سی رتبہ کے سرکاری ملازم تھے۔ حال ہی میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ فٹبال کے بہترین کھلاڑی تھے۔

۳۔ محمد صدیق نقشبندی، کھلاڑی فٹبال، جامع ہائی سکول شیخوپورہ سے ۱۹۸۲ء میں ریٹائر ہوئے۔

۴۔ ڈاکٹر محمد شفیق نقشبندی عرصہ ۳۶ برس سے انگلستان میں مقیم ہیں۔ ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں ملازم تھے۔ ۵ برس ہوئے ملازمت سے ریٹائر ہوگئے ہیں۔ مانچسٹر میں نورفاؤنڈیشن قائم کرکے انسانیت کی خدمت کر رہے ہیں۔ اس کے تحت مانچسٹر شہر کے قریب Bury میں جناح ڈے کیئر سنٹر قائم کرکے بوڑھے افراد کی کفالت کرتے ہیں اور بچوں کو اسلامی تعلیم دیتے ہیں۔ نورفاؤنڈیشن ہی نے شیخوپورہ کی تنظیم انجمن فلاح و بہبود انسانیت کی وساطت سے ڈسٹرکٹ ہسپتال شیخوپورہ میں ڈاکٹر ظریف میموریل کڈنی ڈایالیسس سنٹر قائم کیا ہے۔ چالیس لاکھ روپے میں اس کی مشین جرمنی سے منگوائی ہے۔

محمد عفیف (پ ۱۹۲۱ء) شیخوپورہ سے ۱۹۴۰ء میں میٹرک کیا۔ وفات ۱۹۴۸ء

محمد رفیق (پ ۱۹۲۶ء) ملازم PAF قبل ازوقت ریٹائرمنٹ لے لی۔ کراچی میں آباد ہیں۔

۲۴۔ مراد خاں بلوچ، ملک

مسلم لیگ کے رکن تھے۔ لاہور کے ۲۲ مارچ کے اجلاس میں شرکت کی تھی۔ والد کا نام ملک چراغ دین اور دادا کا نام جان محمد تھا۔ اولاد میں صرف ایک لڑکا محمد عباس تھا جو وفات پاچکا ہے۔ محمد عباس LDA میں ملازم تھا مراد خاں کی شیخوپورہ میں زرعی اراضی تھی۔

۲۵۔ واربرٹن

اس کے والد سررابرٹ واربرٹن (۱۸۹۹ ۔ ۱۸۴۲) فوج میں لیفٹیننٹ کرنل تھے۔ اس نے مہردوست محمد خاں کی بھانجی سے شادی کی تو جے پی وار برٹن ۱۱ جولائی ۱۸۴۲ء کو افغانستان میں پیدا ہوا۔ کنگسٹن ایڈسکومب اور وولوچ میں تعلیم حاصل کرکے ۱۸۶۲ء میں رائل آرٹلری میں ملازم ہوا۔ ۱۸۷۰ء میں پنجاب کمیشن میں تقرر ہوا اور پشاور گیا۔ ۱۸۷۹ سے ۱۸۹۷ تک خیبر میں پولیٹیکل آفیسر' ۹۸ ۔ ۱۸۹۷ء میں KCIE کے خطابات ملے۔ ۲۳ اپریل ۱۸۹۹ء کو اس دنیا سے چل بسے۔ ان کی ایک کتاب "خیبر میں اٹھارہ سال" انگریزی میں ۱۹۰۰ء میں شائع ہوئی۔

رچرڈ واربرٹن فارسی اور پشتو پر کامل عبور رکھتا تھا' مشرقی آداب معاشرت سے بخوبی واقف تھا۔ پنجاب میں ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس اور پٹیالہ میں انسپکٹر جنرل پولیس کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔ حکومت نے نہرچناب کی ۳۰ مربع اراضی واربرٹن کو عطا کی دربار دہلی منعقدہ ۱۹۰۳ء کے موقعہ پر حکومت نے اس اراضی کا نذرانہ معاف کردیا۔ واربرٹن سپرنٹنڈنٹ پولیس کی فرمائش پر فارسی کے مشہور شاعر اور علامہ اقبال کے عزیز دوست غلام قادر گرامی (۱۹۲۷ ۔ ۱۸۵۶) پولیس میں بھرتی ہوئے تھے۔ واربرٹن کی اکلوتی دختر مس میری رانی تھی۔ اس نے ۴۰ ۔ ۱۹۳۵ء میں باپ کی اراضی فروخت کردی۔ میری درانی کے اخلاق کی بلندی کا ذکر سردار دیون سنگھ مفتوں نے اپنی کتاب ناقابل فراموش" میں اس طرح کیا ہے:

> "مجھے کتوں کے رکھنے بہت شوق ہے اور میں سب سے زیادہ Spaniel نسل کے کتے پسند کرتا ہوں کیونکہ یہ نسل اپنے مالک سے بہت محبت کرتی ہے میں نے سٹیٹس مین اشتہار دیکھا جو مس واربرٹن کی طرف سے پلوں کی فروخت کے متعلق تھا۔ مس واربرٹن (یہ خاتون پنجاب کے مشہور انسپکٹر جنرل مرحوم مسٹرواربرٹن کی صاجزادی تھیں جنھوں نے پنجاب سے ٹھگی' ڈکیتی اور دوسرے جرائم کا خاتمہ کیا ڈاکوؤں کے پاؤں میں پہنائی جانے والی بھاری وزن کی بیڑیاں اب بھی تھانوں اور جیلوں میں بارٹنی بیڑیاں کہلاتی ہیں

شیخوپورہ شہر کی غیر مسلم معروف شخصیات

۱۔ سردار گوپال سنگھ

ریلوے سٹیشن سے پرے شمال میں ۱۹۳۶ء میں ایک کارخانہ تعمیر کیا۔ اینٹوں کے متعدد بھٹوں کا مالک تھا۔ انجمن اسلامیہ کو مسجد کی تعمیر کرنے کی پیشکش کی تھی۔ گوپال سنگھ کی بیوی ویراں دیوی نے ۴۵ برس کی عمر میں ۱۴ جولائی ۱۹۴۰ء کو وفات پائی گوپال سنگھ سے منسوب ایک سرائے ہوا کرتی تھی۔

۲۔ سردار گوہر سنگھ

باپ کا نام سردار گنڈا سنگھ تھا کھنڈپوری سکھ تھا۔ گوہر سنگھ نے ۸۰ برس کی عمر میں ۲۸ ستمبر ۱۹۳۶ء کو انتقال کیا۔ محکمہ پولیس میں انسپکٹر تھے اور پنشن پر ریٹائر ہوئے تھے۔ اس کا لڑکا سردار سنتوکھ سنگھ تھا۔

۳۔ لالہ بھگت رام

ولد لالہ ساون مل : ہندو کھتری' ڈپٹی کلکٹر کی حیثیت سے ملازمت سے پنشن پر ریٹائر ہوئے۔ سول لائنز میں ان کی ایک کوٹھی تھی۔ ۵ ستمبر ۱۹۴۴ء کو انتقال ہوا۔

۴۔ سردار آتما سنگھ

کانگرس کا لیڈر تھا سردار سنتوکھ سنگھ کا بھائی اور گوہر سنگھ کا لڑکا تھا۔ اس کی بسیں چلتی تھیں۔ آتما سنگھ ۵ نومبر ۱۹۳۴ء کے اجلاس میں بلدیہ کا پریذیڈنٹ منتخب ہوا تھا۔ گورنمنٹ ہائی سکول میں جولائی ۱۹۲۳ء میں طلباء کی ہڑتال کو اس نے ختم کرایا تھا۔

۵۔ سردار بوٹا سنگھ

ایک بڑا زمیندار تھا۔ شہر میں ایک بڑی کوٹھی تھی۔ ان کی کوٹھی میں آج کل نیشنل بینک آف پاکستان کی مین برانچ کام کر رہی ہے۔ ان کو سردار بہادر کا خطاب بھی ملا تھا۔

۶۔ سردار دربارا سنگھ

وکالت کرتا تھا شہر میں ایک امن کمیٹی بنائی گئی تھی محمد شفیع سالار نے ان کو اس کمیٹی

کارکن بنانے کی سفارش کی تھی۔

۷۔ گلوب

شہر کے ریگل سینما کا مالک' ۱۹۳۵ء میں شہر میں اس کا ایک برف کا کارخانہ تھا۔ بقول شیخ محمد حسین مسلم لیگی ماہ رمضان میں مسلمانوں کو مفت برف دیتا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں یہاں مارا گیا تھا اولاد سے محروم تھا۔ راؤ صاحب کہلاتا تھا۔

۸۔ سردار سنتوکھ سنگھ

رئیس تھا' اس کا ایک لڑکا کشن تھا۔ سنتوکھ سنگھ ممبر بلدیہ شیخوپورہ نے مارچ ۱۹۴۴ء میں بلدیہ کے پریذیڈنٹ کے لئے ملک محمد انور کا نام پیش کیا تھا۔ سردار سنتوکھ سنگھ اسی اجلاس میں بلدیہ کا وائس پریذیڈنٹ منتخب ہوا تھا۔ فروری ۱۹۴۶ء کے اجلاس میں انہوں نے پریذیڈنٹ کے لئے مولوی غلام حیدر کو تجویز کیا تھا جو منتخب ہو گئے۔

۹۔ دھیان سنگھ سردار

مین روڈ پر اس کی ایک کوٹھی تھی۔ دسمبر ۱۹۲۳ء میں بلدیہ شیخوپورہ کے رکن تھے۔ ۱۹۴۷ء میں مارے گئے۔

۱۰۔ سیٹھ برکت رام ممبر بلدیہ

۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۸ء تک۔ ۱۹۲۸ء میں آپ نے وفات پائی۔

۱۱۔ سردار ہرنام سنگھ

ممبر بلدیہ ۱۹۲۸

۱۲۔ پنڈت ہر بھگوان

ممبر بلدیہ ۱۹۲۱

۱۳۔ سردار تیجا سنگھ

نومبر ۱۹۳۴ء میں بلدیہ کے وائس پریذیڈنٹ چنے گئے تھے۔

۱۴۔ پنڈت بخشی رام

مقامی لوگوں میں اور سرکاری سطح پر ان کی بڑی عزت تھی۔ پہلی بار ۱۰ ستمبر ۱۹۲۸ء کو

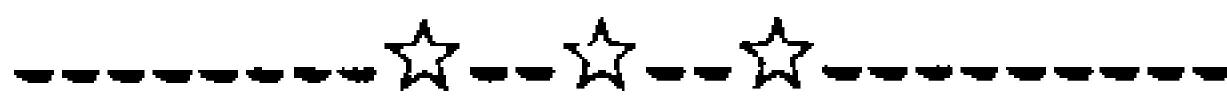
ٹاؤن کمیٹی شیخوپورہ کے ایک رکن کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ جولائی ۱۹۳۱ء میں بھی رکن تھے۔ تیسری بار ۵ نومبر ۱۹۳۴ء کو بھی رکن منتخب ہوئے تھے۔ جولائی ۱۹۳۱ء میں حکومت پنجاب نے میو ہسپتال اور ڈسپنسری اپنی تحویل میں لینے کا فیصلہ کیا تو اس کام کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو شیخ کرامت علی اور پنڈت بخشی رام پر مشتمل تھی۔

۱۵۔ سردار دیوان سنگھ مفتوں

شہر حافظ آباد کے رہنے والے تھے۔ شہر شیخوپورہ کو ساری عمر نہیں بھولے۔ وہ اپنی مشہور کتاب "ناقابل فراموش" میں ذکر کرتے ہیں کہ ان کی منگنی گوجرانوالہ کے گاؤں گوبندپورہ میں سردار ہرنام سنگھ کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ یہ رشتہ قائم نہ رہ سکا بعد میں یہ لڑکی شیخوپورہ بیاہی گئی۔

گنگا سنگھ

سردار گنگا سنگھ ڈھلوں' امریکی شہری ہیں۔ باپ سردار کاہن سنگھ علاقہ کی ایک ممتاز شخصیت اور زیلدار تھے۔ ۱۹۴۷ء میں کاہن سنگھ قتل ہوگیا تھا۔ گنگا سنگھ شیخوپورہ میں پیدا ہوا۔ گورنمنٹ ہائی سکول شیخوپورہ سے میٹرک کیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوا کہ تقسیم ملک کا واقعہ رونما ہوا۔ اپنی ماں اور بہن بھائیوں کے ساتھ بھارت چلا گیا۔ سکھوں کے حقوق کے لئے گنگا سنگھ بھارت سے لڑ رہا ہے اور اسی وجہ سے بھارت میں اس کا داخلہ ممنوع ہے۔



حوالے

باب ۱:

۱۔ سرمایۂ عمر، محمد اسلم سمن آباد لاہور، ۱۹۷۶۔
۲۔ روسائے پنجاب، کیپٹن گرفن، وکٹوریہ پریس، لاہور ۱۸۸۲ء۔
۳۔ سیرالمتاخرین، غلام حسین، منشی نول کشور، لکھنؤ ۱۸۷۴۔
۴۔ تزک جہانگیری، نورالدین جہانگیر ترجمہ مولوی احمد علی رامپوری، لاہور ۱۹۶۷۔
۵۔ ارض پاکستان، رشید اختر ندوی، اسلام آباد ۱۹۸۶۔
۶۔ ہیر وارث شاہ، مرتب شیخ عبدالعزیز، پنجابی ادبی بورڈ، لاہور ۱۹۶۴۔
۷۔ حکایات پنجاب، آر۔ سی ٹیمپل، مجلس ترقی ادب، لاہور۔
۸۔ شاہ جہاں نامہ (عمل صالح) محمد صالح کنبوہ ترجمہ ڈاکٹر ناصر حسن زیدی، مرکزی اردو بورڈ، لاہور ۱۹۷۴ء۔
۹۔ چار باغ پنجاب، گنیش داس بھدرا، امرتسر۔
۱۰۔ ظفرنامہ رنجیت سنگھ، کنہیالال سوری، لاہور ۱۸۷۶ء۔
۱۱۔ ناقابل فراموش، سردار دیوان سنگھ مفتوں، مکتبہ شعر و ادب، لاہور۔
۱۲۔ سراج الاخبار جہلم، ۲۷ مارچ ۱۸۹۳ء، ۱۶ اکتوبر ۱۸۹۳ء، ۱۳ نومبر ۱۸۹۳ء، ۱۸ اپریل ۱۸۹۸ء۔
۱۳۔ انقلاب لاہور۔ ۲۲ فروری ۱۹۳۸ء۔
۱۴۔ خلاصۃ التواریخ۔
۱۵۔ آئین اکبری، علامہ ابوالفضل ترجمہ مولوی محمد فدا علی، لاہور۔ ۱۹۸۸ء۔

1- Studies in india- Muslim History- Shahpur shah - Hormasji

Hodivala - vol I Islamic book service Lahore. 1999.

2- Punjab Under the Mughals - M. Akbar Lahore 1948.

3- Modern Muslim India and the Birth of Pakistan.

Dr. S. M. Ikram. Lahore 1987.

4- The Emergence of Pakistan-Chanudhry

Muhammad Ali - Lahore 1973.

5- Freedom at Midnignt - Larry Collins. London 1982.

6- The ancient geography of india- Alexander

Cunningham- London.

7- Punjab under the British - B. S. Nijjar.

8- Imperial gazetter of India Sir Huter - London

1887 - Vol - 14

9- Gujnranwala Distt. Gazetteer - 1935 Lahore.

10- The Sheikhupura Review- Umin wllah Chawdwry-

D. C. Skeikhupufa 1975.

نوٹ: شیخوپورہ کے قرب و جوار میں جو تاریخی ٹیلے (Mounds) ہیں وہ میں نے ذاتی طور پر دیکھے ہیں۔ میرے ایک شاگرد محمد اکرم (متوطن چک رسالہ ۴۰) نے ۱۹۹۳ء میں موٹر سائیکل پر اپنے ہمراہ لے جا کر دکھائے تھے۔ اپنے اس شاگرد کا ممنون ہوں۔

باب : ۲

۱۔ بلدیہ شیخوپورہ کے اجلاسوں کی کارروائیوں کا رجسٹر مملوکہ بلدیہ شیخوپورہ۔
۲۔ پنجاب گزٹ ۱۹۱۹ء ۔ ۱۹۲۰ء۔

باب : ۳

۱۔ سراج الاخبار جہلم۔ ۶ مارچ ۱۸۹۳ء
۲۔ نسخہ ہائے خطی کتاب خانہ گنج بخش' مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان۔

1- Polijical Diaries of the agent to the Governer general North west frontier and resident at lahore. Allamabad- 1909.

باب : ۴

۱۔ بلدیہ شیخوپورہ کے اجلاسوں کی کارروائیاں از ۱۹۱۹ء۔
۲۔ لاہور' گوجرانوالہ اضلاع کے گزیٹرز' ۸۴ ۔ ۱۸۸۳ء۔
۳۔ تاریخ سیدوالہ' محمد رمضان انور' لاہور ۱۹۹۳ء۔
۴۔ سراج الاخبار جہلم' ۱۸۹۵ء۔
۵۔ وکیل امرتسر ۱۸۹۹۔

1- The District Census report of sheiknupura Govt of Pakistan Islamabad 1984.

2- Aglossary of the Tribes and castes of the Punjab and North-west - Ibbetson- Lahore 1919.

باب: ۵-۶

۱۔ رپورٹ مجموعی' انتظام ممالک پنجاب وغیرہ ۷۲ - ۱۸۷۱' لاہور۔
۲۔ سراج الاخبار جہلم' یکم مئی ۱۹۰۶ء' ۵ اگست ۱۸۹۵ء۔
۳۔ بلدیہ شیخوپورہ کے اجلاسوں کی کارروائیاں۔

1: Hundred years of Pakistan Railways.

M.B. Malik Karachi - 1962.

باب: ۷

۱۔ بلدیہ شیخوپورہ کے اجلاسوں کی کارروائیاں از ۱۹۱۹۔
۲۔ سراج الاخبار جہلم' ۱۸۹۵ء
۳۔ وکیل امرتسر' ۲ اکتوبر ۱۸۹۹۔
۴۔ رہبر ہند' لاہور' ۲ فروری ۱۸۸۵۔
۵۔ اخبار جہاں۔ کراچی جلد ۳۲ شمارہ ۳' ۱۹-۲۵ جنوری ۱۹۹۸

1- The Sheikhupura revew - Aminullan Chaudhry.

2- Guranwala Distt. Gazetteer. 1935.

3- District census report of Sheikhupura- 1981.

For 1984. Govt of Pakistan, Islamabad.

باب: ۸

۱۔ بلدیہ شیخوپورہ کے اجلاسوں کے رجسٹر۔
۲۔ روزنامہ' خالد' لاہور ۲۶ دسمبر ۱۹۳۸ء
۳۔ اشاریہ نوائے وقت ۴۷ - ۱۹۴۴ء' لاہور۔
۴۔ دی پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن ۴۷ - ۱۹۳۷ء' سرفراز حسین مرزا' لاہور ۱۹۷۸ء۔

1- Muslim League sesion 1940 and the Lahore resolution

Ikram Ali Malik- Islamabad. 1990.

2- All India Muslim conference 1928-35. K.K. Aziz Karachi 1972.

باب : ۱۰

۱۔ سراج الاخبار جہلم ۱۸ اپریل ۱۸۹۸ء' جولائی۔اگست ۱۸۹۵ء۔

۲۔ ساندل بار' احمد غزالی' فیروز سنز لاہور ۱۹۸۸ء۔

۳۔ روزنامہ انقلاب' لاہور ۱۴ جون ۱۹۳۸ء۔

۴۔ یادگار دربار دہلی' مولوی فیروزالدین لاہور ۱۹۰۳ء۔

۵۔ لاہور ڈسٹرکٹ گیزیٹر ۸۴-۱۸۸۳ء (انگریزی)۔

۶۔ تاریخ سید والا' محمد رمضان انور' ساندہ خورد' لاہور ۱۹۹۳ء۔

باب : ۱۱

الف) عہد قدیم

(i) اولیائے اللہ علماء و فضلا

۱۔ تاریخ جلیلہ' غلام دستگیر نامی' درگاہ جلیلہ واقع میکلوڈ روڈ لاہور ۱۹۳۷ء ۔ ۱۹۶۰ء۔

۲۔ خزینتہ الاصفیاء۔

۳۔ تزک جہانگیری' نورالدین جہانگیر ترجمہ مولوی احمد علی' سنگ میل پبلی کیشنز' لاہور ۱۹۶۷ء۔

۴۔ اولیائے لاہور' محمد لطیف ملک' سنگ میل پبلی کیشنز' لاہور ۱۹۶۲ء۔

۵۔ پاکستان میں فارسی ادب' ڈاکٹر ظہورالدین احمد لاہور' ۱۹۷۷ء۔

۶۔ منتخب الباب، کافی خان، نفیس اکیڈمی، کراچی ۱۹۶۳ء۔
۷۔ تاریخ شاہ جہاں، ڈاکٹر بنارسی پرشاد سکسینہ، اردو بازار، لاہور ۱۹۸۷ء۔
۸۔ تذکرہ علمائے پنجاب، اختر راہی، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور ۱۹۸۱ء۔

1- British under the Mughals. Mohammad Akbar. Lahore 1942.

2- History of India - Sir H. Ellot Vol-IV London 1875.

3- Studies in India - Muslim History- Shanpur Shah vol-I.

Islamic book Service Lahore 1979.

4- Punjab under the Mughals - M. Akbar-Lahore 1948.

(ii) سکھ

۱۔ لاہور ڈسٹرکٹ گزیٹر، ۱۹۱۶ء (انگریزی)۔
۲۔ ظفرنامہ رنجیت سنگھ، کنہیالال، لاہور ۱۸۷۶ء۔
۳۔ پنجاب مغلوں کے عہد زوال میں، عزیزاحمد چوہدری، لاہور ۱۹۸۰ء۔
۴۔ سراج الاخبار جہلم، ۲۲ فروری ۱۸۸۶ء، ۷ فروری ۱۸۸۷ء، ۲ جنوری ۱۸۹۳ء۔
۵۔ رہبرہند، لاہور، ۲۴ دسمبر ۱۸۷۳ء، ۳۰ نومبر ۱۸۹۴ء۔
۶۔ تذکرہ روسائے پنجاب، جلد اول، لاہور۔
۷۔ تاریخ لاہور، کنہیالال سوری مجلس ترقی ادب، لاہور ۱۹۷۷ء۔
۸۔ تاریخ پنجاب، کنہیالال سوری، مجلس ترقی ادب، لاہور ۱۹۸۶ء۔
۹۔ عمدہ التواریخ، سوہن لال سوری، نئی دہلی، ۱۹۶۱ء۔

1- Delhi in 1857 - N.K. Nigam. Delhi-1957.

2- Sikh Pilgrimage to Pakistan-Hardip Singh Choudhry

and Anop Singh London. 1985.

3- European Adventurers of Northern India. 1785-1849

C. Crey 1929 Lahore 1982.

4- 12-Years of A soldier's life in India - Major

W.S.R. Hudson London 1859.

5- Umdat-ut-Tawarikh-Lala Sohan Lal Suri Delhi 1961.

6- Political Diaries of the Agent to the Governor

General North

West Frontier and Resident - Allahabad- 1909.

7- Punjab under the British Rule 1849 - 1949 B.S.

Nijjar -Lahore.

8- History of the Punjab Syed Abdul Latif.

9-Gazetteer of Lahore of District. 1916 Lahore 1916.

10-Gazetter of Gujranwala Distt. 1935 Lahore 1935.

ب: جدید عہد۔

۱۔ نقوش' لاہور نمبر' فروری ۱۹۶۲ء' لاہور۔ ۱۹۶۲ء۔

۲۔ تاریخ لاہور' کنہیالال ہندی' مجلس ترقی ادب' لاہور ۱۹۸۷ء۔

۳۔ سراج الاخبار جہلم' ۲۹ اگست ۱۸۸۷ء' ۱۲ اپریل ۱۸۸۶ء' ۲۰ جنوری ۱۸۹۳ء۔

۴۔ خالد' لاہور' روزنامہ' ۲۶ دسمبر ۱۹۳۸ء۔

۵۔ وطن' لاہور' ۱۶ جنوری ۱۹۲۲ء۔

۶۔ اردو' دائرہ معارف اسلامیہ' پنجاب یونیورسٹی' لاہور جلد ۱۱ ۔ ۲۲۔

۷۔ ناقابل فراموش، دیوان سنگھ مفتون، مکتبہ شعر و ادب، لاہور۔
۸۔ پنجاب زبان و ادب، حمید اللہ ہاشمی، انجمن ترقی اردو کراچی، ۱۹۸۸ء۔
۹۔ پنجابی شاعراں دا تذکرہ میاں مولابخش کشتہ، عزیز پبلشرز، لاہور۔ ۱۹۸۸ء۔
۱۰۔ تاریخ ورک، محبوب علی ورک، نورپور ورکاں، تحصیل و ضلع شیخوپورہ۔
۱۱۔ پنجابی کتابیات، ڈاکٹر شہباز ملک، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد۔ ۱۹۷۱ء۔
۱۲۔ گزیٹر آف دی پنجاب کالونی ۱۹۰۴ء، لاہور ۱۹۰۵ء، لاہور ۱۹۹۶ء (انگریزی)۔
۱۳۔ پنجاب رنگ، شفیع عقیل، مرکزی اردو بورڈ، لاہور۔ ۱۹۶۸ء۔
۱۴۔ مسلم لیگ سیشن ۱۹۴۰ء اینڈ دی لاہور ریزولوشن، اسلام آباد، ۱۹۹۰ء (انگریزی)
۱۵۔ لاہور کے اولیائے سہرورد، احمد دین کلیم، لاہور ۱۹۶۹ء۔
۱۶۔ دی پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن ۴۷ ۔ ۱۹۳۷ء، سرفراز حسین مرزا، لاہور ۱۹۷۸ء۔
۱۷۔ پنجاب میں اردو، حافظ محمود شیرانی، لاہور۔
۱۸۔ سیدوارث شاہ، حمیداللہ شاہ، مجلس پنجابی ادب، فیصل آباد۔

مصنف کی دیگر تصانیف

۱۔ اردو کی نثری تاریخ میں سرسید کا مقام، فیروز سنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۷۱ء انیس انٹرپرائزز، روگراں دہلی، ۱۹۷۶ء، قیمت چھ روپے

۲۔ تاریخ رائے ونڈ، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز اردو بازار، لاہور، ۱۹۷۷ء ۱۵ روپے۔

۳۔ تاریخ پسرور، سنگ میل پبلی کیشنز، اردو بازار لاہور، ۱۹۸۱ قیمت پچاس روپے۔

۴۔ علامہ اقبال کے استاد شمس العلماء مولوی سید میر حسن (حیات و افکار) اقبال اکادمی۔ پاکستان لاہور، ۱۹۸۱ء قیمت ۲۸ روپے، داؤد ادبی انعام یافتہ اس کا دوسرا ایڈیشن زیر طبع ہے۔

۵۔ یورپ میں اردو کے مراکز مجلس ترقی ادب، لاہور ۱۹۸۴ء قیمت پندرہ روپے۔

۶۔ اقبال کی ابتدائی زندگی، اقبال اکادمی، پاکستان لاہور۔ ۱۹۸۶ء ۸۰ روپے طبع دوم ۱۹۹۶ء قیمت ۱۵۰ روپے۔

۷۔ تعلیقات خطبات گارسیں دتاسی (مقالہ پی ایچ ڈی) مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۸۷ء قیمت ستر روپے۔

۸۔ تذکار محمود، اظہار سنز، اردو بازار لاہور، ۱۹۹۸ء ۳۰۰ روپے۔

۹۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، جلد ۲۱ مقالہ مولوی محمد سید میر حسن

اظہار سنز

۱۹۔ اردو بازار لاہور